

# غالب کے خطوط

(جلد اول)

مُرتبہ

خلیق انجم

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

## ⑤ خلیق انجم

سفر اشاعت ..... ۱۹۲۳ء

تعداد : ..... ۱۱۰۰

قیمت : ..... پچھتر روپے

بہارِ انجم : ..... مشاہدہ ملی

طباعہ : ..... سرآدم پرنٹرز، دہلی

ناشر

غالب انسٹی ٹیوٹ، ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۲

[illegible]

۱۳	بعض الفاظ کی ادا اور ان کا تلفظ	۱۳	خطوط غیب، سترہ، گھٹن پر شاہ
۱۴	بولچا اور گھڑی	۱۴	پاکستانی ملک نام
۱۵	گولچہ	۱۵	مورچہ اور اس کے مثل،
۱۶	گولچہ	۱۶	موتیہ اور موتی صیغہ کا مثل
۱۷	گولچہ	۱۷	غائب کی یاد دہانی مخصوص سیات
۱۸	گولچہ	۱۸	یاد بھولنا اور یاد رکھنا
۱۹	غائب کی زبان پر فارسی اشعار	۱۹	اشعار کا ذکر کئے اور زبان
۲۰	انگریزی الفاظ کا استعمال	۲۰	اوجاہ و صورت
۲۱	غائب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد	۲۱	پیش کا استعمال
۲۲	خطوط غائب کا تنقیدی مطالعہ	۲۲	پھر آوازوں کی تعداد
۲۳	غائب سے قبل اردو کا مغربی مطالعہ	۲۳	شعر کا تجزیہ اور اس کے مثل
۲۴	اور اردو مکتوب نگاری کا آغاز	۲۴	مکتوب نگاری کا آغاز
۲۵	غائب کی پہلی کتاب اور خط	۲۵	لوہ خزاں اور لوہ ساکن
۲۶	مکتوب نگاری کا سلی	۲۶	بعض صیغہ کا ذکر کئے اور زبان
۲۷	مکتوب نگاری کا سلی	۲۷	ذات اور تر
۲۸	غائب کی کتاب	۲۸	پار اور کلام
۲۹	غائب کی کتاب اور گھڑی	۲۹	یاد بھولنا اور یاد رکھنا
۳۰	خطوط غائب کی مجموعی تعداد	۳۰	پاکستانی ملک نام
۳۱	غائب کی زبان پر فارسی اشعار	۳۱	مورچہ اور اس کے مثل،
۳۲	انگریزی الفاظ کا استعمال	۳۲	موتیہ اور موتی صیغہ کا مثل
۳۳	غائب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد	۳۳	غائب کی یاد دہانی مخصوص سیات
۳۴	خطوط غائب کا تنقیدی مطالعہ	۳۴	یاد بھولنا اور یاد رکھنا
۳۵	غائب سے قبل اردو کا مغربی مطالعہ	۳۵	اشعار کا ذکر کئے اور زبان
۳۶	اور اردو مکتوب نگاری کا آغاز	۳۶	اوجاہ و صورت
۳۷	غائب کی پہلی کتاب اور خط	۳۷	پیش کا استعمال
۳۸	مکتوب نگاری کا سلی	۳۸	پھر آوازوں کی تعداد
۳۹	مکتوب نگاری کا سلی	۳۹	شعر کا تجزیہ اور اس کے مثل
۴۰	مکتوب نگاری کا سلی	۴۰	مکتوب نگاری کا آغاز
۴۱	غائب کی کتاب اور خط	۴۱	لوہ خزاں اور لوہ ساکن
۴۲	خطوط غائب کی مجموعی تعداد	۴۲	بعض صیغہ کا ذکر کئے اور زبان
۴۳	غائب کی زبان پر فارسی اشعار	۴۳	ذات اور تر
۴۴	انگریزی الفاظ کا استعمال	۴۴	پار اور کلام
۴۵	غائب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد	۴۵	یاد بھولنا اور یاد رکھنا
۴۶	خطوط غائب کا تنقیدی مطالعہ	۴۶	پاکستانی ملک نام
۴۷	غائب سے قبل اردو کا مغربی مطالعہ	۴۷	مورچہ اور اس کے مثل،
۴۸	اور اردو مکتوب نگاری کا آغاز	۴۸	موتیہ اور موتی صیغہ کا مثل
۴۹	غائب کی پہلی کتاب اور خط	۴۹	غائب کی یاد دہانی مخصوص سیات
۵۰	مکتوب نگاری کا سلی	۵۰	یاد بھولنا اور یاد رکھنا

۱۴۲ جنتی نہیں ہے بارہ وسا تو کچھ بڑے

۱۴۳ غمروں کے انتخاب نے دوا کیا ہے

۱۴۵ مرگے کا مٹی

۱۴۶ گندہ پھیرنا کھود بھگت کیا بڑے

۲۱۱ نام یک نام احمد

۲۱۲ غم بھرا توں پہاڑی دغا بھرا کر گیا

غائب کے خطوط

۲۳۳ موزا پر گول نقش کے نام

۳۶۳ نواب شاہ الدین احمد شاہی کے نام

تصویری

۲۳۱ موزا پر گول نقش کے نام

۳۶۱ نواب شاہ الدین احمد شاہی کے نام

تخلیو غائب کے عکس

۲۳۱ موزا پر گول نقش کے نام

۳۶۵ موزا شاہ الدین احمد شاہی کے نام

۳۸۵ ایضاً

۳۲۶ ایضاً

# حرف آغاز

غالب کے تمام اردو خطوط کو دیکھا کر کے ان کا عقیدہ اور شیوہ تیار کرنے کا منصوبہ پہلا بار مولوی مرزا پرشاد نے بنایا تھا۔ مروج نے اس سلسلے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا۔ ہر ممکن ذریعے سے غالب کے خطوط اور عزیز خطوط کو خطوطِ بالائی کے عکس فراہم کیے۔ اس وقت تک خطوطِ غالب کے متعدد اذیتناک اور مٹاؤں کے مکر پر مٹ شائع ہو چکے تھے خطوطِ غالب کے اس طرزِ کار کے تمام نسخوں کی ترتیب میں چون کہ قلمی تنقید کے خیالی اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی تھی اس لیے متن میں بے شمار غلطیاں درپا گئی تھیں۔ مولوی عزیز پرشاد نے کچھ متن کے تصحیح کی کوشش کی اور پہلی جلد مرتب کر کے شائع کر دی۔ وہ ابھی دوسری جلد کی تیاری میں مصروف تھے کہ دنیا سے پہلے بے۔

میرزا پرشاد صاحب کے انتقال کے بعد مولوی غلام رسول نے دو جلدوں میں خطوطِ غالب مرتب کر کے شائع کر دیے۔ ہر صاحب کے علم و فضل سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ جید عالم تھے لیکن نہ جانے کبھی انھوں نے اس کام پر غور خواہ توجہ نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ متن اتنا غلط چسپا کہ میرے متناظر انداز سے کے مطابق متن میں فی سطر آٹھ یا دس غلطیاں ہوں گی۔

جملہ مسخرہ کے طور پر عرض کر دوں کہ مولانا امین الدین صاحب نے اس مرتبہ کا ترتیب غالب، غالب کے خطوط کا وہ پہلا اڈیشن ہے جس میں بہت سی اصلاحیں کی گئی ہیں۔ اس مرتبہ کے شیوہ تیار کیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مجموعے میں غالب کے بیشتر خطوط کو غلطیوں سے بھرپور کیا گیا ہے۔ بالکل غیر اہم ہیں: "مکاتیب غالب" کی اہمیت ان کے مکتوبِ اہم کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انھیں غالب نے لکھا اور ان صاحب

بھیے متنی نکھارنے اُن کا تنقیدی اڈیشن تیار کیا۔

غالب کے اصل خطوط کے عکس مختلف زمانوں میں شائع ہوتے رہے اور خراجِ غالب میں پرتھوی چند نے نواباچہ رام پور کے نام غالب کے اکثر خطوط اور کچھ دوسرے لوگوں کے نام غالب کے خطوط کے عکس شائع کیے ہیں۔ میں نے غالب کے اصل خطوط کے نام دستیاب عکس اس کیسے میں اس طرح شائع کیے ہیں کہ میں مکتوبِ حبیب کے نام کا وہ خط جس کی اس کا عکس دستیاب ہو گیا ہے یہاں نقل ہوا ہے اُس کے ساتھ خط کا عکس بھی دے دیا ہے۔

میں ان تمام حضرات کا انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے یہ عکس شائع کیے تھے۔ غالب کا دل اس پسندیدہ کا بھی خاص طور سے مسنون ہوں جنہوں نے عائشہ اور شاقبہ کے نام کے دو خطوط کے عکس بھی فراہم کیے۔ غالب نے یہ دونوں خط ۱۸۵۷ء کو لکھے تھے۔

خطوط غالب کا تنقیدی اڈیشن تیار کرنے میں میں کرم فرماؤں، دوستوں اور شاگردوں نے میرے ساتھ تعاون کیا ہے ان کا تہہ دل بھی خاصی ہے۔ خطوط کے تصدیق میں محترم شخصیتوں سعیدی نے استفادہ کیا ہے انہیں مولانا امین الرحمن صاحب مرحوم کا علی عبدالودود اور پروفیسر زید احمد کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں میرے نام لکھ گئے ان حضرات کے خطوط کا پتہ قادیان کا ایک اہم سرمایہ زید کا شخص کر دے گا کہ انہیں مرقبہ کر کے شائع کروں گا۔ انہیں نے عائشہ کے حواشی کے سلسلے میں ایسے بے شمار آمیزگی نشان دہی کی ہیں کہ میرے حواشی ناقص رہتے۔ ڈاکٹر انصار احمد دروئی نے عائشہ پر لکھنا ان کے بہت اہم شعروں سے فوائد لے لیے ہیں جن صاحب نے عدمِ عدم پر پہنائی کی۔ ڈاکٹر اسلم پرویز اور کاظم علی خان نے میری بہت سی الجھنوں کو سلجھایا۔ پروفیسر گوپی چند رائے ڈاکٹر صدیق الرحمن دروئی اور ڈاکٹر قاضی نے اپنے قیمتی مشوروں سے اس کام کو بہتر بنانے میں میری مدد کی۔ نکتہ اور عائشہ کی تصویریں الگ نام صاحب نے حمایت فرمائی۔ خدا بخش ڈائری کے ڈاکٹر کٹر ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے بے بھر پی تعاون دیا۔ محنت نگاروں کے بارے میں سوالات کا جواب ہمیشہ جاتا رہا ہے۔ بڑی کمد اور میں نے مطلوبہ

مخالفین اور گناہوں کے اعتبارات کے زیر و کس فراہم کیے۔ احمد سید صاحب (اسکولی) اسے  
قاری گلگیر بھٹہ، وزارت (قائم) کے خطوط کے منتقل کی مدد سے میں میری بہت مدد کی۔

۱۲) اس میں گچھا سنگھ نے اپنی پیش قیمت ذاتی لاہوری کی سے استفادے کا موقع دیا۔ انجنئر قاری احمد  
(بھٹہ) کے لاہوری جن ایم جیوب خان صاحب اور ہری مال لاہوری (دارالنگ لاہوری) کے  
بہادر آبادی صاحب نے کتابوں کی فراہمی میں مجھے غیر معمولی تعاون دیا۔ انجنیئر صاحب  
اور ان نواتن داتا صاحب نے خطوط کا تبادلہ کے واسطے فراہم کیے جو اب اسے آج کل (نئی دہلی)  
میں شائع ہونے لگے۔ میرے کرم فرما سافر انکلی صاحب، خاص مل خان، سنا سن مراد آبادی  
یوگندہ پبلشرز، ڈھم، احمد صاحب اور ایم بی، نعل صاحب نے کتابوں کی فراہمی میں میری  
بہت مدد کی۔

میرے ساتھ صاحب اور قاری سید صاحب نے خطوط کی منتقل کرنے میں میری مدد کی۔ یہ وہ ہیں  
پیشہ صاحب نے مسودہ ملاحظہ کرنے میں بہت تعاون دیا۔

میں نے اس کام کے سلسلے میں جن لاہوریوں سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے ان میں  
انجنئر قاری احمد (بھٹہ) لاہوری، قاری بریل لاہوری، لکھنؤ صاحب لاہوری، لکھنؤ، ہری مال  
لاہوری، قاری، شیش کاکوڑ، آف، انڈیا، نئی دہلی۔ قاری، ٹیپا، ٹیپا، آف، کاکوڑ، دہلی۔ دہلی، پریس سٹی  
لاہوری۔ سوانا آزاد لاہوری، میگزین، لاہوری، دہلی۔ غالب، انٹی ٹیٹ، نئی دہلی۔  
خدا بخش لاہوری، چنڈ، راجا لاہوری، رام پور۔ غالب، کیڑی، نئی دہلی۔ جاموہیا، سلامیہ  
لاہوری، نئی دہلی۔ سار، جگت، میوزیم، مید، آباد، خاند، قریبی، نئی دہلی۔ ادارہ، اہو، صاحب، اور  
مید، آباد، خاص طور پر، غالب، ڈگریں۔

میرے پاس ان الفاظ میں کہ اپنے جن تمام زندگی، دوستوں، عزیزوں اور لاہوریوں  
کے خطوط کا شکریہ ادا کر سکوں۔ خدا انہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

اگر غالب، انٹی ٹیٹ، نئی دہلی کے سرکاری جناب محمد طبع قریبی اس کام میں غیر معمولی



دیجی۔" بچے اور کام جلد ختم کرنے پر اصرار نہ کرنے اور اس کام کی تکمیل میں ابھی دہانے اور کتنا وقت لگا۔ غالب اسٹی ٹیوٹ کے معین زیدی صاحب اور شاہد باقی صاحب نے اس کی مدد میں بہت جان کھپائی ہے۔ میں ان عزیزوں حضرات کا شکریہ ادا کرتا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

آخر میں اپنی بڑی ہوئی اور بچوں کے ساتھ شکر کا شکر ادا کرتا ہوں بچے عزیزی بھتا ہوں کہ ان کے مجھے کام بہت سارا ملتا رہا ہے اس کام کی تکمیل پر صرف کیا ہے۔ بڑا ہوشیار اور تیز فہم ہونے کے لئے فراہم کریں ان کے بغیر یہ کام ہرگز مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے ہاتھ کے ان پھولوں کو خدا ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھے۔

غالب کے خطوط میں جن لوگوں کو کتابوں اخباروں اور مختلف مقاموں کا ذکر آیا ہے ان پر جہاں غالب کے عنوان سے کوئی لکھا گئے ہیں، "مثنیٰ کے آغاز" کے تحت ہر خط کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ خط کا بنیادی مثنیٰ کہاں سے لیا گیا ہے اور کس مثنیٰ سے اس کا مراد ذکر کے استحکامات نسخ بیان کیے گئے ہیں۔ غالب کے خطوط میں جتنے بھی غلامی اور اردو اشعار یا مصرعے نقل ہوئے ہیں ان کا اشاریہ اشعار کا اشاریہ "کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے۔ پورے مثنیٰ کا مکمل اشاریہ بھی تیار کیا گیا ہے۔

مکتوب الیہ کے حالات "جہاں غالب اکتا بیات اشعار کا اشاریہ اور مثنیٰ کا اشاریہ آخری جلد میں شامل کیے گئے ہیں۔

غالب کے خطوط چار جلدوں میں شائع کیے جا رہے ہیں پہلی جلد جامع خدمت ہے باقی تین جلدیں بھی اسی سال چھپ جائیں گی۔ انشاء اللہ۔

خلیفہ خلیفہ  
۱۳۸۱ھ

# کچھ اس تنقیدی اڈیشن کے بارے میں

غالب کے خطوط کا تنقیدی اڈیشن تیار کرتے ہوئے میں نے قلمی تنقید کے جن اصولوں کی پابندی کی ہے، یہاں اُن کی وضاحت ضروری ہے۔

میری کوشش یہ ہے کہ غالب کے تمام اردو خط اس اڈیشن میں شامل کر لیے جائیں۔ اردو سے سلی، محمود ہندی، انکا تیب، غالب، تجربات، غالب اور غالب کی مادرِ تحریر یعنی کے تمام خطوط شامل کر لیے گئے ہیں۔ ایسے خطوط کی تعداد عوامی تھی، جو اپنی مجموعوں میں شامل نہیں تھے، انہیں بھی اس اڈیشن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ میں نے پوری کوشش کی ہے کہ غالب کے تمام اردو خطوط اس اڈیشن میں مرتب ہو جائیں مگر کوئی خط شامل ہونے سے مدھکا ہوا تو اسے میری کوتاہی سمجھا جائے۔

## تن کی تصحیح

نئی نفاذ کو کسی بھی تحریر کا تنقیدی اڈیشن تیار کرتے ہوئے ہر قدم پر یہ ذہن میں رکھنا ہوتا ہے کہ وہ اس تحریر کی باہرِ راست کر رہا ہے۔ جو صنعت کے ذہن میں تھا اور جو وہ لکھنا چاہتا تھا، اُن تحریر کی نہیں جو صنعت کے قلم سے لگی یا خارج ہوئی، انہیں کہ صنعت کے اپنے

ہاتھ کے کھٹے پھٹے سودے میں بھی غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ کبھی کوئی لفظ سہواً دوبار لکھا جاتا ہے اور کبھی کوئی لفظ کھٹے سے رہ جاتا ہے۔ کبھی مصنف لکھا کچھ ہا ہوتا ہے، اور کچھ کچھ جاتا ہے۔ کبھی الفاظ کی املا غلط ہو جاتی ہے۔ جب مصنف کی تحریر طباعت کی مغزوں سے گزرتی ہے تو اس تحریر میں کم سے کم ایک اور انسانی ذہن کا دخل ہو جاتا ہے۔ حدود و مکیات میں یہ ذہن کاتب کا ہوتا ہے۔ کاتب اس تحریر میں بعض تبدیلیاں شعوری طور پر کرتا ہے اور بعض تبدیلیاں انسانی ذہن کی پُر اسوار اور پیچیدہ نفسیات کی وجہ سے غیر شعوری طور پر وجود میں آتی ہیں۔ اگر مصنف اور کاتب کے درمیان برتیب ہو تو اس کی پسند و ناپسند، نطق و سنی، سیاسی، سماجی اور مذہبی مصلحتوں اور اس کی اپنی نفسیاتی پیچیدگیوں کی وجہ سے تحریر میں اور بہت سی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں۔

نائب کے ہاتھ کے کھٹے پھٹے اصل مخطوط نامہ نمودار میں دستیاب ہیں۔ بالائی خطوط مطبوعہ مصحف میں ہم تک پہنچے ہیں۔ ان خطوط کے متن میں تبدیلیوں کی وہ تمام مثالیں موجود ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اس لیے اگر ان خطوط میں مجھے کوئی ایسی غلطی نظر آتی ہے جو میرے خیال سے نائب کی غلطی کے خلاف ہے تو میں نے قیامی تبصیر کر کے جانچنے میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔

## بنیادی نسخہ

قلمی تنقید کے نقطہ نظر سے مخطوط نائب کا متن دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک متن تو وہ جو نائب کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستیاب ہوا ہے یعنی نائب کے اصل مخطوط۔ ان میں وہ خط بھی شامل ہیں جو میں پہلے مطبوعہ مشکلیں میں نے سننے، ٹیکن بعد میں ہیں۔ اصل مخطوط بھی دستیاب ہو گئے۔ دوسری قسم کا متن وہ ہے جو اردو سے سنی، محمود ہندی اور ادارت نائب و محبوب میں مستخرج ہوا ہے۔ اس متن میں نائب کے وہ مخطوط بھی ہیں جو اردو سے سنی

کے بعد کے اڈیشنوں میں شامل کیے گئے تھے۔

پرنسپل تصدیق اڈیشن میں قائب کے ہاتھ کے کھے ہوئے ان خطوط کو جن کے عکس مختلف مساویں میں شائع ہوتے ہیں، باجماع شکل میں مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں، بنیادی نسخے کے طور پر مستعمل کیا گیا ہے۔ تصدیق متن تیار کرتے ہوئے ان خطوط کا مطبوعہ خطوط سے موازنہ کر کے اختلافات نسخے سے بے درمیان سے جوڑنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اردو سے سنی اور خود ہندی کے پہلے اڈیشنوں میں شائع ہونے والے خطوط کو بنیادی نسخے کے طور پر مستعمل کیا گیا ہے۔ قائب کے جو خطوط ان دونوں مجموعوں میں مشترک ہیں، ان میں اردو سے سنی کے متن کو بنیادی نسخہ بنکر اور خود ہندی کے متن سے موازنہ کر کے اختلافات نسخہ دیے گئے ہیں۔ اردو سے سنی کے متن کو اس بے ترجیح دی گئی ہے کہ یہ مجموعہ دہلی میں شائع ہوا تھا اور خود ہندی کے مقابلے میں اس مجموعے میں طباعت کی غلطیاں کم ہیں۔ اردو سے سنی پر تبصرو کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ صدیقی نے لکھا ہے:

... اکثر مہذبیں جو خود ہندی میں چھڑی گئی تھیں، اسی ہی موجود ہیں اس سے یقین ہوتا ہے کہ اس نسخے کے ترتیب دینے والوں کے سامنے اصل خط نسخے، البتہ ایک آدم جگر ایسا بھی ہے کہ ایک ٹھکرا اس میں حذف ہو گیا ہے اور وہ خود ہندی اور اصل خط دونوں میں موجود ہے۔ ... اس سے پتہ چلے گا کہ ہاں ممکن ہے کہ اردو سے سنی کے ترتیب دینے والوں کے سامنے کچھ اصل خط تھے، کچھ غلطیوں کی نقلیں، جن میں سے بعض انہیں بھی تھیں؟

اردو سے سنی اور خود ہندی کے بہت سے ری پرنٹ شائع ہوتے تھے اور ہر ایک کے متن میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ چوں کہ ان ری پرنٹوں کے متن میں تبدیلیوں کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے پاس سے متن یا ان کے کچھ حصے کا موازنہ اصل خطوط سے کیا گیا تھا، بلکہ یہ تبدیلیاں یا تو طباعت کی غلطیاں ہیں یا جن لوگوں کی نگارانی میں یہ ری پرنٹ شائع ہوئے ہیں

انھوں نے سن کی خود تصحیح کی ہے۔ اس لیے ان سری پر نغزوں میں شائع ہونے والے متن کا بنیادی متن سے موازنہ کر کے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی یہاں کہیں کہیں قیاسی تصحیح میں ان سے ضرور مدد لی گئی ہے۔

مخطوطہ میں طبع ہائی بہت ساری دہلی سے تھوڑے سلی کا ایک اڈیشن شائع ہوا تھا۔ اس کے دو حصے تھے پہلا حصہ تو وہی تھا جو اردو سے سلی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ دوسرے حصے میں سات ویراجوں اور نظر نغزوں کے علاوہ نقاب کے وہ مخطوط شامل کیے گئے ، جن میں نقاب نے ادبی مسائل پر بحث کی ہے اور جو اکی ایک شائع نہیں ہوتے تھے۔ مخطوطہ مزید ہر گول نقشہ ، اشتر پادے ، مال ، غلطی صیب اللہ کا ، میاں ، داغی سکاچ ، شہزادہ ظہیر الدین ، کھول ، نام ہر سنگار ، مولوی کریم علی ، جو اس ہر سنگار جو ہر غلطی ہر سنگار ، اور میر مہدی مخبرو کے نام ہیں۔ ان تمام مخطوط کو بنیادی متن کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ سید غلام حسین نقد نگار اسی کے نام نقاب کے مخطوط پہلی بار مولانا حسرت موہانی کے اردو سے سلی (دہلی گزشتہ ، دسمبر ، ۱۹۸۰ء) میں ۵-۱۲، میں شائع ہوتے تھے مگر ان مخطوط کا متن خاصا غلط شائع ہوا تھا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس ان میں سے بعض نغزوں کی نقلیں موجود تھیں۔ مولوی ہمیش پرشاد نے ان نغزوں کی بنیاد پر متن تیار کیا تھا اس لیے اسی متن کو بنیادی متن بنایا گیا ہے۔

اللہ الدار سید النکب ، نواب محمد الدین خاص بہادر صولت جنگ شخص جس نے شتی کے نام نقاب کے اکبر مخطوط ہیں۔ ان میں سے گیدہ مخطوط اعظم گڑھ میں کسی صاحب کے پاس تھے۔ مولوی ہمیش نے مطبوعہ متن کا ان اصل مخطوط سے موازنہ کیا تھا۔ اس لیے مولوی صاحب نے شتی کے نام مخطوط کا جو متن تیار کیا ہے ، اس تنقیدی اڈیشن میں اسے ہی بنیادی متن بنایا گیا ہے۔

خاص اسناد میں نقاب کے اصل مخطوط رضا انجیری ، ماہر اور دوسری انجیری یوں

ہیں مخطوطا ہیں، بہت سے مخطوطات کے عکس مختلف زبانوں میں مشائع ہوئے تھے۔ ان تمام مخطوطات کے عکس اس تحقیقی ڈاٹا بیس میں شامل کر دیے گئے ہیں تاکہ یہ تمام عکس یکجا مخطوطا ہو جائیں۔

ہر ڈاٹا بیس کے آغاز میں بنیادی متن کا ایک اضافہ دیا گیا ہے جس میں مخطوطات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ کہاں سے لیا گیا ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون سا خط پہلی بار کب اور کہاں مشائع ہوا تھا۔

## خطوں کی تاریخ وار ترتیب

مولانا ابنہ علی خاں برقی نے پہلی بار مکاتیب و کتابت کے خطوں کو تاریخ وار ترتیب دیا تھا۔ یہ مخطوطات نوادان نام پر اور دام پور سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد کے نام ہیں، بعد میں مولانا حبیب الرحمن چشتی اور آفاق دہلوی اور غلام رسول قمر وغیرہ نے مخطوطات کتابت تاریخ وار ترتیب دیے۔ میں نے بھی تمام مخطوطات تاریخ وار ترتیب دیے ہیں۔ جن خطوں کی تاریخ تحریر کا تعین نہ ہو سکا، انھیں متعلقہ مکاتب الیہ کے نام مخطوطات کے آخر میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اگر کسی خط کی تاریخ کا اندازہ نہ ہو سکا لیکن سہ کا اندازہ ہو گیا ہے تو اُس سہ کے خطوط کے آخر میں اُس خط کو ترتیب دیا گیا ہے۔

## خطوں کی تاریخ تحریر

مکاتب کے داخلے کے ہوتے ہوئے جو مخطوطات دستیاب ہوئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکاتب ہر خط میں تاریخ تحریر ضرور لکھتے تھے، لیکن یہ اُس سلسلے کا اثر ہو جو پختون کے سلسلے میں مکاتب اور برطانوی حکومت کے درمیان تھی۔

نائب نے تاریخ تحریر مختلف طریقوں سے لکھی ہے۔ عام طور سے عطا کے آئیں لکھتے تھے لیکن کبھی عطا کے آغاز میں اور کبھی عطا کے آخر میں لکھ دیا کرتے تھے۔

میں نے تاریخ تحریر کو عطا کے آخر میں دائیں طرف ترتیب دیا ہے تاکہ قاری کو عطا کی تاریخ تحریر معلوم کرنے میں آسانی ہو۔

نائب کبھی صرف عیسوی تاریخ لکھتے تھے، کبھی ہجری اور کبھی دونوں، انھوں نے اگر ہجری تاریخ لکھی ہے تو میں نے اس کی عیسوی تاریخ بھی لکھ کر حاشیے میں اس کا حوالہ دے دیا ہے۔ ایسے خطوط خاص تعداد میں ہیں جن کی تاریخ تحریر میں نائب نے دن لکھی ہے، نائب دن میں طبع سے لکھتے ہیں، عام طور سے دنوں کے فارسی نام یعنی شنبہ اور یکشنبہ وغیرہ کبھی ہندوستانی نام اتوار، سوموار وغیرہ اور کبھی پرمہ تھیں اور آدینہ وغیرہ، کبھی وقت بھی لکھ دیتے مثلاً صبح سہا شد گاہ، ایم روز، وقت نہالہ ظہر وغیرہ۔

نائب تاریخ تحریر میں پہلے دن، پھر تاریخ، مہینہ اور سن لکھتے، کبھی سن لکھنے کے بہانے سال حال لکھ دیتے۔

مطبوعہ خطوط میں جو کتابت کی وجہ سے بعض تاریخیں بدل گئی ہیں، خود نائب کے ہاتھ کے جو اصل خطوط دستخط پر پڑے ہیں، ان میں جب ہجری اور عیسوی تاریخوں کی مطابقت کرنے میں کوئی کمی ایک دن کا فرق آتا ہے اور فرق اس طرح کا ہوتا ہے کہ فرض کیجئے کہ ایک کے اعتقاد کے شنبہ ہوتا چاہیے لیکن نائب نے جمعہ یا یکشنبہ لکھا ہے۔

پہلے کہ ہجری اور عیسوی تاریخوں میں ایک دن کا فرق عام ہے، اس لیے میں نے ایسی تاریخوں کو نہیں بدلا، میں نے ایک دن کا فرق آتا ہے، اس حاشیے میں اس فرق کا ذکر کر دیا ہے جہاں ایک دن سے زائد کا فرق ہے، وہاں اسے نائب یا کاتب کا سہو تصور کر کے بدل دیا ہے اور حاشیے میں اس تبدیلی کا ذکر کر دیا ہے۔

جب نائب کے خطوط تاریخ ہونے لگے تو تاریخ تحریر کو غیر ضروری سمجھ کر عام طور سے

حدت کر دیا گیا۔ خود ہندی میں کافی خطوط کی تاریخ تحریر کو حدت کر دیا گیا ہے اس کے برعکس آدوے سنی میں بیشتر خطوط پر تاریخ تحریر موجود ہے۔

ایسے خطوط کی بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن تاریخ تحریر نہیں ہے۔ ان خطوں میں قاتل نے جو واقعات بیان کیے ہیں ان کی مدد سے میں نے بیشتر خطوں کی تاریخ تحریر کا تعین کیا ہے۔ اور ہر تاریخ تحریر کے تعین کے لیے حاشے میں اپنے مکمل وفاق پیش کیے ہیں۔ مگر اگر مجھے غلط ہو تو مستقبل کا محفل اسے درست کرے۔

جن خطوط کے متن سے تاریخ تحریر کا تعین نہیں ہو سکا ان کے لیے میں نے قیاس اور اندازہ سے کام نہیں لیا، بلکہ انہیں بغیر تاریخ تحریر ہی کے رہنے دیا۔ تاکہ خطوط قاتل کے نقاد اور مورخ نگار لفظ انہی کا شکار نہ ہوں۔

## تہذیبی اڈیشن کے متن کی اٹلا

تہذیبی اڈیشن کی اٹلا میں دو پرکھتی ہیں۔ بعض نقاد متن کے لیے اپنے عہد کی اٹلا کا استعمال کرتے ہیں۔ اس اٹلا کا جس میں مصنف نے متن لکھا تھا۔ میں اس متن میں ہوں کہ متن کی اصلاح پیدا ہوتی چاہیے، کیوں کہ اول تو ہم متن اپنے عہد کے لوگوں کے لیے تیار کرتے ہیں اور دوسرے متن نقاد کا مقصد متن کی بازیافت ہے۔ اٹلا کی بازیافت ہرگز نہیں۔

زبان کے مختلف عناصر کی طرح اٹلا میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کچھ تبدیلیاں بعض قاعدوں کے تحت ہوتی ہیں اور کچھ بے قاعدہ بعض چلن کے تحت۔ اگر ہم آج سے اپنی پچھ سو سال کا کوئی دکنی اردو متن مرتب کر رہے ہیں اور متن کی وہی اٹلا لکھیں جس میں یہی متن دستاویز ہے تو پھر اسے عہد کے لوگوں کے لیے اس متن کا پڑنا بہت مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جائے گا۔ اس لیے اس طرح کے متن ہمیں لازمی طور پر جدید اٹلا میں مرتب کرنے ہوں گے۔ اب ایسا کوئی قاعدہ نہیں بنایا جاسکتا کہ فلاں عہد تک کے متن تو



جدید الفاظیں مرتب ہوں گے اور اس کے بعد کے متن انہی الفاظ میں لکھے جائیں گے۔ میری مصنف یا کاتب کے لکھا تھا ان سائن کا واحد مل ہی ہے کہ جو نئی ہم مرتب کر رہے ہیں۔ اگر مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ متن دستیاب ہو گیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ تنقیدی اڈیشن کی الفاظ جدید ہی رکھیں لیکن مقدمے میں مصنف کی الفاظ کی خصوصیات بیان کر دیں۔

ادوں کی پد بھی ہے کہ بعض حضرات نے اردو الفاظ کی یہ حالت کر دی ہے کہ الفاظ کی کوئی مسیاری الفاظ نہیں ہے۔ چنانچہ چاہیے تھا کہ اردو میں جو لفظ ایک سے زیادہ طریقے سے لکھے جاتے تھے۔ ان میں یہ دیکھا جاتا کہ اکثریت ایک مخصوص لفظ کو کس طرح لکھتی ہے، اُسے ہی مسیاری مان لیا جاتا۔ ہوا ہے کہ اردو الفاظ کے سائن مل کرنے والوں نے بہت سے الفاظ کی نئی نئی ایجاد کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اب ایک لفظ کئی کئی طرح لکھا جاتا ہے۔ الفاظ کے سائن میں الجھنیں پیدا کرنے والوں میں بعض اہم ادارے بھی شامل ہیں۔

نائب کے خطوط کا متن میں لے اُس الفاظ میں تیار کیا ہے، جو میری الفاظ ہے۔ ہاں نائب کی الفاظ کی خصوصیات تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ میری پوری کوشش یہ ہے کہ ایک لفظ کی میں نے جو الفاظ ہے، اُسے متن میں دی برقرار رہے، اگر کہیں ایک لفظ کی اسٹا دو طبع سے لے تو اس میں میرا نہیں کاتب کا قصور ہے۔

## اوقات کی علامتیں

نائب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے جو خطوط دستیاب ہوئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ نائب انگریزی مراسلت کے طریقوں سے غلطی واقف تھے۔

تاہم انگریزی مراسلت کے طریقوں ہی کا اثر تھا کہ نائب ہر خط پر تسمیہ تحریر پڑنی سے بچتے تھے اور عبارت میں پیراگراف کا خیال رکھتے تھے۔

نائب کے ایسے خطوط موجود ہیں، جن میں نائب نے پیراگراف نئی طرز سے لکھا

ہے، اگرچہ ایسے خطوط کی تعداد دو چار سے زیادہ نہیں ہے۔ ہاں، غالب خط میں جب ایک بات ختم کرتے تو دوسری بات شروع کرنے سے پہلے عام طور سے کوئی نشان بنا لیتے۔ جس جملے سے نئی بات شروع کرتے اس کے پہلے خط پر اس بات کا طے ہوتا ہے۔ یہ طے ہونا اختیار علی بن ابی حنیفہؒ کے لفظ "بت" پر مبنی طبع کی شکل ہے۔ کبھی پیرا گراف ختم کرنے پر "خ" طے ایک بار اور کبھی دوبار لکھتے۔ یہ طے ہونا قولِ حق پر مروج۔ لفظ "کی طفرائی شکل" ہے۔

غالب نے پیرا گراف ختم ہونے پر "۱۲" کا ہندسہ کثرت سے لکھا ہے۔ یہ لفظ "عد" کے عدد ہیں۔ اس طے ہونے کے بارے میں غالب نے عموماً عام علی تہر کو ایک خط میں لکھا تھا "صاحب، ہندو اثنا عشری ہوں، میرا مطلب کے لکھتے پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔"

اس تنقیدی ڈیٹن میں پیرا گراف نئی سطر سے شروع کیا گیا ہے۔ اور کلام کی وہ علامتیں ہی استعمال کی گئی ہیں جو ہمارے عہد میں مانجی ہیں۔

## رقبہ

غالب لکھی کسی خطوں میں اور کبھی ہندسوں میں لکھتے تھے۔ دوپوں کی تعداد کے لیے بعض اوقات مساوی رقم لکھتے تھے۔

اس تنقیدی ڈیٹن کے متن میں گنتی اور دوپوں کی تعداد وغیرہ خطوں میں لکھی گئی ہے تاکہ طے ہونے کی غلطی سے محفوظ رہے۔

## غالب کا نام پر حیثیت مکتوب نگار

غالب عام طور سے خط کے آخر میں تاریخ سے پہلے مکتوب نگار کی حیثیت سے اپنا نام

کھتے تھے ہم سمجھنے میں بھی انھوں نے بڑی جہت سے کام لیا ہے۔ میں کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

میں نے خط کے آخر میں، اپنی طرف مکتوب نگار کا نام ترتیب دیا ہے۔

## مکتوب الیہ کے حالات

میں نے مکتوب ایہم کے حالات مراد سے تفصیل سے لکھے تھے۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے عزیز دوست کاظم علی خاں نے تمام مکتوب ایہم کے حالات بڑی محنت سے لکھ لیے ہیں اور کتابی صورت میں شائع کر رہے ہیں، اس لیے میں نے یہ حالات بہت مختصر کر دیے۔

---

# خطوطِ غالب کے مختلف اڈیشن اور ری پرنٹ

پچھلے سو سال میں ان کتاب کے سب سے زیادہ ری پرنٹ اور اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ان میں غالب کی آدھو سے سٹی اور محمود ہشتی سرفہرست ہیں۔ ان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اردو میں غالب کے نعتوں کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اور دوسرے غالب کے خطوط ہمیشہ اسکولوں اور کالوں کے نصاب میں شامل رہے۔ اس لیے بعض پیشرفروں ہر سال دو سال بعد گندو سے سٹی یا محمود ہشتی کے ری پرنٹ شائع کرتے رہے۔

غالب کے خطوط کے اب تک پچھلے ری پرنٹ اور اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ان سب کا غور کم کن گننہ نہیں ہے۔ البتہ اہم اڈیشن اور ری پرنٹ اسٹیبلشمنٹوں میں نمودار ہیں۔ یہاں کچھ قدیم ری پرنٹ اور بعض اہم اڈیشنوں کا جائزہ لیتا ہوں۔

مہرِ غالب

ابدا میں غالب کو بے نہیں تھا کہ ان کے خطوط مرثبہ کے کتابی صورت میں شائع

کیے جائیں۔ جب مرزا ہرگولہاں تختہ دار منشی شیونرائی نے غالب سے ان کے خطوط مرتب کیے شائع کرنے کی اجازت مانگی تو غالب نے ان دونوں کو اس انداز سے منج کیا کہ ان کے واسطے ہمیشہ کے لیے بہت ہو گئے۔ تقریباً دو سال بعد چودھری عبد الغفور شہرہ اور منشی مرزا منشی خاں نے ان خطوط کو شائع کرنے کا ارادہ کیا جو غالب نے مسترد کر رکھے تھے۔ ان لوگوں نے غالب سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ شہرہ نے اس مجرمے پر ایک دریا چھکھا اور اس کا ہم "میر غالب" لکھا جو لکھی نام ہے۔ اس نام سے ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۸۶۱ء-۱۸۶۲ء) برآمد ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ خطوط کا یہ مجرمہ مستند یا مستند میں مرتب ہو گیا تھا۔ مجرمے بعد منشی مرزا منشی خاں کو خیال آیا کہ اس مجرمے میں کچھ اور لوگوں کے نام کے خطوط بھی شامل کیے جائیں، انہوں نے حوالہ خطوط حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ خیر بہ ہوا کہ اس مجرمے کی طبعیت معرطنہ تھا میں پر گئی۔

## انتخاب غالب

غالب نے ڈاکٹر مولوی حمید الدین خاں کی فرمائش پر قلمی انگریز المیوں اور فوجیوں کو اردو پڑھانے کے لیے اپنی اردو نظم و نثر کا ایک لقمہ برا انتخاب کیا تھا یہ انتخاب مستندہ میں شائع ہوا۔ گویا خود ہندی اور اردو سے منسلک سے پہلے یہ شائع ہو چکا تھا۔ غالب نے جو نسخہ مولوی حمید الدین خاں کے لیے لکھوایا تھا وہ محمد عبدالرزاق دکنیہ کو دستیاب ہو گیا۔ انہوں نے یہ انتخاب مرتب کر کے مستندہ میں چھپتے ہوئے حمید آباد سے شائع کر دیا۔ اس کا اردو سراؤ آتش مستندہ میں دین محمدی پر ہے۔ اسی سے شائع ہوا۔

اس انتخاب کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر حیدر علی کی ملکیت تھا۔ میں نے فوٹو ٹیپ کاپی غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی میں لکھا ہے۔ ایک نامہ صاحب کا کہنا ہے کہ یہ انتخاب چاندی صفحات پر شائع ہے، بلکہ اس قلمی نسخے میں کئی جہت صفحات ہیں۔ ابتدا میں اس انتخاب پر غالب کو راجہ ہے۔

اس کے بعد مرزا رجب علی بیگ قنبریؒ کی "مکملہ سرود" اور کلام بدیع الدین خاں کی "تذوق الافکار" پر لکھے گئے نقاب کے دو دیباچے ہیں، جو اردو سے نقل کیے گئے ہیں۔ پھر میر سیدی مجتبیٰ کے تمام نقاب کے بارہ خط ہیں۔ اس کے بعد دو نقاب ہیں اور ایک لطیفہ دوسرے حصے میں ۱۲۹ اور ۱۳۰ اشعار ہیں اور آخر میں اس کتاب نے خالق نقاب کی بھی بیوی ایک قنبری شہر ہے۔

نقاب اسٹیج کی تاریخ میں خصوصاً اس جوئے کی فوٹی اسٹیٹ کا پی کو دیکھ کر اخلاذ ہوتا ہے کہ یہ کبھی اور نیچے سے نقل کیا گیا ہے۔ تمام خطوط کے آغاز کے حاشیے میں مقامی غور و شدہ لکھا گیا ہے، ان میں تزیینات کی گئی ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ نسخہ نقاب کی نظر سے گزرا ہے۔

## غور و ہندی : پہلا ڈیشن

تمام نوٹ خاں نے لکھا: نقاب سے اہدات نے کہ ان کے خطوط کا مجموعہ مرتب کر رہے تھے۔ نقاب نے: صوف بدوشی، اہانت دی بلکہ غور و ہندی خطوط کی نقلیں فراہم کیں۔ تہ جبرائیل خطوط جمع کرنے کا کام مکمل میں شروع کیا تھا لیکن مصنف کی ایک اس جوئے کی طباعت کے آغاز نظر نہیں آئے تو تہ جبرائیل نے مرتب کیا ہوا مجموعہ نقل ممتاز علی خاں کو بھیج دیا۔ خشی صاحب نے سہر نقاب اور اس جوئے کو لکھا اس کا نام غور و ہندی لکھا اور خود ہی اس جوئے پر دیباچہ لکھا۔ جوئے میں دو فصلیں ہیں: پہلی فصل کی ابتدا چودھری عبد الغفور شہر کے دیباچے سے ہوتی ہے۔ اور پھر دو باہمی خط ہیں جو شہر کے مرتب کیے گئے۔ دوسری فصل میں حسب ذیل مضامین کے نام خطوط ہیں۔ صاحب عالم بدر دی (۲ خط) شاہ عالم بدر دی (۲ خط) اور الدرد و تعلق (۲ خط) مرزا دوست علی خاں قزاق (۲ خط) مرزا میر گاہی نقاد (۱ خط) مرزا ماحتم علی قزاق (۱ خط) تمام نوٹ خاں نے لکھے (۲۵ خط) عبد الغفور شہر (۱ خط) ظہیر الدین خاں کی طرف سے اُن کے چچا کے نام (۱ خط) نقاب مصنف خاں شیکتہ کے نام (۱ خط) مرزا علی خاں دہا (۱ خط) مرزا جیم بیگ (۱ خط)

عبدالرزاق مسکن (۱۰ خط) ، قاضی عبدالجلیل سنوں بریلوی (۷ خط) ، مولوی عزیز الدین (۱ خط) ،  
سید محمد عباس (۱ خط) ، فاضل غلام جم غٹکر (۱ خط) ، مختار (۳۱ خط) ، میر سرفراز حسین (۱ خط) ،  
غلام اکبر محمود (۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو شائع ہوا۔

### محمود ہندی کے بارے میں ایک اہم افکشاف

بہت عرصہ ہوا میں نے فائز کے وہ خطوط مرتب کر لیے تھے جن کے متن کی جستجو اور محمود ہندی اور اردو سے سلی کے پہلے اڈیشنوں پر سلی ۱۰ جن ترقی اردو ہند) کا جرنل سرکاری ہونے کے بعد میری مصروفیات کہ اس طرح کی ہونگی کہ کافی عرصے تک اس کام کی طرف توجہ نہیں کر سکا۔ اس دوران میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا۔ ہوا یہ کہ میری دس ہندو بہت قیمتی کتابیں ایک ساتھ چوری ہو گئیں۔ ان میں محمود ہندی کا وہ پہلا اڈیشن بھی تھا، جو میں نے پرائی کیا، ان کے ایک تاہم سے خریدا تھا۔ اس وقت میں چھ کو بہت کوتاہی میں اب دہائی دیا، پھر اگر وہ میری کتابیں چوری نہ کرتا تو محمود ہندی کے بارے میں ایک اہم ترین افکشاف میں اور نہ جانے کتنا زمانہ لگتا۔

جب میں نے کام دوبارہ شروع کیا تو انجن ترقی اردو کی قاضی سے محمود ہندی کا پہلا اڈیشن لے لیا، مرتب کے ہوئے خطوط کا جب محمود ہندی سے موازنہ کیا تو بہت زیادہ اختلافات نظر آئے۔ دس ہندو صفحات کا موازنہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ محمود ہندی کا وہ پہلا اڈیشن جو میری ملکیت تھا اور چوری ہو گیا تھا، انجن کے اس اڈیشن سے مختلف تھا۔ میں نے اپنے نوٹس لکھائے تو ایک کا تہہ پر لکھ دیا "محمود ہندی کے بارے میں نوٹ کی ہوئی تفصیلات ملاحظہ فرمائیے"۔ اڈیشن مطبعہ ہندوستانی میرٹھ میں ۱۰ رجب ۱۳۳۵ھ کو شائع ہوا تھا۔ انجن کے اڈیشن کو دیکھا تو وہ بھی مطبعہ ہندوستانی میرٹھ میں اسی تاریخ کو چھپا تھا۔ پھر سوال یہ تھا کہ میں نے جو متن تیار کیا تھا، اس میں محمود ہندی اور اردو سے سلی کے پہلے اڈیشنوں کو

نیا لکھنوں کے طور پر استعمال کیا تھا اور تمام اختلافات نسخ کی نشان دہی کی تھی۔ پھر اب وہ اختلاف کیوں ہے۔ میں تو مان سکتا تھا کہ خود ہندی میں کوئی لفظ حذف ہو گیا ہو اور میری نظر چمک گئی ہو لیکن اگر کسی حواست میں آدوے علی کے مقابلے میں خود ہندی میں کوئی لفظ ناند ہو تو یہ لفظ میں کہاں سے آیا۔ اور اس کی نشان دہی کیجیے کی۔ پھر میں نے اپنے حق کا ہوازن آدوے علی سے کیا تو معلوم ہوا کہ میں نے جن اختلافات نسخ کی نشان دہی کی ہے وہ بالکل درست ہیں۔

انوالدور سعدالرحمن خاں بہادر شفیق کے نام فاکس کے ایک خط کے اختلافات نسخ ملاحظہ ہوں۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ میرا پریشان ہونا کہاں تک جائز تھا۔

خود ہندی پہلا انش (انجین)

تصویر

میرا تیار کیا ہوا متن

تصویر (میں نے اس لفظ کے

بارے میں حاشیے میں لکھا تھا کہ

”تصویر“ سہو کا تب ہے یہ لفظ

”تصویر“ ہے)

ہر روز

اور وہ

ہر روز

آدوہ (میں نے لکھا تھا کہ طباعت

کی لفظی ہے، اصل لفظ ”آدوہ“

ہے۔)

باجمیر

اس نسخے میں یہ لفظ نادر

مضمون والا

باجمیر

مضمون

مضمون والا

ایک ہی خط میں اتنے اختلافات نسخ دیکھ کر میں نے سوچا کہ میرا سب کا سب کام ہو گیا۔



میں نے اپنے فن کا سوازد نمود ہندی کے آئیں ڈایشی سے کیا جو بولنا سہ تر علی حسین  
 قاضی نے مرتب کر کے مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع کرایا تھا۔ اس کا فن تقریباً دی گویا  
 نے تیار کیا تھا۔ ان تمام شواہد کی روشنی میں میں اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا گم شدہ نمود ہندی  
 کا ڈیشن انجمن کے ڈایشی سے بالکل مختلف تھا۔

اتفاق سے انجمن کی ڈائری میں نمود ہندی کا ایک اور پہلا ڈیشن نکل آیا میں نے  
 دونوں ڈیشنوں کے سرورق اور ترجمے کی عبارتوں کا موازنہ کیا تو ایک جیت آگیز اور دلچسپ  
 انکشاف ہوا۔ معلوم ہوا کہ میں نے نمود ہندی کے میں ڈیشن کو بنیادی نسخے کے طور پر استعمال  
 کیا تھا اور یہی ہے جو دوسری دفعہ میں نے انجمن سے حاصل کیا۔

اگرچہ ترجمے میں تاریخ اشاعت دونوں میں ایک ہی تھی + جب پیشکش دی ہے۔  
 لیکن سرورق کی عبارت میں معمولی سا فرق ہے۔ ایک ڈیشن کی سرورق کی عبارت ہے:

نمودہ بے لہجہ بنگالی۔ نہ چری وود نہ ہا گنگی

بطلت واپس اسطیقات خالق الخیر والبرکات

انشاء اردو جواب کوہوہ

عربی ہندی

من القیض بناب استاد ذراں عبد ازہر

اسد اللہ خاں المتخلص بہ نقاب حبیب قزویشی طبع

خوبی اہماں میاں نمودہ از علی خاں رئیس میرٹھ۔

در طبع بھتائی واقع میرٹھ طبع گردید

دوسرے ڈیشن میں دوسری سطر میں - انشاء اردو - کے بجائے - انشاء اردو - اور

آخری سطر اس طرح ہے:

”در طبع بھتائی واقع میرٹھ بہ تمام نمودہ از علی طبع شد“

دونوں آپسوں کے سہرہی کی حمایت میں اختلاف کا رافہ مطلب ہے کہ دونوں گناہگار اکٹھے ہیں۔

## دولوں اور مشنوں کی مہمیں

- ۱۔ دونوں اڈیشنوں کی کتابت کا یہ طور سطاہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے کاتب مختلف ہیں لیکن دوسرے کاتب نے پہلے کاتب کی نقل انتہائی کاہلیب طریقے سے کی ہے۔
- ۲۔ ایک اڈیشن میں ہر صفحہ میں لفظ "عظم" ہوتا ہے دوسرے اڈیشن میں بھی اسی لفظ پر "عظم" ہوتا ہے۔
- ۳۔ دونوں اڈیشنوں کا سائز ایک ہی ہے۔
- ۴۔ دونوں اڈیشنوں میں انیس خطی سطر استعمال کیا گیا ہے۔
- ۵۔ دونوں اڈیشنوں کے آخری چار صفحات میں ایک لفظ کا بھی اختلاف نہیں۔

دیا جاسکے۔ ”عمود ہندی“ کے ایک ڈائریکٹر میں اس قاعدے کی اپہندی کی گئی ہے جبکہ دوسرے میں اٹکل نہیں کی گئی۔

”عمود ہندی“ کی تہذیب نکل پونے میں تقریباً پانچ سال لگے تھے، اور اس کی طباعت میں مزید دو سال لگ گئے۔ بالآخر اکتوبر ۱۹۰۷ء میں ”عمود ہندی“ شائع ہو گئی۔ یہ ہمیں معلوم ہو سکا کہ تہذیب و اشاعت کیا تھی۔

”عمود ہندی“ اور ”اردوئے معلیٰ“ دونوں کے شائع ہونے سے پہلے ہی ان کی بہت شہرت ہو چکی تھی، اس لیے یہ امکان ہے کہ اردو والوں کو ان گوروؤں کا بہت انتظار تھا جو عوام غلام ٹوٹ حمال تھے بھرنے ایک مخط میں ناکب کو لکھا تھا:

”غشی مرزا علی خاں صاحب کے بھائی نے آپ کی اردو انشا مجھے

دکھائی، سب چھپ گئی، ایک مسطورا خیر کا اپنی ہے، خاں صاحب نے

ظہور تاریخ کے انتظار میں کہ کوئی کم دے اسے پسینہ لگتا ہے۔ مرزا آباد

میں انتظار طویل طویل کا ہضم بھی وارد تھا وہ کہتا تھا کہ میں نے ویسے ہی ناقص

دیکھا، جلدی ہیں اور لوگوں کو دیا۔

اس کا مطلب ہے کہ ”عمود ہندی“ کی شہرت بہت ہو گئی تھی۔ اسی اس کا آخری سفر چھا بھی نہیں تھا کہ لوگ خریدنے لگے۔ ”عمود ہندی“ جب شائع ہوئی ہے تو ناکب ہندوستان گیر شہرت کے ایک تھے۔ ان کے ناکو اور دماغ تقریباً تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ اس سے تقریباً دس سال پہلے جب ان کی دوست ”شائع ہوئی تو تقریباً چھ مہینے میں ساری فروخت ہو گئی، میں ہر ناکب نے غشی مشیو نہاں تمام کو لکھا،

”کتب دوستی کے کب مالے سے میں خوش ہوا۔۔۔ دیکھو صاحب

تم ٹھہراتے تھے، آخر میں چلی ڈری اور کب گئی؟“ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء

کیس نامی ایک انگریز باس وٹاں کے ٹکڑے میں کسی عرصے پر ناکو تھا، انہوں نے

غائب سے اُن کی اردو نظم و نثر کی فرمائش کی تھی۔ غالباً یہ فرمائش طالب علموں کی ضرورت کے سببیں نظر کی گئی تھی۔

ہنری اسٹوڈنٹ ٹیچر صوبہات متحدہ کے ٹیچر تعلیم میں ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے غالب سے اردو نثر میں ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ جسے وہ غالباً اسکول کے لصاب میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ اس فرمائش کے سلسلے میں غالب نے منشی مشیو نرائیو آسام کو لکھا تھا،

”جناب ہنری اسٹوڈنٹ ریڈ صاحب کو اچھی میں خط نہیں لکھ سکتا

اُن کی فرمائش ہے اردو کی نثر، وہ انعام پائے تو اُس کے ساتھ اُن کو خط لکھوں

اس کا مطلب ہے کہ اس زمانے میں اردو نثر کی ایسی کتابوں کی ضرورت تھی جنہیں لصاب میں شامل کیا جاسکے۔ اس لیے پورا امکان ہے کہ ٹیچر ہندی لصاب میں شامل کر لی گئی ہو یا تیسریوں کے لیے کافی تعداد میں خریدی گئی ہو

امکان یہ بھی ہے کہ طباعت کے دوران میں کافی آدھرا آگئے ہوں۔ اس لیے بہت جلد دوسرے ایڈیشن کی ضرورت پڑ گئی ہو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب دوسرا ایڈیشن چھاپا گیا تو پہلے ایڈیشن کی ایسی نقل کیوں کی گئی

کہ آخری صفحہ پر تذکرہ طباعت میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

اب یہی پتہ کی طباعت کی گئی صورتیں ہیں۔

۱۔ خود منشی ممتاز علی خاں نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اگر یہی اصل تو منشی ممتاز علی خاں

ٹیچر ہندی میں فخر سے اس کا اعلان کرتے کہ پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا اور اب دوسرا ایڈیشن

چھاپا جا رہا ہے۔ اگر منشی ممتاز علی خاں دوسرا ایڈیشن شائع کرتے تو اسے چھپانے کی بنیاد پر

کئی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اُن کی زبان میں مصحف کو سامانہ دینے کا رواج نہیں تھا، بلکہ

اُس معاملہ پر ہوا تھا، مصحف کچھ کہیں خریدنے کی بجائے لکھی کرتا تھا۔ غالب نے ”دستِ نبی“

کہا کہ اس جلد پر خریدنے کا وعدہ کیا اور اپنے ایک علاج واسے امید لگھتے تھے اب یہاں

جلدوں کی قیمت منشی مسیحو نرائن آسام کو دوہائی تو انھوں نے "دوستیو" چھاپی، اس لیے منشی ممتاز علی خاں کے پاس کوئی وہ نہیں تھی کہ وہ اس طرح بچھا کر دوسرا ایڈیشن جھڑپے۔ دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ محمود ہندی کی مقبولیت دیکھ کر کسی نے جلی انڈین شائع کر دیا۔ مگر یہ بھی قریب قیاس نہیں کیوں کہ محمود ہندی کی اشاعت کے حقوق کسی کے ہام مغزو نہیں کیے گئے تھے اور پھر کتاب کی حفاظت ہو چکی تھی اس لیے کوئی بھی دوسرا ایڈیشن شائع کر سکا تھا اور پھر دونوں ایڈیشنوں کے آخری ہلد صفحے بالکل ایک ہیں اور ایک ساتھ چھپے ہیں۔

تیسری صورت جو قریب قیاس ہے وہ یہ ہے کہ محمود ہندی کے ۱۸۳۲ صفحات حسب چھپے تھے، تھوڑا تریخ مطالعت کے اختلا میں چار صفحے کی آخری کاپی نہیں چھپی تھی، جب آخری کاپی پچھنے کی نوبت آئی تو منشی ممتاز علی خاں کو لیاں آیا کہ محمود ہندی کی انگلہ بہت زیادہ ہے اور انھوں نے منشی کتابیں چھپواتی ہیں وہ ناکافی ہیں۔ ۱۸۳۳ صفحے چھپے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے اس لیے پڑیس میں ان کے پھر بھی صحت کر دیے گئے تھے۔ مجھڑا ۱۸۳۳ صفحات کی کتابت کر کے انھیں چھاپا گیا۔ آخری ہلد صفحے اتنی تعداد میں شائع کیے گئے کہ وہ پوری کتاب کے لیے کافی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۳۳ صفحات کے متن میں تو بہت زیادہ اختلافات ہیں لیکن آخری ہلد صفحوں میں ایک لفظ کا بھی اختلاف نہیں۔

مثنیٰ نقاد کے لیے ایک اہم سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں سے پہلا ایڈیشن کس کو ملے اور ری پرنٹ کسے تسلیم کرے۔

یقینی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن میرا قیاس ہے کہ میں کتاب کے سرمدی ہذا تمام محمد ممتاز علی خاں "لکھا ہوا ہے یہ وہ ایڈیشن ہے جو پہلے چھاپا تھا۔ کیوں کہ (۱) اس ایڈیشن پر محمد ممتاز علی خاں کا نام ہے (۲) اس ایڈیشن کا کاتب دوسرے ایڈیشن کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور سچہ کلمہ معلوم ہوتا ہے (۳) پہلے ایڈیشن کا کاغذ زیادہ بہتر ہے جبکہ دوسرے ایڈیشن کا کاغذ تھوڑی انداز کا ہے۔

”موجودہ ہندی کے جتنے اڈیشن چھپے ہیں، ان سب کے ساتھ، جو کہ کسی نے ایک اڈیشن کو بنیاد بنایا، اور کسی نے دوسرے کو پیشہ کاری میں بطبع کرنا، دہلی سے موجود ہندی کا جو اڈیشن چھپا تھا اس کی بنیاد موجود ہندی کے پہلے اڈیشن پر ہے۔ اور پیشہ کاری بطبع نئی کشور سے جو چھپا تھا، اس کی بنیاد ری پرنٹ پر ہے۔ مولوی امین علی پرشاد کو بھی چوں کہ ری پرنٹ کا علم نہیں تھا اس لیے انھوں نے بھی صوفیہ ایک ہی کو بنیاد بنایا ہے جس کی وجہ سے ان کے بنائے ہوئے اختلافات نسخے میں بے معنی ہو گئے ہیں۔

ہمیں اس کا جتنی نہیں کہ ری پرنٹ کون سا ہے اور پہلا اڈیشن کون سا، اور اگر فرض کیجیے کسی طرح یہ ثابت بھی ہو جائے کہ پہلا اڈیشن کون سا ہے تو ہمیں اس کا علم نہیں کہ دوسرے اڈیشن کی کتابت پہلے اڈیشن سے ہوئی تھی یا اصل مسودے سے۔ حالانکہ اس کا یہاں بھی ہے کہ مسودے سے ہوئی ہوگی کیوں کہ مسودہ ہونے پر جسے بطور ایک کتاب غراب کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

اس لیے معنی نقاد کے سامنے ایک ہی بات ہے کہ وہ دونوں اڈیشنوں کو بنیادی نسخوں کی حیثیت سے استعمال کرے۔ میں نے ”غائب کے خطوط“ کے تنقیدی اڈیشن کی تیاری میں ایسا ہی کیا ہے۔

## اردو کے معنی : پہلا اڈیشن

”موجودہ ہندی کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہو رہی تھی اور غائب کے چاہنے والوں کا مطالبہ فرماتا تھا، دہلی میں محکم نظام مضامین، ملک انکس، خطوط نے غائب کے خطوط چھاپنے کا پروگرام بنایا۔ غائب نے صبح و شام کو خط لکھ کر اپنے خطوط یا ان کی نقلیں فراہم کیں۔ یہ ممکن ہے کہ طباعت کی تگرائی بھی خود غائب نے ہی ہو کیوں کہ موجودہ ہندی کے مقابلے میں اس لمحے میں کتابت کی غلطیاں کم ہیں۔ میر ہندی مجروح نے اس کا دریا صہ اور

قرآنِ معلّیٰ جگہ ساکب نے خاتمہ لکھا اور کتاب دو حصوں میں ترتیب دی گئی۔ پہلے حصے میں وہ خطوط شامل کیے گئے جو آسان اور صاف زبان میں تھے اور جن میں ادنیٰ مسائل پر گفتگو نہیں کی گئی اب مصداق علموں کے لیے تھا۔ دوسرے حصے میں وہ خطوط شامل کیے گئے جن میں مشکل مصداق بیان کیے گئے تھے۔ ترکی صاحب کا خیال ہے کہ آٹھابا پہلی بار صرف حصہ اول مشائع ہو سکا اس لیے کہ کتب خانہ مالیت نام پر میں جو نسخہ موجود ہے وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ پہلے حصے کو باقاعدہ کتاب بنا کر طالب علموں کے لیے اس کے کچھ نائد نسخے بھجوائے گئے ہوں۔

کتاب کے آخر میں ذائق کی ایک تحریر پیش کی ہے جس میں ذائق نے لکھا ہے کہ میں نے ازراہ قریط صحت اپنا حق ثابت فرمایا۔ اقبال نشان حکیم نظام رضا خاں کو اپنی جگہ ہے۔ اس مجموعے میں سطروں کی مجموعی تعداد ۴۷۰ ہے اور حسب ذیل مضامین کے اسم کے خطوط اس میں شامل کیے گئے ہیں۔

نواب میر نظام بابا خاں بہادر (۱۰ خط)۔ میاں دلا خاں سیاح (۳۹ خط)۔ شبلی صاحب ڈکا (۱۰ خط)۔ مرزا میر گوپال سنگھ (۹۹ خط)۔ شاہنوازہ ظہیر الدین (۳ خط)۔ سید بدیع الدین المعروف فقیر (۵ خط)۔ چودھری عبدالغفور شکر (۶ خط)۔ بیکر سدرار حسین (۳ خط)۔ میر میر ہادی جتوئی (۳۳ خط)۔ غلام بر شاہ عالم (۳ خط)۔ صاحب عالم (۳ خط)۔ عبدالغفور نسائی (۱ خط)۔ قبا ضی عبدالجلیل جتوئی بریلوی (۱۱ خط)۔ مہمان علی خاں دھما مراد آبادی (۳ خط)۔ عبدالرزاق شاکر (۲ خط)۔ مولوی عزیز الدین (۱ خط)۔ مفتی سید عباس (۱ خط)۔ حکیم نظام صحت علی (۲۳ خط)۔ نجم الدین سید خاں (۱ خط)۔ نواب میر محمد علی خاں دھما (۱۵ خط)۔ مولوی امجد علی جتوئی (۲ خط)۔ حکیم سید احمد حسن مودودی (۱۱ خط)۔ اقبال حسین خاں (۱ خط)۔ مرزا عاتق علی تہر (۱۱ خط)۔ مفتی نبی بخش (۲ خط)۔ مفتی عبداللطیف (۱ خط)۔ خواجہ نظام گوشت خاں تہہ خیر (۱۱ خط)۔ نواب عبداللہ الدین خاں فقیر (۱ خط)۔ مرزا شہاب الدین خاں (۱ خط)۔ نواب





صدر کبیر الدین اس وقت شائع ہو رہا تھا کہ کتاب نسخ کتاب میں خدائے ہوتی، اس میں کچھ ہفت میں مسیحی پتھر کے دیباچے اور قرآن ملی جنگ محل سنگ کی تقریظ شامل نہیں کی گئی۔ مخطوط میں سے ایسے فقرے بھی نکال دیے گئے جو حکومت کے نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں تھے۔

## اردوئے معلیٰ، سری پرنٹ

”اکن الطابع سے اردوئے معلیٰ کا دوسرا سری پرنٹ ۱۰ فروری ۱۹۶۷ء کو شائع ہوا۔ ۳۸۵ صفحات پر مشتمل مجموعہ ”۱۶ x ۲۶“ کے سائز پر شائع ہوا۔ کتاب کے آخری ورق پر اجازت نامے کے عنوان سے حکیم نظام رضا خاں کا یہ اعلان شائع ہوا کہ ”۶ میں صرف ایک ہی دفعہ کے لیے ایک ہزار روپے دکانی، اردوئے معلیٰ کی اجازت دہیں گا کوئی رائٹ میسٹ پاس محفوظ ہے، سید فخر الدین صاحب جتیم مطبع اور محمد اہل خاں کو دیا ہوں۔ آجندہ“ وغیرہ میری اجازت کے بغیر نہیں چھاپ سکتے۔“

## اردوئے معلیٰ، حصہ اول، حصہ دوم

”اردوئے معلیٰ کا، اڈیشن مطبعہ ملی ہندوستانی دہلی سے شائع ہوا۔ اس کا پہلا حصہ ۱۹۸۳ء اور دوسرا حصہ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ اس کا سائز ”۱۶ x ۲۶“ ہے۔ دوسرے حصے پر محمد عبدالاحد نے مختصر دیباچہ لکھا ہے۔

اس مجموعے کے حصہ اول کے مخطوط دیباچے میں جو اردوئے معلیٰ کے پہلے اڈیشن میں شائع ہوئے تھے۔ حصہ دوم کی ابتدا میں اطلاع دی گئی ہے کہ ”۶ حصہ وصولیہ کے بعد“ احقر عبدالاحد محمد عبدالاحد علی عبدالاحد شائقین دلائل تکمیل کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ جب اردوئے معلیٰ مرزا غالب ہندوستان کے سنگی مولانا حالی کی اجازت سے مطبعہ میں چھپی تو مولانا موصون نے ایک لمبی سورت مرزا غالب کے اشعار کا اپنے پاس سے بھی حمایت فرمائی

جس کو احقر نے حصہ دوم آردو سے سہلی کے نام سے نامزد کر کے اسی کے آخر میں خالی کر دیا۔ اس حصے میں خاص کر وہ دہلیات ہیں، جن میں انھوں نے لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں یا شاعری کے متعلق کوئی جاہلیت کی ہے یا کوئی نکتہ ہنسی ہے اور بعضی کتابوں کے دیباچے اور دیوانے بھی ہیں۔ اس حصے میں ملحق سید رحمت علی خاں کی تصانیح المعروف خواجہ بدر الدین خاں عرف خواجہ ان کی تصانیح انظار پر غالب کے کلمے جوئے دیباچے، بہاد شاہ ظفر کی ایک کتاب اور مرزا رحیب علی بیگ سرحد کی محکومہ سرحد پر تقریریں، منشی حبیب اللہ ڈکا کے دیوان اور سید فرید احمد صغیر بکراہی کے رسالہ تذکرہ و تہذیب دیباچے ہیں۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل خطوط ہیں۔

مرزا میر گوہار علی نقوی — ۳۴

داہریہ بارے وال — ۱

حبیب اللہ ڈکا — ۵

میاں بدو شاہ سیاح — ۵

شہزادہ بطیر الرحمن — ۲

منشی کیمول رام — ۱

مولوی کراست علی — ۱

خواجہ حسن بیگ چتر — ۱

منشی میر حسن بیگ — ۱

میر سہیل محمد — ۳

اردو سے ملحق: حصہ اول و دوم۔ دو سراہی پرست

مطبوعہ ہفتائی دلی سے لہری پرنٹنگ میں اردو سے ملحق حصہ اول و دوم جو شائع ہوا تھا،

اُس کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔ عزیز دوست کاظم علی خاں کی حمایت سے مجھے معلوم ہوا کہ اردوئے معلّیٰ کے اس اڈیشن کے ساتھ ہی تقریباً وہی معاملہ ہے، جو خود ہندی کے پہلے اڈیشن کے ساتھ ہے۔ یعنی اس کا بھی ایک ایسا ری پرنٹ شائع ہوا تھا، جس کی نامزد طباعت وہی شائع کی گئی، جو پہلے اڈیشن پر تھی۔ میں نے میں نے اسے استفادہ کیا ہے وہ تو وہی ہے جو پہلے اڈیشن کے طور پر شائع ہوا تھا۔ یہ اڈیشن انجمن ترقی اردو (ہند) کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ کاظم علی خاں صاحب کے اطلاع دینے پر میں نے اس نسخے کی کٹاکش مشرور کی تو ہر دو سال لائبریری میں یہ نسخہ بھی مل گیا۔

اس ری پرنٹ کے آخر میں تاریخ طباعت اس طرح دی گئی ہے،

”السنہ۔ محمد عبدالعزیز علی عزہ پر دہرائی مطبع مہتمائی دہلی، ماہ اپریل ۱۹۵۹ء۔“

اس سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ پہلا اڈیشن ہے۔ خوب کہ ایسا نہیں ہے۔ پہلے اڈیشن کے

پہلے اور دوسرے حصے کے آخر میں محمد عبدالعزیز کے نام کے ساتھ ”علی عزہ“ لکھا گیا ہے، جب کہ ری پرنٹ میں دوسرے حصے کے آخر میں تو نام کے ساتھ ”علی عزہ“ ہی چھپا ہے، لیکن پہلے حصے کے آخر میں محمد عبدالعزیز کے ساتھ ”مروم و منظور“ چھپا ہے۔ پہلے اڈیشن کے پہلے حصے کے ۳۴ اور دوسرے حصے کے ۶۳ صفحات ہیں، اس کے برعکس ری پرنٹ کے پہلے حصے کے ۳۴ اور دوسرے حصے کے ۵۶ صفحات ہیں۔

کتابت کی غلطیوں کی وجہ سے ان دونوں کتابوں کے متن میں مواضع اختلافات ہو گئے ہیں۔

یہ دلائل میری سمجھ میں نہیں آئے کہ، ری پرنٹ پر تاریخ طباعت وہی کیوں چھپائی گئی جو پہلے اڈیشن پر تھی، کتاب شائع کرنے والوں کی غیر ذمہ داری کے سوا اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

اردوئے معلّیٰ: حصہ اول

اردوئے معلّیٰ کا یہ ری پرنٹ مطبعہ قلدوتی، دہلی سے منسلک میں شائع ہوا۔ ۲۸۸ صفحات

پر مشتمل مجموعہ ۹۶ x ۱۰ کے سائز پر شائع ہوا۔ کتاب کے آخر میں سید عبد السلام  
اس سہ ماہی کے نام پر انگریزی مطبعہ قادیانی کی طرف سے اعلان ہے کہ: "کافی مانت محفوظ ہے؟"

## مکمل اردو کے معنی: شش ماہی ہر دو حصہ

اردو کے معنی کا یہ اولین ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۷ مطابق جولائی ۱۸۹۹ء مطبعہ امجدی کا پور  
۲۸۳ صفحات پر مشتمل، ۹۶ x ۱۰ کے سائز پر شائع ہوا۔

اب تک اردو کے معنی کے تمام مجموعوں میں مکتوب ایسہ ہی فہرست نہیں چلتی تھی  
اور ایک ہی مکتوب ایہ کے نام کے خطوط کیا ہونے کے بجائے مجموعے میں بکھرے ہوتے تھے۔  
غالباً یہ پہلا مجموعہ ہے، جس میں محمد نسیر نقی نے ترتیب دینے کا ابتدائی کام کیا ہے۔ سب سے پہلے  
تاکب کے ملاحظہ سارا دیے گئے ہیں۔ ہر مکتوب ایہ کے نام کے خطوط ایک جگہ کر دیے گئے  
ہیں خطوط کی فہرست میں ہر مکتوب ایہ کے نام کے سامنے اس کے نام کے نقل خطوط کی تعداد  
بھی لکھی گئی ہے۔

کتاب کے آخر میں نوٹ دیا گیا ہے: "پہلی کو یہ مجموعہ ترتیب نو بہ صرفت ذکر کثیر،  
تیار کر لیا گیا ہے۔ لہذا اس ترتیب کو مطبعہ ہذا محفوظ ہے۔ کوئی صاحب بے اجازت تک مطبعہ  
اس ترتیب سے نہ بچا رہی؟"

## اردو کے معنی مکمل: ہر دو حصہ ضمیمہ

تاکب کے خطوط کا یہ مجموعہ ضمیمہ تاکب علی آباد کتاب خانہ نے مطبعہ کرمی سے خیر بکاش  
میں شائع کیا۔ ۲۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۹۶ x ۱۰ کے سائز پر چھاپا گیا ہے۔ ضمیمہ  
میں تاکب کا نکھار ہوا پندرہ صفحات پر مشتمل امیر تاکب و پڑوی کے عنوان سے ایک دیر پا  
ہے۔ اس دیر پا میں تاکب کی زندگی کے کچھ اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

سوانح حضرت سہبائی نے اردو سے منسلک ملی گزوار (دسمبر ۱۹۱۹ء) میں نقاب کے قندیلگری کے نام پر ایک خط اور ایک خط شمع لطیف احمد گزاری کے نام شائع کیے تھے۔ ان خطوط کو بھی اس مجموعے میں جیسے کے تحت شامل کر لیا گیا ہے جسے کے شروع میں شیر محمد سرفراز کی یہ صفحات پر مشتمل ایک تحریر ہے، جس میں خطوط نقاب کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اس مجموعے کے ریا پرٹ میرے پیش نظر ہیں، پہلا پرنٹ ہیسا کہ عرض کیا گیا، شیر محمد سرفراز میں شائع ہوا تھا۔ دوسرا مستقلہ میں اور میرا مستقلہ میں چھپا تھا۔ ممکن ہے اس کے بعد بھی کوئی اور ہی پرنٹ شائع ہوا ہو۔

### عمود ہندی، ریا پرٹ

دام لائق لال، الہ آباد سے عمود ہندی کا یہ ریا پرٹ مستقلہ میں شائع ہوا تھا۔ یہ ہی پرنٹ ۲۱۸ صفحات پر مشتمل اور پانچ سو کے مائیکرو ہے۔ اس کی خصوصیت صوت ہے کہ اس کے آخر میں وہ صفحات پر مشتمل الفاظ کی فرہنگ شامل کی گئی ہے۔

### ادبی خطوط نقاب، مرتبہ مرزا محمد عسکری

نقاب کے خطوط کا اپنی نوعیت کا یہ پہلا مجموعہ ہے اس مجموعے میں ایسے خطوط کا انتخاب کیا گیا ہے، جن میں نقاب نے نکات اور یہ مل سکے ہیں، اشعار کے معنی سمجھاتے ہیں اور شعرا کے حلقے سے زلی کی ہے، زمین صفحات کے درجہ میں نقاب کے خطوط کی خصوصیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ اس موضوع پر شاید یہ پہلی جامع تحریر ہے۔ ہر خط کا انتخاب دیا گیا ہے۔ آخر میں نقاب کے جنس سکوت ایہم کے ساتھ زندگی یہاں کیے گئے ہیں۔ اس انداز کا کام اردو میں پہلی بار ہوا ہے۔

یہ کتاب ۲۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مستقلہ میں نظامی پر ہی نکھڑے شائع ہوئی۔

## مکاتیب غالب مرثیہ مولیٰ امتیاز علی خاں (۱۲۳۱)

دام پور کے نواب یوسف علی خاں ناظم اور ان کے صاحب زادے نواب کلب علی خاں ،  
غالب کے سٹ گرو تھے ۔ غالب کو دہلہ رام پور سے جوانی میں مشغول رہنے سے سو روپے ماہوار  
تخوا ملتی تھی جو مرتے دم تک انھیں ملتی رہی ، اس لیے غالب اور نوابانِ رام پور میں سلسلہ  
مواصلت تھا ، اہلِ اردو کی خوش نصیبی ہے کہ غالب کے خطوط کا بڑا حصہ محض عالی درجہ اشخاص  
رام پور میں خطوط تھا ، مثلاً ، میں ریاست کے پرنس فخر کر علی شہر حسین زیدی نے ان خطوط  
کو مرثیہ کر کے شائع کرنے کا منصوبہ تیار کیا ، اس کام کے لیے ان کی نظر انتخاب مولیٰ امتیاز علی  
خاں کو آئی جیسے عالم پروری۔

عزیز صاحب نے غالب کے ۱۱ خطوط کا انتخابی متن تیار کیا ، ان خطوط کے مکتوب انجمن

تفصیل ہے ۔

یوسف علی خاں ، ناظم ————— ۴۲ (۱۲۸۱ اور ۱۲۸۲ قمری)

نواب کلب علی خاں ————— ۴۵

نواب زری العابدی خاں ، بہادر و عرف کن سراں ————— ۲

علیہ احمد علی رام پوری ————— ۱

علی سیل چند ————— ۶

مولوی محمد حسن ————— ۱

مکاتیب غالب کا پہلا ایڈیشن ۱۲۸۱ء میں طبع ہوا ، یہ ایڈیشن ۲۰۰۰  
کے قریب بھرا گیا تھا اور طباعت کا بہترین نمونہ تھا ، اس کے چھاپی پرنٹ شائع ہونے لگے  
اور چھاپی پرنٹ ۱۲۸۱ء میں دام پور سے شائع ہوا۔

مولیٰ امتیاز علی نے مکاتیب غالب میں ایک سو نو اسی صفحات پر شخص ایک سو سو مقدمہ لکھا۔

جس میں سرگزشت، غالب، قصائید، لوانات، الماریت، انگریزی تعلقات، بہار شاہ نظریہ تعلقات، تعلقات، رام پور، افشاریہ غالب، تعلقات، الٹا اور طباعت مخطوط کے عنوان کے تحت غالب کے سوانح لکھے ہیں اور غالب کی مخطوط نگاری کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد مخطوط کا متن دیا گیا ہے جن کے بعد اشخاص و قبائل، مقامات اور کتب و احادیث کے تین ممکنہ اشارے دیے گئے ہیں۔ اس سے پہلے کسی نے مخطوط کا کچھ اشارے تیار نہیں کیے تھے۔ عربی صاحب نے پہلی بار یہ کام کیا ہے۔

مولانا عرشی نے ان مخطوط کا تنقیدی، اڈیشن انتہائی سائنسی نگاہ انداز میں اور غیر معمولی احتیاط سے تیار کیا ہے۔ پورے متن میں مشکل ہی سے کوئی غلطی لکھی گئی۔ مخطوط پر جڑی موند اور عالمانہ انداز سے سائنسی لکھے گئے ہیں۔ کسی بھی مخطوط میں شاید ہی کوئی ایسا واقعہ ہو، جو نظریہ غالب پر، اور عربی صاحب نے اس پر حاشیہ نہ لکھا ہو۔

میں یہ بات پہلے سے وثوق اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ لکھنؤ غالب سے پہلے کسی اردو متن کا ایسے سائنسی نگاہ انداز میں تنقیدی اڈیشن تیار نہیں ہوا، بلکہ اس کے بعد بھی جہاں تک میرا مطالعہ ہے، ایسا تنقیدی اڈیشن تیار نہیں ہوا ہے۔ لکھنؤ غالب کے مقابلے میں لکھا جاسکے۔

## مخطوط غالب : مرقبہ پیش پر شاہ

اگرچہ ”محمود ہندی“ اور ”اردو سے ملنے والے مکتبہ ملی پرنٹ اور اڈیشن شائع ہوتے رہے لیکن غالب کے تمام مخطوط کو یکجا کر کے ان کا تنقیدی اڈیشن تیار کرنے کا خیال پہلی بار مولوی پیش پرست کو آیا۔ انھوں نے ہر ممکن ذریعہ سے غالب کے مخطوط جمع کیے۔ جڑی موند، اور جستو سے بعض ایسے اصل مخطوط بھی تلاش کیے جو غالب کے مخطوط کے مجموعوں میں شامل ہو چکے تھے۔ ان مخطوط کی بنیاد پر نئے اڈیشن کا متن قائم کیا گیا۔ وہ مخطوط بھی لکھا گئے جو

مجموعوں میں شامل نہیں ہو سکے تھے لیکن مختلف رسائل میں شائع ہو چکے تھے۔ کچھ ایسے غیر مطبوعہ خطوط بھی حاصل کیے گئے جو نقاب کے مکتوب ایہم کے وارثوں کی ملکیت تھے۔ مولوی صاحب نے ان کا تنبیہ نقاب مرتبہ مولانا امتیاز علی خاں قزاقی میں شامل نقاب پر دست لپی خاں ناگم کے نام پر پستیں مخطوط بھی اس ڈائین میں شامل کیے۔

غور ہندی کے پہلے ڈائین اور اردو سے ملنے والے پہلے ڈین ڈائینوں اور سرکا تنبیہ نقاب اور نقاب کے حاصل مخطوطات ان کے نکل مرام ہوئے تھے، انھیں بنیادی نسخوں کے طور پر استعمال کیا گیا۔

حق کی نظر ثانی اور طاعت کی نگرانی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے کی۔

مولانا قزاقی کے سرکا تنبیہ نقاب کے بعد نقاب کے مخطوط کا یہ پہلا مجموعہ تھا جس کی ترتیب اور طاعت میں اتنا اہتمام کیا گیا۔ یہ ڈائین دو جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا پہلی جلد ہندوستانی اکائی کی اور آباد سے مشرق میں تاتپ میں شائع ہوئی۔ مولوی صاحب دوسری جلد مرتبہ کر رہے تھے کہ موت نے انھیں ہم سے چھین لیا۔ اور یہ کام دھوا دا گیا، انھیں ترقی اردو (ہند) نے مرحوم کے وارثوں سے دوسری جلد کا سودہ اور خطوط نقاب کے ضلع کٹھا کیا ہوا اتمام مولانا غریب لیا۔ افسوس ہے کہ انھیں دوسری جلد کا سودہ تم ہو گیا۔ پہلی جلد میں مرزا قلیت۔ جہاں شکر جہاں۔ بدایین الخیر۔ عبدالمجید قزاق۔ اور عبداللہ حق۔ سید یوسف مرزا۔ یوسف علی خاں قزاق۔ احمد حسین بیکٹی۔ غلام مسعود قزاق۔ نقاب یوسف علی خاں ناگم۔ حکیم غلام نبی خاں۔ میر سیدی محمد۔ شہاب الدین احمد خاں نقاب۔ مرزا قائم علی قزاق۔ صاحبزادہ زین العابدین۔ علامہ الدین احمد خاں قزاق۔ شیخو خاں آقام اور دو ایسے مخطوطات کے مکتوب ایہم کے نام معلوم نہیں ہو سکے، شامل ہیں۔

کسی بھی حق کا تصدیق ڈائین تیار کرنے میں ہم مرحلہ اٹکا کا ہوا ہے۔ بعض معنی نقادوں کا خیال ہے کہ حق کی اسلام ہی ہوا چاہیے، جو مصنف کی علمی اور بعض کا خیال ہے کہ



قدیم متن کو جدید اسلا میں کھاجانا چاہیے۔ طریقہ کوئی بھی اختیار کیا جائے، ضروری ہے کہ ضرورت سے آخر تک ایک ہی طریقہ برتا جائے۔ ”خطوط فاکب“ میں ایسا نہیں کیا گیا۔ جس کے دو وجود ہیں، ایک قویہ کہ مولوی ہیدل پر شاد کو فاکب کی اس کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں تھیں، اور دوسرے اس سلسلے میں انھوں نے کوئی باقاعدہ اصول نہیں بنایا۔

مولوی ہیدل نے خطوط فاکب کے دیرپے ہیں اطلاق دی ہے کہ انھیں کالی تھلا میں فاکب کے اصل خطوط دستا بہ جگتے ہیں، لیکن مقدمے میں ڈاکٹر عبدالستار مدنی نے فاکب کی اردو اس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اسے بڑھ کر ادا کر دیا ہے کہ فاکب کی اسلا پر اظہار خیال کرتے ہوئے ان کے پیش نظر بہت کم اصل خطوط تھے اور ان خطوط میں فاکب کی اسلا کی جو مدخل ہے، اسے ہی ”خطوط فاکب“ کے متن کی اسلا بنایا گیا ہے، جو کسی طرح بھی درست نہیں۔ ”خطوط فاکب“ کے مقدمے میں ڈاکٹر عبدالستار مدنی لکھتے ہیں کہ خطوط فاکب کے متن کے قائم کرنے میں ان تمام اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے، جنہیں فاکب دانتے تھے اور جو صحیح ہیں؛ البتہ ان کی طرز کتابت کی پیروی میں ”ات“ ”رت“ اور بعض اور اردو لفظ اُسی طرح لکھے گئے ہیں طرز فاکب لکھا کرتے تھے، اردو سے سلی کے پہلے لائیں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ”یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب نے فاکب کی طرز کتابت یا اسلا کو اکثر جگہ پر قیود رکھا ہے۔ مگر بعض باتوں میں اُن کی پابندی نہیں بھی کی ہے۔۔۔۔۔ اس لیے خطوط فاکب“ کا متن سوا اسی نقلی مواد کے جو میر نے بنائے تھا، اسی نسخے پر قائم کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خیال درست نہیں۔ کیوں کہ فاکب کے جو اصل خطوط دستا بہ ہوئے ہیں، ان کی اور ”اردو سے سلی“ طبع اول کے متن کی اسلا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ مولوی صاحب نے عام طور سے ”اردو سے سلی“ طبع اول کی اسلا کو قیاد بنایا ہے، جو ظاہر ہے فاکب کی اسلا سے بہت مختلف ہے اور فاکب کی اسلا کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے حیرانات دیے ہیں ان میں سے بعض درست نہیں، ڈاکٹر عبدالستار مدنی کہتے ہیں:

”بات“ کو ناکب نے جب لکھا ”بات“ لکھا۔ یہ درست نہیں، کیوں کہ ناکب کے خطوط میں اس لفظ کی اسلامی طرح حق ہے، ”باتر“، ”باتھ“ اور ”بات“ اور بھی کئی لفظ ہیں جن کی املا ناکب نے ایک سے زیادہ طریقے طے کی ہے، مثلاً ”روانا“، ”روانہ“، ”خطا“، ”خطہ“، ”میزرا“، ”مہرا“، ”مہر“، ”مہر“، ”نواب“، ”نواب“، ”روپے“، ”روپے“، ”دلیہرہ“، مولوی ایبٹل نے بات، ”نڈانا“، ”خطا“، ”میزرا“ اور کبھی ”مہرا“، ”روپے“ اور ”نواب“ دلیہرہ کی املا کو اپنا لیا ہے۔ مولوی ایبٹل نے خطوط ناکب کا متن تیار کرنے میں کئی طریقے اپنائے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ناکب بن الہافا کی املا ایک سے زیادہ طریقے سے کرتے تھے انہیں سے ایک کو قبول کر لیا ہے۔ مثلاً ”نڈانا“، ”بات“، ”باتی“ دلیہرہ اور اس طرح کی دوسرے نہیں بنائی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مولوی صاحب نے بھی ایک لفظ کی املا دو طریقے کی ہے۔

مثلاً ”مہرا“ اور ”میزرا“، ”نواب“ اور ”نواب“ دلیہرہ

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ناکب کی خط املا کو اپنا لیا گیا ہے۔ مثلاً ”نائب“ نام خدای الہافا ”ز سے لکھتے تھے، کیوں کہ ان کو لفظ ہمیں تھی کہ خدای میں ”ز“ نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے بھی نام خدای الہافا ناکب کی منشا کے مطابق ”ز سے لکھے ہیں۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اگر ناکب نے بعض الفاظ کی املا خط کی ہے، تو ان کو درست املا میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً ”نائب“، ”افضل“ اور ”بائیکل“ لکھتے تھے۔ ان الفاظ کو مولوی صاحب نے درست املا میں لکھا ہے۔

پانچواں طریقہ انگریزی الفاظ کی املا میں اپنا لیا گیا ہے۔ عام طور سے ناکب انگریزی الفاظ کی املا جدید املا سے تلفظ کرتے تھے۔ مثلاً ”نائب“، ”گورنٹ“، ”سارنی ٹکٹ“ اور ”لاڈو“ لکھتے تھے۔ ان الفاظ کو مولوی صاحب نے ”گورنٹ“، ”سارنی ٹکٹ“ اور ”لاڈو“ لکھا ہے۔ اسی کے برعکس بعض انگریزی الفاظ کی املا دی کی گئی ہے جو ناکب کرتے تھے مثلاً ”پنس“ دلیہرہ

تفاوت طریقے اپنانے کی وجہ سے خطوط قائب کے معنی کی ادا ایسی چمکتی ہے جو جدید ہے اور قائب کی ہے۔

موجودہ ہندی اور اردو سے سہلی "ہیں کسی طرح کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ ایک مکتوب ہر کے نام کے خطوط میں لکھا نہیں کیے گئے تھے۔ غالباً پہلی بار اردو سے سہلی کے اس اڈیشن میں ترتیب خاتم کی گئی جو سطح جمیدی کا پندرہ سے تندرست میں شائع ہوا۔ اس اڈیشن میں ایک مکتوب الیہ کے ہم کے تمام خطوط یکجا کیے گئے۔ لیکن اسی صورت حال یہ تھی کہ ایک مکتوب الیہ کے نام کے بعض خطوط "موجودہ ہندی" میں تھے اور بعض اردو سے سہلی میں۔ اس کے علاوہ اب تک خطوط کی تاریخ وار ترتیب کسی مجموعے میں نہیں تھی۔ مولوی سہیل نے پہلی بار ایک مکتوب الیہ کے نام تمام دستاویز خطوط کو یکجا کر کے انھیں تاریخ وار ترتیب دیا۔

"موجودہ ہندی" میں بہت کم خطوط پر تدریجاً تحریر ہے۔ غالباً مرتبین نے تدریس شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس کے برعکس "اردو سے سہلی" کے کافی خطوط پر تدریجیں ہیں۔ تاریخ تحریر کے لحاظ سے قائب کے خطوط کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ خطوط جن پر مکمل تدریجاً تحریر ہے۔ دوسرے خطوط وہ جن پر تدریجاً یا مہیا یا دونوں ہی لکھیں مسدوس نہیں ہے اور تیسرے وہ جن پر تدریجاً تحریر بالکل نہیں۔ مولوی صاحب نے پہلی بار ان خطوط کی تاریخ تحریر متعین کرنے کی کوشش کی، جن پر تدریجاً نہیں تھی بعض خطوں پر تو تفسیر میں تعین کی ہوئی تدریجاً دے دی ہے۔ جن خطوں کی تاریخ تحریر کا تعین نہیں ہو سکا لیکن رازہ تحریر کا اندازہ ہو گیا ہے تو ان کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ پڑھنے والے کو رازہ تحریر کا اندازہ ہو جائے۔ مثلاً اگر ایک ایسا خط ہے جس پر تدریجاً تحریر نہیں ہے اور مولوی صاحب کو اندازہ ہوا ہے کہ یہ آگست ۱۸۵۷ء میں لکھا گیا ہوگا تو اس خط کو جولائی ۱۸۵۷ء اور ستمبر ۱۸۵۷ء کے درمیان ترتیب دے دیا ہے۔ کافی خطوط ایسے ہیں جن کی تاریخ تحریر کا تعین مولوی صاحب نے کیا ہے۔ لیکن انھوں نے کسی تدریجاً کے پر سے اس لیے دفائی پیش نہیں کیے اور ان کو "قاصرین عمر الخود"۔

”مستند خطوط کے بارے کی بہت سی سبب سے جو اطلاعات دی گئی ہیں، وہ غیر صحیح اور ناکافی ہیں۔“ یہ حقیقت ہے کہ مولوی صاحب کی متعین کی ہوئی اکثر تقریریں غلط ہیں۔ چوں کہ مولوی صاحب کے مرتبہ ”مخطوطہ فاکس“ کو مستند ترین نسخہ تسلیم کیا جاتا ہے اس لیے فاکس کے سوانح نگاروں اور نقادوں نے ان خطوط کی تاریخ تحریر کی بنیاد پر بعض ایسے نتائج نکالے جو درست نہیں تھے۔ ان نقادوں کا قصور یہ نہیں تھا کہ انھوں نے بعض بے بنیاد باتیں کہیں، ان کا قصور یہ تھا کہ انھوں نے مولوی صاحب کی متعین کی ہوئی تاریخوں پر بھروسہ کیا۔ ان تاریخوں کے بارے میں چند باتیں ملاحظہ ہیں:

تقد کے ہم ایک خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ لیکن خط میں فاکس نے لکھا ہے: ”آج پنجشنبہ ۱۳ ستمبر کو فاکس میں بھجوا دیا۔“ مولوی صاحب کو نہ جانے کن وجوہ کی بنا پر خیال ہوا کہ یہ خط ~~مستند~~ میں لکھا گیا، لیکن مشکل یہ آپڑی کہ ~~مستند~~ میں پنجشنبہ کوئی جنگلہ، تاریخ سنی ۱۳ نہیں، مولوی صاحب نے تقریرے کو اس طرح کر دیا: ”آج پنجشنبہ ۱۳ ستمبر ۱۸۶۳ء کو فاکس میں بھجوا دیا۔“ تو بین سے اخلاص ہوتا ہے کہ ”تو بین میں اخلاص مولوی صاحب کا ہے۔“ باقی تمام اخلاص فاکس کے ہیں۔

حال آں کہ مولوی صاحب نے ”۱۳ ستمبر کو ہل کر۔“ ۱۸ ستمبر کو دیا ہے۔ اور اس تبدیلی کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ مخطوطہ کے اندرون شاید اس حق میں ہیں کہ یہ تاریخ ۱۳ ستمبر بالکل درست ہے۔ بسند کے تین میں مولوی صاحب کے لفظی ہوتی ہے ۱۳ ستمبر ۱۸۶۳ء نہیں ~~مستند~~ ہے۔ اب دوسری طرح کی مثالیں لیجیے: ”ادوے سولی کے پہلے لاٹین میں طائی کے نام ایک خط ہے جس پر تاریخ تحریر ”یکشنبہ ۲۷ جولائی ~~مستند~~“ ہے۔ تقویم کی رو سے اور خط کی اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر یہ ~~مستند~~ ہونا چاہیے۔ مولوی صاحب نے ”~~مستند~~ کو بدل کر ~~مستند~~“ کر دیا ہے لیکن اس کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ اس طرح تقد کے نام ایک خط پر تاریخ تحریر ”۷ دسمبر ~~مستند~~“ درحقیقت، جو غلط حق، مولوی صاحب نے اسے درست



مولوی صاحب نے قس میں نویں میں ”نہیں“ کا اضافہ کر دیا۔ اور غلط فقرات ماحشے میں آ گئی۔  
یہ گویا تصحیح کا دوسرا طریقہ اپنا یا گیا۔

ایک تصحیح کی نشان دہی میں دہر کی ہے متن میں ”انہیں دوپے کئی آنے“ غلط کی  
اندوئی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ”انہیں دوپے کئی آنے“ ہونا چاہیے۔  
مولوی صاحب نے متن کو درست کر دیا اور اس کی نشان دہی ماحشے میں کر دی۔ پہلی تصحیح متن  
کا نمبر طریقہ اپنا یا گیا ہے۔

ان تین مثالوں کے لئے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ مولوی صاحب نے قس تنقید کے  
کسی اصول کی پابندی نہیں کی۔ جہاں جو مناسب سمجھا وہ لیا کر لیا۔

”خطوط قاتب“ میں متن کی نامی غلطیاں ہیں۔ تنقید کے ہم قاتب کے ایک اصل خط  
کا کس بھی مولوی صاحب نے ”خطوط قاتب“ میں مثال کیا ہے۔ مولوی صاحب نے کس کے  
ساتھ جو متن شائع کیا ہے، اس میں ایک غلطی ہے۔ اس طرح ملا کی کس نام بھی ایک خط  
کا کس شائع کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے اس گیارہ سطر پر خط کا جو متن شائع کیا ہے  
اس میں اپنا الفاظ غلط ہیں۔ تمام سطروں میں غلطیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے مگر سہرہ  
متن کی غلطیاں ہیں کافی تعداد ہیں۔

قس تنقید کا ایک اہم ترین اصول یہ بھی ہے کہ قس تنقید یہ اطلاع دے کہ اس نے  
کس نسخے کو بنیادی نظر بنایا ہے اور کیوں بنایا ہے؟ مولوی صاحب نے دیا ہے میں  
اطلاع دی ہے کہ قاتب کے کون کون سے اصل خطوط مل گئے تھے جن سے انہوں نے طریقہ  
غلطوں کا موازنہ کیا ہے۔ ان اصل خطوط کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے انہوں نے  
لکھا ہے:

..... ”مخبر احمد و شفق کے نام کے گیارہ خط اعظم گڑھ میں کسی صاحب کے  
ہاں ہیں۔ ہندت مایشر دال صاحب قزہی ٹکٹر کا اسان سند ہوگی ان کی

وساعت سے ان خطوں سے خطوط و غلوں کا مقابلہ کیا جا سکا۔ . . . . . جواب  
 صدر پارک جنگ مولانا صاحب الرحمان خاں شروانی، ڈاکٹر مولوی عبدالغنی صاحب  
 خاں بہادر صاحبہ ابو محمد صاحب میر بیگ مہروس کشیش صوفیہ محمود، ہندوستان  
 گوہی ناتھ کنڑو صاحب، ڈیو کیٹ ڈاڈا، آغا محمد شہرت صاحب دہلوی،  
 کرائسٹ کالج، ایکسبرج، سید فرخ سید صاحب، رئیس ٹیس، آڈر (نیا گلوہ)،  
 پرنسپل وفاقہ محمود سٹیڈیاتی صاحب، انٹی انڈیال میں بیگ صاحب، اوسے پور،  
 سید فخر الدین، حیدر صاحب موسوی نے مختلف خطوط یا نقل مناجات کے لیے عبارت  
 فرمائے جن سے کتاب کی ترتیب و تکمیل میں بڑی مدد کی؟

مولوی صاحب کے ان بیانات نے خامی و دشواری پیدا کر دی ہے۔ انور اللہ و رشق کے اسم کتاب  
 کے آئین خطوط ہیں، ان میں سے گیارہ خط اصل شکل میں مولوی صاحب کو مل گئے تھے مگر  
 ہیں، پانچ نہیں چلنا کہ وہ گیارہ خط کون سے تھے و رشق کے ہم خطوط کے جن میں پچھلے نسخہ کا  
 نسخہ ہیں مگر مولوی صاحب ان خطوط کی نشان دہی کرتے تو ظاہر ہے کہ ان کی قرائتوں کو خطوط  
 خطوں کی قرائتوں پر ترجیح دی جاتی۔ مولوی صاحب نے جن لوگوں سے خطوط یا نقلیں حاصل  
 کی ہیں ان کا شکریہ ادا کیا ہے جن حضرات کی تعداد کافی ہے لیکن وہ کون سے خطوط ہیں  
 جن کی اصل یا نقل ان حضرات سے دستیاب ہوئی تھی اس کی کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ اگرچہ  
 ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ،

"خطوط غائب کی دوسری جلد کے آخر میں کچھ غلطیوں اور اشارے ہیں گئے۔ انہی  
 میں ایک فہرست خطوں کی ہوگی اور اس میں خطوط کے تعلق سے بتایا جائے گا کہ  
 وہ کہاں سے لیا گیا ہے؟"

یہ غلطی اور اشارے خطوط غائب کی اس دوسری جلد میں شامل تھے، اس کا مسودہ  
 مولوی پیش کے امتحان کے بعد انہیں اتنی حدود (جس نے غریب یا تھا اور جملہ کے دستخط پر لگا تھا۔





## خطوط غالب مشہد غلام رسول تھہر

غلام رسول تھہر نے غالب کے تمام خطوط لکھا کر کے "خطوط غالب" کے نام سے ۱۹۵۷ء میں کتاب غزل لا بہر سے شائع کرائے۔ اس مجموعے میں مسکاتیب "غالب" اور "کاوش و غالب" کے خطوط شامل نہیں کیے گئے۔ غالب کے خطوط کا ایسا مجموعہ جس میں تقریباً سب خطوط شامل کر لیے گئے ہوں پہلی بار شائع ہوا۔

"خطوط غالب" کے اب تک کم سے کم تین ہی پینٹ شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک ہی پینٹ جو غالباً تیسرا ہے، نسخہ چپ میں پنجاب ہائی وائی "لاہور سے" میں شائع ہوا۔ طباعت کے اعتبار سے یہ پینٹ بہت صاف و صاف اور خوبصورت ہے۔

تھہر صاحب نے اس مجموعے میں ہر مکتوب الہ کے نام کے تمام خطوط آئینہ دار ترتیب دیے ہیں۔ مکتوب الہم کے حالات بھی ہیں لیکن ان کے حوالے نہیں ہیں۔ وہ گئے خطوط میں بہت سے ایسے واقعات کا ذکر ہے جنہیں عام قاری نہیں سمجھ سکتا تھا۔ تھہر صاحب نے حاشیے میں ایسے بہت سے واقعات کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

جن لوگوں نے مولانا تھہر کی دوسری تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے، وہ سمجھیں اس بیان کی تصدیق کریں گے کہ مولانا ایک بلند عالم تھے لیکن دماغ کے کیوں غالب کے خطوط کی ترتیب میں انہوں نے بہت لاہورانی بلکہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ مولانا نے مثنوی تحفہ کے کسی اصول کی پابندی نہیں کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے خطوط غالب کے نام لے کر کتاب کو دے دیے اور کتابت بڑھنے کا کام دوسروں سے لیا۔ میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک غالب کے خطوط کا کوئی مجموعہ اتنا غلط نہیں چھپا، جتنا کہ خطوط غالب ہے۔ متن کی حالت یہ ہے کہ کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے جس میں تن کی آٹھ دس سے کم لفظیاں ہوں صرف ایک مثالی دیا ہوں۔ نوادے سین مڑا کے نام غالب کے بارخط ادو سے مٹتی ہیں مثال تھے۔



ملک رام صاحب ہندوستان سے اپرے انجن کی غلطی سے اس کتاب پر مرثب کی حیثیت سے ملک رام صاحب کا نام چھپ گیا۔

ملک رام صاحب نے دوسرے ادیشن میں ملٹی ٹری پٹریز اور ان کے صاحبزادے غلطی عطا لطیف کے نام کے خطوط کا اضافہ کیا ہے۔

ملک رام صاحب نے مولوی ہمیش پرشاد کی تحفین کی برقی مبعوث کتابوں سے اختلاف کیا ہے اور کہ اسے غلطی کی تدریج حق کا تعین کیا ہے جن پر تاریخ جیسے تھی۔

### عود ہندی اور دوے سنی مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل

مسلما میں ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں ملک کا جشن منایا گیا اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ملک پر خاص تعداد میں کتابیں اور مضامین شائع ہوئے۔ بشرطہ اولیٰ نے ملک نمبر مرتب کیے۔ اس طرح ملک کے سوانح شخصیت و سیرت اور ملک کے سامعین بنانے والے دوستوں اور رشتہ داروں پر کافی مواد سامنے آ گیا۔ لیکن اس جشن کا ایک نقصان بھی ہوا اور وہ یہ کہ جشن سے کچھ عرصے پہلے ہی ملک پر کتابیں لکھنے یا ملک کی کتابیں مرتب کرنے کے پروگرام بنائے گئے۔ یوں کہ وقت کم تھا اور ہر حال میں ایک محدود مدت میں کام پورا کرنا تھا اس لیے جشن ملک کے موقع پر پہلے والی مبعوث کتابوں کا سبب نمبر اولیٰ ان تحفین اور مبعوث کا بہت بہت رہا۔ فاضل صاحب کی مرثب کی برقی "عود ہندی" اور "دوے سنی" کا شمار بھی ان میں سے ہے۔ اگرچہ ان کی مرتبہ "عود ہندی" مختلف میں شائع ہوئی تھی۔ فاضل صاحب کے ان دونوں کتابوں کے غور مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محلات کی (۱) پہلے سے اپنے کام کا خاکہ نہیں بنایا (۲) تنقیدی ادیشن تیار کرنے کے لیے باقاعدہ اصول نہیں بنائے۔ (۳) متن کی اصلاح پہلے سے طے نہیں کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی غلطی کی اصلاح دو طرح کی ہے (۴) متن کی ترتیب میں خاصی





کہے ہیں، مثلاً غور ہندو میں عاشقے میں یہ نہیں بتایا کہ متعلقہ خطا غور ہندی کے کس کس لاشعش کے کس صفحے پر ہے۔ جب کہ اردو سے متعلق میں ہر خط کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے۔ غور ہندی کے حاشیوں میں اصیانا، اپانی، وریل، متوسط، غشوش، اتھام اور زمرہ جیسے زمان غفلوں کے معنی دیے گئے ہیں۔ اردو سے متعلق میں بہت ہی کم الفاظ کے معنی دینے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ غور ہندی کے ان حاشیوں کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ بے در خواست نہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

غالب کے اکثر خطوط پر تدریجاً تحریر نہیں ہے۔ ناقص صاحب نے کوشش کی ہے کہ ہر خط پر تدریجاً تحریر ضرور دی۔ اپنی اس کوشش میں غفلت میں تدریجاً پاسد کھ کر اس طریقہ کے بیانات دینے پڑے ہیں۔ سب سے غیال میں غشوش کے وسط یا بعد کا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ اس خیال کی بنیاد کن دلائل پر ہے۔ ایک خط پر تدریجاً تحریر دی ہے "تحریر غشوش اور اس کے بارے میں لکھا ہے: "تقریباً وسط اکھڑ یا اس سے پہلے" اس غیال کی کوئی وجہ بیان نہیں کی گئی اور یہ بھی نہیں بتایا کہ سند کا معین کس بنیاد پر کیا گیا ہے۔ آگے کے ہم ایک خط پر "اردو سے متعلق" میں تدریجاً تحریر صرف "۲۷ فروری" ہے۔ ناقص صاحب نے اسے غشوش کا بتایا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ "اردو سے متعلق" میں تدریجاً موجود نہیں ہے۔ یہ نہیں بتایا کہ غشوش کہاں سے لایا گیا۔ ہم پتھر کے ہم کے خط کو غشوش کا بتایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ "صرف یکت سے تھین ہے۔" غشوش سے سنگھ کے نام کا خط ناقص صاحب غشوش کا بتاتے ہیں اور اس کے بارے میں حاشیہ میں لکھتے ہیں "پہلے حصے میں ایک خط ہے جو ۱۳ جنوری غشوش کو لکھا گیا ہے۔" لاناہ اس کے بعد ماہ بعد کا خط ہے۔

جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں کہ اس طرح کی تازہ کاری دینے سے چارے نکلا اور غالب پر کام کرنے والے محقق گمراہ ہو جاتے ہیں۔ وہ تدریجاً تحریر پر مجبور ہو کر کے بعض اہم نتائج اخذ کر لیتے ہیں اور حاشیہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ جب تک چارے پاس معقول دلائل

مذہبوں کی ریختہ تحریر ہرگز نہیں دینی ہوا ہے۔

لیکن ہمیں یہ کہ فاضل صاحب کو اختلاف ہو گیا ہو کہ تمام اصول فقہ کا مرتب کیا ہوا متن ملا نہیں ہے، پھر بھی اکثر فقہ کے متن کی قرأتیں اختلافات نسخ کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ان قرأتوں کا انتخاب کس بنیاد پر کیا گیا ہے، یہ نہیں بتایا گیا کیوں کہ اگر فقہ کے متن کے تمام اختلافات نسخ پر مبنی کیے جانے تو یقیناً ایک صلفی کی تین ہزار سطروں میں فاضل صاحب کا مرتبہ متن ہوتا اور باقی صلفی پر فقہ صاحب کے متن کے اختلافات نسخ۔

فاضل صاحب نے تاکہ کچھ تمام سطروں کے اشارے مرتب کر کے قائب پر کام کرنے والوں کی تھکن من کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ انھوں نے یہ کام ایسے لوگوں سے کرایا جو قائب کے دو ستر، اٹاگردوں اور عزیزوں سے قطعی واقف نہیں ہیں اور جن کا مبلغ علم میں بہت کم معلوم ہوتا ہے۔

اسٹور ایک ہی نام کے مختلف لوگوں کو یکساں کر دیا گیا ہے۔ مثلاً

محمول نماں - ۳۵۵ - ۵۰۰ - ۷۹۶ - ۸۸۹

ص ۵۰۰ پرچہ معمولی نماں کا ذکر ہے وہ مرزا عالم علی فقہ کے دوست ہیں۔

ص ۳۵۵ کے معمولی نماں، قائب مصطفیٰ نماں شیعہ کے لڑکے ہیں۔

ص ۷۹۶ کے معمولی نماں دہلی کے سہنے دے ہیں۔ اور

ص ۸۸۹ کے معمولی نماں کو مثال کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ فقہ کے نام

اس خط میں قائب لے یہ بتایا ہے کہ نام کے ساتھ خطابات کس طرح لکھے جاتے ہیں اور

محمول نماں کو مثال کے طور پر لیا ہے۔ اس لیے یہ نام اشارے میں نہیں آسکتا، جانی بہار مال بندہ

کو اشارے میں ملد انہوں سے الگ الگ خبرت کیا گیا ہے، ابو صاحب، جانی ہانگے وال بندہ،

جانی جی، اور بندہ، جانی ہانگے وال یہ کام وہی کر سکتا ہے میں نے خطوط قائب کا مطالعہ

ذکر کیا ہو۔ اس لیے ظاہر ہے کہ فاضل صاحب نے یہ کام کسی اور سے کرایا ہے۔

وہاں یہ ہیں اس طرح کی قسطوں انہی کثرت سے چل کر ہر انسان مگر وہ انہی ہوا ہے  
 "نمود ہندی کے رہا ہے میں فاضل صاحب نے خود اپنے کام کی داد دیتے ہوئے  
 لکھا ہے :

”جگہ پر کہتے ہیں کوئی باک نہیں کہ نمود ہندی کے اس نسخے سے پہلے کوئی لاٹینی  
 اس اہتمام سے مرتب و شائع نہیں ہوا۔ حال ان کہ اس کی اداسیت کے پیش نظر  
 اتنی بڑی غفلت میرٹ انگیز ہے۔“

پہلے یہاں سے تو نہیں، البتہ اس کے اتنی فقرے کے متعلق ہیں، اس لیے میں اس  
 فقرے کو ہرانا چاہتا ہوں :

”اس کی اداسیت کے پیش نظر اتنی بڑی غفلت میرٹ انگیز ہے۔“



# غالب کی اردو املا کی خصوصیات

دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کے تمام الفاظ ٹھیک اسی طرح لکھے جاتے ہوں جس طرح اُن کا تلفظ ادا کیا جاتا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ کسی بھی زبان کا ہم تلفظ اتنا مکمل نہیں ہوا کہ اس زبان کے صوتی نظام کو پوری طرح تحریری روپ دے سکے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اچرہ زبان میں ہر سطح پر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ تلفظ اور املا کے مقابلے میں تلفظ کی تبدیلی کی رفتار زیادہ تیز ہوتی ہے اس لیے اکثر الفاظ کے تلفظ اور املا میں مطابقت نہیں رہتی۔ وجہ یہ ہے کہ اچری زبانیاں بے اساتبات جب کسی زبان کا مطابقت کرتے ہیں تو وہ صورت بولی جانے والی زبان کو اپنی بنیاد بناتے ہیں، اُس کے تحریری روپ کو نہیں۔

تلفظ اور املا کے اس طرح کے اختلافات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں مختلف لوگ ایک تلفظ کا تلفظ مختلف طریقے سے کرتے ہیں لیکن لکھتے ایک ہی طرح ہیں اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک لفظ کو مختلف لوگ مختلف طریقے سے لکھتے ہیں لیکن اُن کا تلفظ ایک ہی کرتے ہیں۔

اردو دنیا کی اُن زبانوں میں سے ایک ہے جن میں املا اور تلفظ میں مدہر مطابقت کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس کے کئی لسانی اور تاریخی اسباب ہیں۔ پہلا سبب تو یہی ہے کہ اردو کے

صوتی نظام اور رسم الخط کا ارتقا ایک ساتھ نہیں ہوا، گھڑی بولی نے مکمل زبان بننے کے بعد فارسی رسم الخط کو اپنایا، اس لیے اردو کا صوتی نظام اور رسم الخط ایک دوسرے سے مکمل طور سے ہم آہنگ نہیں ہو سکے جو سراسر سبب ہے کہ اردو اور فارسی دونوں آریائی خانہ ان کی نہیں ہیں، لیکن دونوں کا صوتی نظام خاصا مختلف ہے، فارسی کی مخصوص آوازیں کو اردو میں کھنٹھٹھ نہیں تھا کیوں کہ اردو نے فارسی رسم الخط کو اپنایا تھا لیکن اردو کی کچھ مخصوص آوازیں ایسی ہیں جو فارسی میں نہیں ہیں جیسا کہ اکر اور نکوس آوازیں،

جی لوگوں کو پہلے ہر اردو کو تحریری روپ دینے کی ضرورت پڑی وہ عام طور سے صرف فارسی رسم الخط سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے اردو کے لیے فارسی رسم الخط کو اپنایا، کیوں کہ ان کے سامنے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا، اردو کی اکر اور نکوس آوازیں کو فارسی رسم الخط میں تحریری روپ دینے میں خاصی پیدائش ہوئی، ان آوازیں کے لیے ایسی تحریری علامتیں ایجاد کی گئیں جو صدیوں تک ارتقا کی منزلوں سے گزرتی رہی۔

تقریباً سولہویں صدی سے اردو میں نظم و نثر کی صورت میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ لیکن ابتدائی تین صدی تک اردو املا کے ارتقا کی رفتار بہت شست رہی، انیسویں صدی کے شروع کے ساتھ مشربزوں میں یعنی عہدِ فاتح میں اردو املا کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کیا جانے لگا، اور اردو املا میں سب سے زیادہ تہذیبیوں اسی عہد میں رونما ہوئیں، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ہندوستان میں پہلی قائم ہونے کی وجہ سے اردو کنہوں کی حالت کہ قدر خاص تیز ہو گئی، لوٹ و لیم کالج اور دینی کالج کی مطبوعات نے اس رفتار کو اور بھی تیز کر دیا، بیسویں صدی کے آغاز میں بھٹانوی حکومت کی انتظامیہ اور تعلیمی پالیسی کی وجہ سے اردو کو چارے تعلیمی نظام میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہو گئی، اس لیے اردو پڑھنے والوں کا عنصر بہت وسیع ہو گیا، اب اردو کو صرف شعروشاعری کی نہیں بلکہ روزمرہ کے

استعمال کی زبان بن گئی۔ زبان کا چلن بڑھنے کی وجہ سے اس کی املا پر بھی زیادہ غور کیا گیا۔ انتظامی امور کے سلسلے میں جب انگریزوں نے اردو کی تعلیم حاصل کر بطرہ واد کی توجہ دوا املا کی سید بندی کی ضرورت کو پہلے سے زیادہ محسوس کیا گیا ہوگا۔

قائب کے آخری زمانے میں اردو املا میں بعض اہم بنیادی تبدیلیاں ہوئیں۔ مثلاً مشکوٰی اور دیگر آثاروں کی علامتوں میں اقامہ کی پیدا کی گئی۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا اسی زمانے میں یاسے بھول اور یاسے ضرورت میں باقاعدہ تفریق قائم کی گئی۔

قائب ہی کے زمانے میں امیر جتانی نے اپنی کتابوں میں املا کا ایسا اہتمام کیا کہ ان کی ہر ایک نظر فائز کی سے اعجاز ہو جاتا ہے کہ اردو املا کی سید بندی کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مولانا آسٹن برہمروی نے املا کے مسائل پر غالباً پہلی بار باقاعدہ مضامین لکھے۔

اردو املا کی سید بندی کے سلسلے میں پہلی منظم کوشش انجمن ترقی اردو (پندرہویں) کی۔ انجمن نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی سربراہی میں ایک املا کمیٹی تشکیل دی۔ اس کمیٹی نے بہت سی سفارشات پیش کیں۔ جن میں سے کچھ چلن میں آئیں اور کچھ الٹی اردو کے لیے قابل قبول نہ ہوئیں۔ چند سال پہلے ترقی اردو بورڈ نے ایک املا کمیٹی بنائی۔ ڈاکٹر ماہد حسین اس کے صدر مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کی سفارشات ڈاکٹر گوپی چند بنگ نے مرتب کر کے شائع کیں۔ پچھلے پچاس برسوں میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولانا امتیاز علی خاں قرظی، ڈاکٹر فتح احمد قاضی، عبدالودود، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر گلنیاں چند جین، ڈاکٹر شوکت سبزواری، حیات اللہ، انصاری وغیرہ نے اردو املا پر خاصی تعداد میں مضامین لکھے۔

پاکستان میں ڈاکٹر نسیمان فتحپوری نے اردو املا اور رسم الخط کے نام سے اردو املا پر اور ہندوستان میں رشید من خاں نے "اردو املا" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

قائب کی اردو تحریروں میں پوائی املا بھی ملتی ہے۔ اردو تبدیلیاں بھی نظر آتی ہیں



## یہ بھول اور بے معروف

اردو کی قدیم اصطلاحات بے بھول اور بے معروف ہیں اس طرح لفظ نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ جدید اصطلاح کیا جاتا ہے۔ حاصل سمجھنے والا اس معاملے میں لفظ کی اصطلاح سے زیادہ فنی خوش فہمی کا خیال رکھتا تھا۔ اسی لیے یہ بے بھول کی جگہ بے معروف اور بے معروف کی جگہ بے بھول سمجھنا عام تھا۔ اس کا ایک بڑا نقصان یہ تھا کہ اکثر اوقات اردو کے قدیم معنوں میں یہ نہیں معلوم ہو پا کر معنی بعض الفاظ کا تلفظ کس طرح کرتا تھا اور کبھی کبھی ہیں اس کا بھی علم نہیں ہو پا کر معنی کسی مخصوص لفظ کو ذکر سمجھتا ہے یا سوچتا ہے۔

قائب کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ملی ہیں ان میں بے بھول اور بے معروف ہیں انہیں فرق نہیں کیا گیا۔ قائب کے زمانے میں ان دونوں میں تفریق مشروع ہو چکی تھی لیکن کچھ لوگ اس کی پابندی کرتے تھے اور کچھ لوگ نہیں۔ "عروج ہندی" اور "اردوئے معلیٰ" کے پہلے ادیبین تقریباً ایک ہی زمانے میں شائع ہوئے ہیں۔ "عروج ہندی" میں بے بھول اور بے معروف میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ جب کہ "اردوئے معلیٰ" میں اس فرق کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

## الفاظ کو ملا کر سمجھنے کا رجحان

قدیم اصطلاحات میں الفاظ کو ملا کر سمجھنے کا عام رجحان تھا۔ جب کہ جدید اصطلاحات کو سبکی کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ الفاظ کو الگ الگ سمجھا جائے۔ قائب اصطلاحات قدیم مدنی سے متاثر ہیں۔ ان کے اس الفاظ کو ملا کر سمجھنے کا رجحان بہت زیادہ ہے۔ چند الفاظ ملاحظہ ہوں :  
 نو بھابھ۔ بنگلہ صاحب۔ فیصلہ جج۔ ہندو دیکھا۔ نگرہوں۔ لکھا۔ جہاں بھابی۔ غولہ کو۔ دلجو  
 قدیم اصطلاحات میں ان کے "اردو" اس سے بھی فاکر "آئے" اور "آئے" سمجھتے تھے۔



کے لیے ہائے مخلوط کا استعمال کیا گیا۔ فاکتب کے عہد ہی میں ان آوازوں کے لیے ہائے مخلوط یعنی ”وٹھی“ اور ”اوا“ کی گنتی۔ فاکتب کے ہائے ”وٹھی“ اور ”اوا“ کا استعمال بہت ہی کم ہوا ہے۔ ان کی الاما میں اکر آوازوں کی مختلف شکلیں ملتی ہیں۔

اگر ہائے مخلوط لفظ کے شروع میں آتے تو فاکتب اس طرح لکھا کرتے ہیں،  
 بھوکا (بھوکا) بھادی (بھادی) کھانا (کھانا) گھر (گھر) تھوڑا (تھوڑا)  
 اگر ہائے مخلوط لفظ کے درمیان میں ہو،

رکھی (رکھی) اکھلا (اکھلا) پڑا (پڑھا) پڑا (پڑھا) آگئیں (آگئیں)  
 باقی (باقی) آخری لفظ میں اکر آواز کو بندشی آواز ”ت“ سے بدل دیا ہے  
 اگر اکر آواز لفظ کے آخر میں آتے تو اس کی مختلف شکلیں ملتی ہیں،

چڑھ (چڑھ) چڑھ (چڑھ) پانڈھ (پانڈھ) پڑھ (پڑھ) چڑھ (چڑھ)

کبھی ہائے مخلوط اور ہائے لختی دونوں کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً،

دیکھ (دیکھ) پتھ (پتھ) بھہ (بھہ) صاحبہ (صاحبہ) بھہ (بھہ) جگہ (جگہ)

بعض لفظوں کی املا اس طرح بھی کی ہے کہ لفظ کے آخر میں آنے والی ہائے مخلوط کو سادہ بندشی آوازوں سے بدل کر اس میں ہائے لختی کا اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً  
 بھ (بھ) تھ (تھ) بھ (بھ)

اور کبھی لفظ کے آخر میں آنے والی ہائے مخلوط کو صرف سادہ بندشی آوازوں سے بدل دیتے ہیں مثلاً

پٹھ (پٹھ) میرٹھ (میرٹھ) پٹھ (پٹھ)

## لفظ کے آخر میں الف یا ہ سے مختفی

قدسی میں ایسے الفاظ کی تعداد خاصی ہے، جن کے آخر میں لفظ الف (۔) کا ہے، لیکن ان میں ہ سے مختفی سے لکھتے ہیں، لیکن ہے، اے ان میں ہ سے مختفی اور الف کے لفظ میں فرق رہا ہو لیکن ہندوستان میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس لیے اردو میں قدسی کے کچھ ایسے الفاظ جن کے آخر میں اصلاً ہ سے مختفی یا ہ سے ملوث مختفی، الف سے لکھے جانے لگے اور بعض اردو الفاظ جن میں الف سے لکھا جا رہا ہے تھا، ہ سے مختفی سے لکھے جانے لگے اگرچہ اردو لکھنے والا اس طریقے کو اپنا لیتا تو پھر یہی الفاظ کچھ بوجھاتی، بوجھ کر کچھ لوگ تو ہ سے مختفی پر ختم ہونے والے قدسی الفاظ کو ہ سے مختفی سے لکھتے رہے اور کچھ نے الف سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح کچھ لوگوں نے بعض اردو الفاظ کو قدسی رسم الخط کے انداز پر ہ سے مختفی سے لکھنا شروع کر دیا۔

تاکب کے ہاں ایسے الفاظ کی اٹارک کثرت صورتیں ملتی ہیں۔ تاکب اردو کے بعض الفاظ کو الف ہی سے لکھتے ہیں مثلاً:

ہا۔ مہینا۔ بھروسا۔ کرا

لیکن بعض اردو الفاظ کو ہ سے مختفی یا ہ سے ملوث سے لکھتے ہیں مثلاً:

اللہ۔ پوریہ۔ راجہ۔ لکھتہ۔ ہرجہ۔ تھانہ۔ چوتراہ اور کیڑا

بعض قدسی الفاظ کو قدسی رسم الخط میں ان کی اٹارک کے برعکس تاکب الف سے لکھتے ہیں مثلاً:

بھاپے خدا۔ لاکا۔ نقشا دلیخو۔



ہے لفظی یا الف پر ختم ہونے والے الفاظ واحد محرف یا جمع قائم کی صورت میں

اور وہیں ہے لفظی اور الف پر ختم ہونے والے الفاظ کا تلفظ نگارسی اور عربی کے اس طرح کے الفاظ سے مختلف ہے۔ فارسی میں قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کسی میں زبان کا ہو، جب وہ واحد محرف یا جمع قائم کی صورت میں ہو تو لفظ کے آخر کا الف یا ہے لفظی یا ہے مہول سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ”قصیدہ“ واحد کی صورت میں آئے تو یوں لکھا جائے گا: ”میں نے قصیدہ لکھا“ لیکن اگر جمع کی صورت میں آئے تو اس کا تلفظ اور املا دونوں بدل جاتے ہیں اور اس طرح لکھا جاتا ہے ”میں نے قصیدے لکھے“ اسی طرح واحد محرف حالت میں ”کھلنے“ کو ”کھلنے“ کہیں گے۔ مثلاً ”میں کھلنے گیا“

قائب کی تحریروں میں ان الفاظ کی املا ان طریقوں سے ملتی ہے۔

۱۔ واحد محرف کی حالت میں ہاے لفظی پر ختم ہونے والے الفاظ

مجھے کے دن

اس رقعہ کو

ابر رحمت کے شکر میں

میرے مشاہدہ میں

قائب نے اس حالت میں انہاں لے، کھلنے اور ”قصیدے“ بھی لکھا ہے مگر بہت کم۔

۲۔ واحد محرف کی حالت میں ”الف“ پر ختم ہونے والے الفاظ قائب نے ہمیشہ

ہاے مہول سے لکھے ہیں مثلاً

کتاب پر دیجے آگئے۔

اب بڑھاپے میں کیا کروں۔

مجھے پر بیٹھا تھا

گزیرے کو کچھ تو چاہیے۔

۲۔ جمع قائم کی حالت میں اسے ملحق یا اسے ملحوظ پر ختم ہونے والے الفاظ میں لے لیئے گئے۔

میں نے قصیدے بھیجے۔

سو روپیہ وصول کرنے

اقلب لے اس حالت میں اکثر ”روپیہ“ اور کم تر ”روپیہ“ لکھا ہے۔ اس کے معنی قاعدے میں۔

۳۔ جمع قائم کی حالت میں الف پر ختم ہونے والے الفاظ چار لیئے ہوئے۔

تم نے کئی پتے لکھے۔

پہلے کی کتاب۔

اکیلے کچھ جاؤں۔

اس نمبر پر سے یا اندازہ ہوا ہے کہ جن الفاظ کے آخر میں اسے ملحق یا اسے ملحوظ یا الف ہوا ہے جمع قائم کی حالت میں قلاب نہیں یا اسے بھول سے لکھتے ہیں اور الف پر ختم ہونے والے الفاظ جب واحد محرف کی حالت میں آتے ہیں تب بھی قلاب انہیں یا اسے بھول سے لکھتے ہیں۔

لیکن اسے ملحق پر ختم ہونے والے الفاظ جب واحد محرف کی حالت میں ہوں تو قلاب عام طور سے ”ہ“ سے لکھتے ہیں

نون غنہ اور نون ساکن

قالب کے دانے تک عام رواج تھا کہ جن الفاظ کے آخر میں ”ن“ آتا ہوا پہلے ۵۵

نون نختہ ہوا ہے نون سکن، دونوں صورتوں میں نون نختہ سے بکھتے تھے۔ فاقب نے  
 بھی ایسے تمام الفاظ نون نختہ سے لکھے ہیں مثلاً  
 ہون۔ بین۔ وہاں۔ آؤں۔ نہیں۔ شایان۔ نگرہیں۔ کریں۔ لوگوں۔  
 فرمائیں۔ اٹھائیں وغیرہ

### بعض حروف کو ملا کر لکھنے کا رجحان

فاقب ایک ہی لفظ کے بعض ایسے حروف کو ملا کر لکھتے تھے جنہیں جدید الفاظ  
 فارسی طور پر الگ الگ لکھا جاتا ہے مثلاً  
 خو (دور) "و" اور "و" ملا کر  
 بہار (دہار) "ا" اور "و" ملا کر  
 مچھ "و" اور "و" ملا کر  
 زبیر (زیارہ) "ا" "و" اور "و" ملا کر  
 حار (حال) "ا" اور "ل" ملا کر  
 "ؤ" اور "ز"

فاقب کا دھونے تھا کہ فارسی میں "ز" نہیں ہے۔ اس لیے وہ تمام فارسی الفاظ  
 "ز" سے لکھتے تھے۔ گزشتن، گزاشتن، گزادوں اور پذیرفتن اور ان کے مشتقات مثلاً  
 گزشتہ، سہ گزشتہ، گزراگاہ، درگزر وغیرہ کو فاقب "ز" ہی سے لکھتے تھے۔ فاقب  
 "قزہ" کو، عربی لفظ ہے، "ز" ہی سے لکھتے تھے۔

### پانو اور گانو

لفظ کے تحت ہر سے "پانو" اور "گانو" کی صحیح الٹا "پانو" اور "گانو" ہے۔

نائب پیشہ "پانو" اور "گانو" نکھا کرتے تھے۔ قاضی عبدالجلیل جتوئی بریلوی نے "پاؤں" نکھو دیا تو ۲۲ لٹری سلسلہ کے خط میں نائب اعلیٰ تنہیہ کرتے ہیں "پاؤں کی یہ اعلیٰ قلعہ۔ پانو، گانو، چرانو۔ درست ہے" ہدیہ اعلیٰ میں ان الفاظ کی اعلیٰ پاؤں گکانوں اور چکانوں کی عام ہے۔

## سکھوسی آوازیں

ہوں کہ فارسی میں سکھوسی آوازیں نہیں ہیں اس لیے فارسی رسم الخط میں ان آوازوں کو تحریری روپ دینے میں خاصی پریشانی ہوئی۔ قدیم اردو اعلیٰ میں تمام سکھوسی آوازوں کے لیے قریب القریب آوازوں کے مسختے پر تین نقطے بنا دیا کرتے تھے۔ مثلاً

ت (ت) ٹ (ٹ) ٹھ (ٹھ)

ڈ (ڈ) ڈھ (ڈھ)

ڈ (ڈ) ڈھ (ڈھ)

پہلیں گورکھپوری نے "پتھاب میں اردو" میں لکھا ہے کہ گجرات میں پارسی صدی چھٹی کی ابتدا میں سکھوسی آوازوں پر عرب کی علامت "x" بنا دیتے تھے۔ مثلاً

ت (ت) ڈ (ڈ) ڈھ (ڈھ)

تین نقطے لگائے سے "ت" اور "ٹ" میں اشتباس ہوتا تھا۔ کیوں کہ دونوں میں تین

نقطے ہوتے تھے۔ اس لیے زبان ان نقطوں کی تعداد میں سے بڑھا کر چار کر دی گئی۔ نائب کی اعلیٰ میں چار نقطے بنے ہیں۔ لیکن نائب کچھ سکھوسی آوازوں پر چار نقطے لگاتے ہیں اور کچھ پر

"ط" لکھتے ہیں۔ مثلاً "ت" اور "ٹھ" پر چار نقطے لگاتے ہیں۔ لیکن "ڈ" "ڈھ" "ڈ" اور "ڈھ" پر "ط" لگاتے ہیں۔

## یاسے تھنائی اور ہمزہ

نائب نے مہرا ہر گہاں گفتہ کی ایک خارجی غزل پر اصناف دیکھتے ہوئے لکھا ہے :  
 یاد رکھو، یاسے تھنائی تین طرح پر ہے :  
 جزو کل :

(صورت) : ہمارے برسر مرغلان از آن شرف دارد

(صورت) : اے سر ہر نام تو عقل گرہ کشاے را

یہ ساری غزل اور مثلی اس کے جہاں یاسے تھنائی ہے، جو درست ہے۔ اس پر ہمزہ لکھ کر  
 گویا عقل کو گالی دینا ہے۔

دوسری تھنائی اصناف ہے صورت اصناف کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی نقل ہے :

مجھے "آساے چرخ" یا "آستناے قدیم" تو پہیلی، اصنافی، رباعی، کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ  
 نہیں چاہتا "خداے تو ظوم" "رہناے تو ظوم" یہ بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

تیسری دو طرح پر ہے : یاسے مصدی اور وہ مصروف ہوگی۔ دوسری طرح، تو محدود  
 تفکیر وہ بھول ہوگی۔ مثلاً مصدی، "استھنائی" یہاں ہمزہ ضرور، بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا  
 قصور، تو محدود آفتائے "یعنی ایک آفتا یا کوئی آفتا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے وہاں  
 کھاؤ گے۔ اور وہاں میں بھی نائب اس اصول کا پورا خیال رکھتے ہیں۔

چاہیے۔ لیے۔ دیے۔ کیے

یہاں سے نامنے میں عام طور سے لوگ بن القاف کو ہمزہ سے لکھتے ہیں لیکن بعض لوگ  
 بن القاف کو "ی" سے بھی لکھتے ہیں۔ نائب نے بن القاف میں "ہمزہ" اور "ی" دونوں ہی  
 استعمال کیے ہیں۔ وہ اس طرح لکھتے ہیں :

پہنچتے، کھینچتے، لپکتے، پھینکتے، دھبہ دھبہ

اس طرح کے غازی الفاظ میں بھی غائب نے ”ہمزہ“ اور ”ی“ دونوں کا استعمال  
کیا ہے مثلاً:

آنچہ۔ لایچہ۔ پانچہ۔ فزانچہ۔ طائر۔ اور جانچ۔ وغیرہ

فرمائیے

اس الفاظ میں غائب نے ”ہمزہ“ اور ”ی“ استعمال کیا ہے اور نتیجہ لگا کر اس طرح  
لکھا ہے، لکھا جاتا ہے۔

آئے۔ پائے۔ جائے۔ ہونے۔

اس باروں مضموں کو غائب نے کبھی ”ہمزہ“ سے اور کبھی بغیر ہمزہ کے لکھا ہے اور اگر اسے لکھا  
اور ”ہائے“ گا ”گو“ لکھا ہے تو ہمزہ کے بجائے ”ی“ سے اس طرح لکھا ہے،  
آہنگ۔ جہانگ۔

مویذ اور رؤسا

غائب نے ان دونوں الفاظ کو بغیر ہمزہ کے لکھا ہے۔

ایسے الفاظ جن کی املا غائب نے دو طرح کی ہے

ایسے الفاظ کی تعداد خاص ہے جن کی املا غائب نے دو طرح کی ہے مثلاً

دعاۃ اور دواۃ

نواۃ اور نواۃ

نکیر اور نکیر

مولانا اور مولانا

۱۱ اور ۱۲

ایک لفظ ایسا بھی ہے جس کی املا فاقب نے تین طرح کی ہے۔ وہ لفظ ہے ”ہاتھ“۔  
 فاقب نے ”ہاتھ“، ”ہاتھڑ“ اور ”ہاتھڑ“ تین طرح لکھا ہے۔

## بعض الفاظ کی املا اور اُن کا تلفظ

کسی بھی فن کی بنیاد پر اس کے مصنف کے تلفظ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہیں کہ  
 جیسا کہ شروع میں کہا گیا کہ عربی زبان میں الفاظ کے تلفظ اور اُن کی املا میں مطابقت ہو۔ فاقب  
 کی تحریروں میں بعض فقرات کی املا اس طرح کی گئی ہے کہ جن پر مشہم ہوتا ہے کہ فاقب اُن کا  
 تلفظ بھی اس طرح کرتے تھے۔ مگر جب اس معاملے میں یقین کے ساتھ کہہ نہیں کیا جاسکتا۔

## بوڑھا اور گاڑی

فاقب کی تحریروں میں یہ الفاظ اور خاص طور سے لفظ ”بوڑھا“ کثرت سے آئے ہیں۔  
 اور عام طور سے ان دونوں الفاظ کی املا ”بوڑھا“ اور ”گاڑی“ کی گئی ہے۔ لیکن کبھی کبھی  
 ”بوڑھا“ اور ”گاڑی“ بھی ملتے ہیں۔ لیکن ہے کہ فاقب ان الفاظ کا تلفظ اسی طرح کرتے  
 ہوں۔

گلو پٹیکو

فاقب نے ”گلو پٹیکو“ لکھا ہے۔ چون کہ یہ لفظ خطوطِ فاقب میں صرف ایک بار  
 ملتا ہے۔ اس لیے یہاں مشکل ہے کہ یہ سہو قلم ہے یا فاقب اسی طرح تلفظ کرتے تھے۔

## تڑپنا

قدیم اردو میں اس لفظ کا تلفظ "تڑپنا" ہے۔ فاقب بھی اسی تلفظ کو ترجیح دیتے تھے۔ قاضی عبدالجلیل جتوئی بریلوی کے ہم ایک لفظ میں فاقب نے لکھا ہے، "تڑپنا" ترجمت "تھپکنا" کا اطلاق ہے۔ "تڑپنا" اسے جلد سی اور نون کے درمیان اسے غلوٹا لفظ تصور ہے۔

## ڈھونڈنا

قدیم اردو میں اس لفظ کا تلفظ "ڈھونڈنا" ہے۔ اور فاقب کی خبروں میں اس لفظ کی ادا "ڈھونڈنا" ملتی ہے لیکن ہے وہ اس لفظ کا تلفظ اسی طرح کرتے ہیں۔

## سوچ

دلہا میں سچیں مصنفوں کو اختیار لے کا رجمان مام خدا آج بھی دل کی کرمنداری ہوتی ہیں لکھا اس "نہا نول" چچا "مام" فاقب نے ہر جگہ سوچ لکھا ہے۔ اگر کہیں "سوچ" لکھا ہے تو وہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ ایک جگہ فاقب نے "یو نے" کے بجائے "یو تھے" بھی لکھا ہے۔ ایک طبعی غلطی میں "نہا نول" ملتا ہے۔

فاقب نے بعض الفاظ کی ادا اپنے مہد کی مانج ادا سے اس طرح تلفظ کی ہے کہ ہم اسے لفظ ادا کہتے پر مجبور ہیں۔ الفاظ کی اس تلفظ ادا کو میں مصنف میں تقسیم کیا ہوا کرتا ہے۔ ایک تو وہ الفاظ جو فاقب کی اب تک کی دستخط خبروں میں غالباً صرف ایک بار آئے ہیں مثلاً،

سہرٹ (سورٹھا)



موسیں چار (موسیٰ چار) وغیرہ  
دوسرے ان الفاظ کی اٹا جو میرے نپال سے پہنچے ہیں۔ مثلاً،

پانچ ساخو (پانچ سات)

خرم (خرم)

دلی (دلہن)

گشتا تیں (گشتا تیں)

تیسرے وہ الفاظ جو قائب نے ایک سے زیادہ بار لکھے ہیں۔ اور جن سے پہلے میں دلتوں  
کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قائب کے اہن میں ان الفاظ کی اصلاح تھی مثلاً،

بالکل (بالکل)

بالکل (بالکل)

بالکل (بالکل)

# غالب کی زبان پر فارسی اثرات

## انگریزی الفاظ کا استعمال

یہ بات واضح ہے کہ اردو شعر فارسی کے ہر سلیب پر جان چڑھی اس لیے بہت دلی اثرات  
 نظریہ فارسی کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ فحوت ولیم کالج میں پہلی بار اردو شعر کو انگریزیت  
 کے ساتھ اقامہ طرہ اپنی حیثیت کو منوانے اور اپنی سٹیمت کراتے کا موقع ملا تھا ابتدا  
 میں فحوت ولیم کالج کے نظر نگاروں کا اردو نظریہ زیادہ اثر نہیں تھا، لیکن بعض سیاسی اور سماجی  
 حالات کی وجہ سے ہیں اردو شعر کا استعمال جتنا گیا اسے فارسی کے اثر سے آزاد ہوتی گئی  
 پچاس سالہ سال کی مدت میں سر سید، مولانا محمد حسین آزاد، مولوی ذکیر اللہ، مولانا طاف حسین  
 حالی اور ذوقی طرح اس کے انھوں نظریہ استعمال سے ہی اردو نے ایک نیا اور مکمل زبان کی  
 حیثیت حاصل کر لی۔

غالب کا زمانہ ان لوگوں سے کچھ پہلے کا ہے۔ جب غالب عمر کے آخری حصے میں تھے تو  
 وہ بگ لوج ان تھے۔ غالب نہایت ہی طرہ پر فارسی کے ادیب اور شاعر تھے۔ دوسرے لفظوں  
 میں غالب کی پہلی تعلیمی زبان فارسی تھی۔ اگرچہ غالب کی روز مرہ گفتگو کی زبان اردو تھی لیکن  
 جب وہ اردو میں شعر کہتے یا اردو شعر لکھتے تو ان کے ذہن پر فارسی کا خوضا بہت غلبہ ضرور  
 رہتا۔ انھوں نے اردو میں جو یہ لکھے اور تقریریں دیں وہ لکھی ہیں۔ ان پر فارسی کے خاھے گہرے

اثرات نظر آتے ہیں۔ لیکن اردو خطوط میں غائب کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ اردو مود کی زبان میں  
 باقی کرے۔ اس لیے اُن کے خطوط کی زبان بہت سادہ اور سلیس ہے۔ خطوط غائب کی  
 شرحِ قدسی کے اثرات ہیں۔ لیکن کم۔ غائب اردو وریا ہوں اور شعرِ خطوں کے مقابلے میں اردو  
 خطوط میں قدسی محاوروں ! ان کے اردو ترجموں اور قدسی دھڑکی کے ان الفاظ کا استعمال  
 بہت کم کرتے ہیں، جن کا اردو میں پلٹ نہیں ہوا تھا۔

یہ کہا مشکل ہے کہ غائب کے اردو خطوط میں جو قدسی محاورے اور نسبتا انجمنی قدسی و  
 عربی لفظ استعمال ہوتے ہیں، یہ پہلی بار غائب نے ہی استعمال کیے ہیں ! یہ اُن کے عہد کی اردو  
 شعر میں ہی مانج تھے اور بعد میں متروک ہو گئے۔ لیکن ہے کہ کچھ الفاظ اور محاورے مانج ہوں  
 اور کچھ غائب نے پہلی بار استعمال کیے ہوں۔ یہ ہوں اس مسئلے میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے  
 خطوط غائب اور عہد غائب کی اردو شعر کا سائن تجزیہ ضروری ہے ! یہ ظاہر ہے کہ آسان کام  
 نہیں ہے۔

محمد حسین آزاد اپنے عہد کی گروہ بندی کے شکار ہیں۔ وہ غائب کے نہیں، قادی کے  
 طرف دہ رہے۔ اس عہد میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غائب بڑا ہی  
 طور پر قدسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ آزاد کہتے ہیں :

تو صاحب کو اصلی شوق قدسی کی نظم و شعر کا تھا اور اس کیل کو اپنا طرز  
 سمجھتے تھے۔ لیکن چون کہ تصانیف ان کی اردو میں ہی لکھی ہیں اور میں طرز  
 امر اور نمونے اکبر آباد میں ملے، خاندان سے تائی اور مہارے قدسی ہیں،  
 اسی طرح اردو سے مٹی کے ٹکڑ ہیں۔

آزاد اپنے مخصوص انداز میں یہ کہتا چاہتے ہیں کہ غائب تو قدسی کے شاعر اور ادیب  
 ہیں اس لیے اردو کے شاعروں (یعنی قادی) سے اُن کا مقابلہ بے سود ہے۔ یہ یقیناً آزاد  
 کی زیادت ہے۔ اب غائب کے اردو خطوط کے بارے میں آزاد کی رائے واضح ہو گئی ہے۔

”ہذا (اسلام) خطوط کی عبادت لڑی ہے کہ گویا آپ سائنسے بیٹھے گلے اٹا کر

کہہ رہے ہیں مگر کیا کہیں کہ اُن کی باتیں بھی عامی فارسی کی غولی نما تراشوں اور

عمدہ ترکیبوں سے مزین ہوتی تھیں۔ بعض فقرے کم استعداد ہندوستانوں کے

کالوں کو نئے معلوم ہوں، تو وہ ہائیں۔ چلم کی کم دہائی کا سبب ہے کہ

یہ ٹھیک ہے کہ قائب کے اردو خطوط میں فارسی غظوں، فارسی ترکیبوں اور محاوروں

کا استعمال ہوا ہے، لیکن یہ استعمال اس طرح ہرگز نہیں ہوا کہ بعض فقرے، قلیل موقوفہ حسین

آواز کم استعداد ہندوستانوں کے کالوں کو نئے معلوم ہوں۔ قائب نے فارسی غظوں

اور ترکیبوں کا استعمال ایسی پرجوشی کے ساتھ کیا ہے کہ اُن سے نثر زیادہ موثر اور نیا محو مٹی

ہو گئی ہے۔

یہاں ایسے فارسی غظوں، ترکیبوں اور محاوروں کی نشان دہی کی جاتی ہے جو قائب

نے استعمال کیے ہیں لیکن جو پارسے عہد کی اولیٰ نثر میں استعمال نہیں ہوتے، اگرچہ مذہب

فہرستوں میں اس طرح کے الفاظ اب بھی مشمل ہیں۔

اردو نے بہت سے اسم فارسی اور عربی سے مستعار لیے ہیں لیکن ان کے ساتھ افعال

اردو کے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً ”کتاب پڑھی“، ”ختم کیا“، ”کاغذ بھٹا“ وغیرہ

قائب نے ایسے بعض فارسی اور عربی الفاظ کے ساتھ خود فارسی افعال کا ہی اردو

ترجمہ کر دیا ہے۔ اسی طرح بعض ایسے فارسی محاورے اور ترکیبیں بھی استعمال کی ہیں جو جدید

اردو میں مشمل نہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

”منشی نے بکس قندے خطا نہ کھئے کا بہت گلور کھئے ہیں“ گلور کھئے ہیں۔ گلور کھئے

کاروبار۔

جام مرزا ہر گول نقد ۱۵ نومبر ۱۳۳۷ھ

”منشی نے بکس کے ساتھ غول خالی کرنا اور ہم کو“ یاد نہ لانا۔ ”یاد نہ لانا“

”یا نہ آلودن“ کا ترجمہ۔

ہام منہا ہر گوہی نقۃ ۳ جوی مخطوط  
”میں شفقت کیجی کر، جو کہ کراہ کھاتا ہے، وہ کھ کر تم کو بھیج دیتا: شفقت  
کیونچہ۔ شفقت کشید“ کا ترجمہ۔

ہام نشی ہی سخن حقیر ۴۸ مدح مخطوط  
”دو مہم آہٹے ہیں، ایک مہم اصل ہے، کار ہے۔“ ”آہٹے ہیں“ ”آواز، آواز“  
کا ترجمہ۔

ہام اللہ اللہ لائق جزوم اکثر مخطوط  
”اگرچہ بارہ ہیں، لیکن مہم آ“ ”مہم آ“ ”مہم آدن“ کا ترجمہ۔  
ہام نشی لہام غوث حال ہے حقیر مخطوط  
”اگرچہ چوٹی والے گم نام اپنی شہرت کے لیے مجھ سے لاتے ہیں، وہاں وہاں  
اپنے نامور بننے کو سعی کرتے ہیں۔“ ”نامور بنانا۔“ ”نامور رہنا۔“  
کا ترجمہ۔

ہام لہاب میرزا بلا خاں ۵۱ مدح مخطوط  
”مدح وصول ہیں کیا۔“ ”وصول ہیں آنا۔“ ”مدح وصول وصول آدن“ کا ترجمہ۔  
لہام نام پد کے نام مخطوط میں متعدد ہ  
”مجھ کو توسل دینا۔“ ”یہ فقرو“ ”ہمیں سفید آدن“ کا ترجمہ۔

ہام نشی ہی سخن حقیر ۵۲ مدح مخطوط  
”کوئی بے وفائی بھی سرزد نہیں ہوتی، جو دستہ قدیم کو برہم مہم ہے۔“  
”برہم بنانا۔“ ”برہم آدن“ کا ترجمہ۔  
”ہم اس جگہ صورت کو دہرائیں صورت بکونا۔“ صورت گرفتن کا ترجمہ۔

”یا صاحب کے واسطے سیوا دل بہت جلا“۔ ”سیوا دل بہت جلا“ کو لم سونت“  
کا ترجمہ۔

بنام شفیق الدین احمد نقیر ۳ جنوری ۱۹۵۵ء  
”عظیم الدین کوں سے ادا کیا پیش رکھتا ہے“۔ ”پیشہ رکھتا“۔ ”پیشہ دانستن“  
کا ترجمہ۔

بنام شفیق الدین احمد نقیر ۳ جنوری ۱۹۵۵ء  
”اگر ناز میری خواہش کے موافق نقل قبول کرتا ہے، تو میں اسے جو کوئی آتا ہے  
”نقل قبول کر“۔ ”نقل قبول کروں“ کا ترجمہ۔

بنام محمد حری عبد القادر سید ۳ جنوری ۱۹۵۵ء  
”تہلے تنہا ادا ہے مری“۔ ”جائے کا میں نے بہت کم کھایا“۔ ”کم خوردن“ کا ترجمہ  
”بہدی دل مشتاق“۔ ”۳ جنوری ۱۹۵۵ء“  
”اب کم کوئی لازم آتا ہے“۔ ”وزم آج“۔ ”وزم آمدن“ کا ترجمہ۔

بنام مناجات گوئی غفر ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء  
”اب کہ ایسی مثالیں ملاحظہ ہوں جہاں غالب نے غزلی الفاظ کو غزلی مضموم میں ہی  
استعمال کیا ہے۔“

فرصت : غزلی میں ”موقع“، ”فراموش“، ”بہشت“، ”چمکلا“، ”نجات“ اور غزلی کے  
مضموم میں استعمال ہوا ہے۔ غالب نے یہ الفاظ کثرت سے، بہدی سے نجات دہانے کے مضموم  
میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً،

”میں غفر نے کہہ دیا کہ آپ کے انوشہ چشم کا کھاسا تھا، پھر ان کے ہی  
نصیحت کی دیانت ہوا کہ کچھ فرصت ہے۔“

بنام شفیق الدین احمد نقیر ۳۰ دسمبر ۱۹۵۵ء

مثلاً : فارسی میں یہ لفظ "سبب" اور "مقصد" دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اردو میں صرف مقصد کے مفہوم میں مشغول ہے۔ غالب نے یہ لفظ "سبب" کے مفہوم میں بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً :

• منقہ تشویش و اضطراب کا یہ ہے :

بہارِ مزا ہر گہاں نقہ ۲۸ اردو مشعل

تحقیق : نقی میں یہ لفظ "دوست" ، "نصیحتی" ، "یقین" ، "پہراں یمن" اور "ہدایت" وغیرہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں یہ لفظ صرف آخری دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب نے اسے فارسی معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ مثلاً :

یقین ہے کہ تم کو تحقیق مال معلوم ہوگا۔

بہارِ مزا ہر گہاں نقہ ۲۸ اردو مشعل

یعنی تم کو صحیح مال معلوم ہوگا۔

جربیدہ : فارسی میں اس لفظ کا مطلب "تہا" اور "کیلا" اور "ہالہ" ہے۔ غالب نے یہ لفظ "تہا" کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ مثلاً :

• جربیدہ پہیل فکاک آئیں گے :

بہارِ حسین مزا ۱۹ دسمبر ۱۹۵۹ء

وحشت : فارسی میں "سیدگی" ، "خوف سے ہرمان" ، "کندہ کشی اختیار کرنا" اور "سوا" اور "دیوانگی" کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں صرف "دیوانگی" کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب نے یہ لفظ "کندہ کشی" کے مفہوم میں بھی استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

• ہمراں وحشت کی وجہ کیا ، اگر کہا جائے کہ وحشت نہیں ہے تو اس کتاب اور فتویٰ کی سبب نہ لکھنے کی وجہ کیا :

بہارِ آفتاب یک شہر ۱۹۵۹ء

”خجور“ فارسی میں یہ لفظ ”جبار“ اور ”خمریجہ“ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب نے جبار کے مفہوم میں یہ لفظ اس طرح استعمال کیا ہے :

”ایسا نہ ہو کہ گرمی کی تاب نہ لائیں اور دوزخ دیکھ کر خجور پو جائیں :

توقف : فارسی میں ”دیر“ ”وقف“ اور ”صبر و تحمل“ ”رکنا“ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اردو میں یہ لفظ صرف ”دیر“ اور ”وقف“ کے معنوں میں مستعمل ہے۔ غالب نے صبر و تحمل کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ غالب نے لکھا ہے :

”گدا کی کو یہی اتنا توقف نہیں کہ وہاں سے وہاں منگوا کر، نقلی اقرار کر

لیجے دیں“

سیاست : فارسی میں ”مکلی“ ”اختلام“ اور ”سزا“ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں صرف ”مکلی“ ”اختلام“ کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ غالب نے یہ لفظ ”سزا“ کے معنی میں اس طرح استعمال کیا ہے۔

”خبرم سیاست پاستے پاستے ہاتھ ہیں :

مسترد : فارسی میں یہ لفظ ”واپس کرنا“ اور ”موکنا“ دونوں معنوں میں مستعمل ہے۔ اردو میں صرف ”موکنا“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ غالب اسے ”واپس کرنے“ کے مفہوم میں اس طرح استعمال کرتے ہیں :

”ہیں نے اصلاح دینے سے انکھ کیا اور اشعار مسترد کر دیے“

بنام شمس الملک چند ۱۳ مئی ۱۸۸۷ء

چھوڑو : غالب نے یہ لفظ ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ ”جو غم تم کو ہے وہی غم مجھے بھی ہے“ فارسی میں یہ لفظ ”غم خواہ“ اور ”دکھ درد میں ساتھ دینے والے“ کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اردو میں دوسرے معنوں میں مستعمل ہے۔

غالب کی ایک بھوپری کا انتقال ہو گیا۔ اس سے کچھ عرصے پہلے غلطی نبی بخش خیر کے



جی کسی درشتہ دل کا احوال رہا تھا۔ نقاب نے ظہیر کو اپنی بھوگی کی وفات کی اطلاع ان الفاظ میں دی:

”میں جی تمہارا دوست ہو گیا۔ یعنی منگل کے دن ۱۸ بیچ لاول کو شام کے وقت  
۵۵ بھوگی کو میں نے کہیں سے آج تک اس کو ماں بچھا تھا۔۔۔۔۔ مر گئی؟

یام منگل اپنی کشش مظہر ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء

تباہت: ”قدسی میں اس لفظ کے کئی معنی ہیں، ”برائی“ ”غلاب“ ”وقت“ ”ہو“ ”منگل“  
کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ نقاب نے اسے قدسی کے اس مفہوم میں جی استعمال کیا ہے،  
جوا دو میں متعلق نہیں ہے۔ سمجھتے ہیں،  
”ایک شعر کی تباہت تم پر ظاہر کرنے میں؟

یام مڑا ہر گاہی نقبہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء

ہرزہ: ”ہذا لفظ ہرزہ بھرا کر ہے“

یام مڑا ہر گاہی نقبہ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء

بے سرو پا: نقاب نے یہ لفظ ”بے ساز و سامان“ اور ”تباہ حال“ کے مفہوم میں اس  
طرح استعمال کیا ہے،

”بے سرو پا وہاں پہنچا، امیر بن گیا“

سہاک ۲۰ جون ۱۹۵۷ء

منکر: اردو میں ”منکر“ کے مفہوم میں متعلق ہے۔ نقاب نے یہ لفظ شعر ہوا خردوں  
میں مشابہ کے معنوں میں جی استعمال کیا ہے۔ نقاب کا شہر شعر ہے،  
”کہے کس مسند سے جاؤ گے نقاب  
مسند تم کو نگر نہیں آتی

نثر میں نقاب سمجھتے ہیں،

”حضرت نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے کہ ان بارہ غلوں کی اصلاح میں کلام غوثی  
مطلوب ہے۔ اگلی غلوں کی طرح نہ ہوں۔ مگر اگلی غلوں کی اصلاح پسند  
نہیں آتی۔“

بنام محمد علی خاں قلم ۳ دسمبر ۱۳۳۵ھ

احیاء اردو میں ”دوبارہ زندہ کرنے“ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ فارسی میں  
”ی“ کی جگہ ”آ“ آہا۔ ”زندہ لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نقاب نے دوسرے مفہوم  
میں بھی استعمال کیا ہے۔

”دعا لکھا ہوں کہ اب ان احیاء میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے؟“

بنام حکیم غلام نبوت خاں ۱۰ اپریل ۱۳۳۵ھ

علاقہ ۱۰ یہ لفظ اردو میں دلی لگاؤ، مزمین اور جہڑا فحاشی حوالے وغیرہ کے لیے استعمال  
ہوتا ہے۔ فارسی میں یہ لفظ نوکری اور ملازمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ نقاب نے  
اس مفہوم میں بھی استعمال کیا ہے مثلاً

”مجھ کو نگہبانی کی ہے کہ اسی علاقے میں تم بھی سٹال ہو۔“

بنام مہتاب مرگواں نقاب ۲۸ اپریل ۱۳۳۵ھ

نقاب نے اردو میں فارسی اور عربی کے ایسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو اردو میں  
مستعمل نہیں ہیں مثلاً،  
”اومان“ ”ہستی“ ”یقین“

”اومان“ ہے جو امر کرنا بھی غلطی کے ساتھ ہوگا۔“

بنام حکیم غلام نبوت خاں ۲۸ دسمبر ۱۳۳۵ھ

”مگر ذات“ ”ہستی“ ”اومان“

”خطا کے پہنچنے سے اہل برکت پوری اگر گزرت نہیں تو کہا ہے۔“

بنام عبدالرزاق مگر قبل سے

جدید اردو میں نکات و گزات مستعمل ہے۔

”رب“ پر معنی ”نیک“

”اس میں کیا رب ہے۔“

بنام علامہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

”رنگ“ پر معنی ”تغیر“، غالب نے اس لفظ کا استعمال بہت کیا ہے،

”آپ کے خط کا جواب لکھنے میں رنگ اس واسطے ہوا۔“

بنام سیدہ الدین احمد کاشف ۳۲ مئی ۱۹۹۷ء

”آئین“ پر معنی ”محفوظ“

”ہر ایسا آئین جی نہیں ہوتا“

بنام میر ہدیٰ بھگوان ہفتم فروری ۱۹۹۷ء

”بھل“ پر معنی ”سات کرنا“

ایک ظالم پانی پست، انصاروں کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا، مگر میں نے اس

کو بھل کر دیا۔

بنام میر ہدیٰ بھگوان ۷ مارچ ۱۹۹۷ء

”کون“ پر معنی ”تغیر“ ”وجود میں آنا“

”کھلو کی ویرانی پر دلی ہلکا ہے، مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فلاں کے

ایک کون ہوگا، یعنی راہیں وسیع ہو جائیں گی؟“

بنام میاں داد خاں شکیب ۱۱ جون ۱۹۹۷ء

”انفراد“ پر معنی ”تنہا“ ”ایلی“

”یہاں جتنا بہ انفراد بہ رہا ہے۔“

بنام افراتودہ شفق ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء

"استطلاح" پر مبنی - "طرح"

"قابل" پر مبنی ہے۔ اُس کا استطلاح منظر ہے۔

بنام عطا والدین خاص حکامی ۳۱ جون ۱۹۳۷ء

"مجموع" پر مبنی - "مجم"

"ایک ہیں، اُس کی مجموع اعداد وہاں"

بنام مستعد بگڑی ۲۲ فروری ۱۹۳۷ء

"زائت" پر مبنی - "فعلی"

"ہر موقع پر عطا اور زائت مولوت کا اشارہ کر دیں گا۔"

بنام میر نظام حسین تقد بگڑی ۱۸۶۵ء

"بیشیطن" پر مبنی - "باطل کرنے والا" - "لغظ ثابت کرنے والا"

"اور انت خون مالیہ کے وجود کا شیطانی تو نہیں ہوا۔"

بنام مولوی ضیاء الدین خاص حکامی ۱۹۳۷ء

"مظنون" پر مبنی - "مشبہ ہیں"

"آگے سے کہیں کا منگوا لے، رسولِ قیمت مظنون ہے۔"

بنام منوہر گوپال تلک ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء

"کتاب بھی آگے اور بھی پھرے فقرے نازی کے نکلے جاتے ہیں۔ ہندوستانی

لاحظہ ہیں۔"

"سراغِ فصل میں ایسے غمراہے ہٹیں جس کا پہنچنا نوید ہزار گونہ میست

اور شادمان ہے۔"

بنام قاضی عبدالجلیل جڑان

”اتحاد اسی دلیل پر دست بردھائی ہے؟“

بنام عبدالرزاق مستنکر

”اور وہ امر بعد تمجید مطرط کے موجب نشاناً مطرط ہوگا؟“

بنام مزاحیر گوپال تلقتہ ۱۹ اپریل ۱۹۵۷ء

”صریر قلم ہائیں کے شبیوں کا خروش ہے؟“

بنام میر نظام پانا خاں ۶ ستمبر ۱۹۶۳ء

”بہ سبب استعمال ادویہ عازہ کو اس مرض میں اس سے گریز نہیں؟“

بنام ششی بی بھٹی حکیم

”میں کہتی ہیں آئی، وہ مقصدی تحریر قواعد انشا ہو گیا؟“

بنام نوالی ضیا الدین خاں ضیا دلچسپی ۱۹۵۷ء

”نائب کبھی کبھی فارسی کی پوری ترکیب استعمال کرتے ہیں۔ چند دن میں غلط ہیں؟“

”ایک مطرحہ جرم زہی نہیں تھا۔“

بنام طارق الدین خاں طائی

”آفتاب سرگودہ ہیں۔“

بنام جاہر سینگہ جہلم ۹ اپریل ۱۹۵۷ء

”میں خود اس مثنوی کے واسطے نہیں درج کر رہی ہوں۔“

بنام چودھری عبدالغفور سہتہ

”کیا جنگو نہیں کن اتفاق ہے؟“

بنام نواب میر نظام پانا خاں ۶ ستمبر ۱۹۶۳ء

”منتشر نہیں کیا، مگر یہ کہ بہ طریق نوشادہ طریب سے رجوع کی؟“

۱۹۵۷ء

بنام طارق الدین خاں طائی

”فرما ٹھٹ سے سرور پیش ہو کر قصیدے کو اس الفاظ میں بھیجا ہوں۔“  
 بنام افرالدولہ شلیق ۲۵ اگست ۱۸۵۷ء  
 ”اسنے اپنے روح میں یہ سفر نامہ کو لکھا۔“  
 بنام افرالدولہ شلیق

### انگریزی الفاظ کا تلفظ، املا اور اردو ترجمہ

ہندوستان پر انگریزوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے ہندوستانوں کے بے انگریزی  
 نہیں رہاں نہیں رہی تھی۔ دلی کالج میں انگریزی ایک مضامین کی طبیعت سے پڑھائی جا رہی  
 تھی اس کی وجہ سے ہندوستانوں میں انگریزی وہاں ملکہ پیدا ہو چکا تھا۔ ان الفاظ کی سطح پر  
 انگریزی سے الفاظ مستعار لینے کا عمل بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ان الفاظ اور اردو انہماؤں  
 میں انگریزی الفاظ اور اصطلاحوں کا استعمال عام تھا۔ انگریزی الفاظ کا اردو میں ترجمہ  
 کر دیا گیا تھا۔ لیکن بیشتر انگریزی الفاظ اردو میں بے بے گئے۔ ان مستعار الفاظ میں صوتی  
 سطح پر بہت سی تبدیلیاں بھی وجود میں آئیں۔

نائب کے انگریزوں سے بہت گہرے موسم تھے۔ انگریزوں میں نائب کے کٹ گرد  
 مستند دوست امداد اور ممدوع سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ انہیں کے مقصد کی وجہ سے  
 ندوگی بھر نائب کی بھانوی حکومت سے وابستہ رہی۔ ان خطوط کا مسودہ عام طور سے  
 نائب قادی میں لکھتے اور انگریزی میں ترجمہ کر کے بھیجتے۔

نائب نے قادی امداد و نظم و مشردوں میں خاص خصوصی تباد میں انگریزی الفاظ  
 اور بعض انگریزی الفاظ کے اردو ترجموں کا بے تکلف استعمال کیا ہے۔ یہ بنا تو ممکن نہیں کہ  
 نائب انگریزی الفاظ کو کس طرح کرتے تھے۔ ہاں ان الفاظ کی املا نائب کیس طرح  
 کرتے تھے اس سے تلفظ کا تصور بہت امدادہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلے تو انگریزی الفاظ کے وہ اردو ترجمے ملاحظہ ہوں، جو ناکب نے استعمال کیے ہیں، یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ ترجمے خود ناکب نے کیے تھے یا اُس عہد میں دینی تھے۔

Telegram تلمرہی، تلمارہی

Steamer دھاتی جہاز

Match انگریزی دوا سلاقی

Martial Law جرنیلی بندوبست

Governor-General حاکم اکبر

Reply Post Card اولیٰ خط پوسٹ پیڈ

Photograph آئینہ کی تصویر، عکس کی تصویر

Post-master-General پراسٹ ماسٹر

Division کشتری

Registered Letter رجسٹریڈ لٹر

نائب نے بعض انگریزی الفاظ کی ایسا اس طرح کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناکب ان الفاظ کا تلفظ، صرف یہ تلفظ سے بہت تلفظ کرتے تھے،

Lord لارڈ

Town Duty پان ٹوٹی

Secretary سکریٹری، سکریٹری

Government گورنمنٹ

Liquor لیکور

Brigadier بریگیڈیئر

Barrack بارک

Pension پنشن

Camp کیمپ

Tiffin ٹیفن

Report رپورٹ

Council کونسل

بعض الفاظ میں جو صوتی تبدیلی نظر آتی ہے، وہ آٹھ تک برقرار ہے۔ مثلاً :

Collectorate کلکٹری

Registered رجسٹری

Box بکس

Hospital اسپتال

لیکن بعض انگریزی الفاظ کی جو اسلاف اب لے کی ہے، وہ اردو کے بے قابی قبول نہیں دی۔ مثلاً :

Agent ایجنٹ

Number نمبر

Stamp اسٹامپ

Cheque چیک

Certificate سادق نامت

Station اسٹیشن

Resident رسیڈنٹ

اب وہ انگریزی الفاظ ملاحظہ ہوں۔ جن کی اسلاف آج بھی تقریباً دی ہے، جو فاکس کی ضرورت میں آتی ہے :



Ticket	تکٹ
Doctor	ڈاکٹر
Agreement	اگرینٹ (معاہدہ یا گزرت بھی کہلاتا ہے)
Income Tax	انکم ٹیکس
Parcel	پارسل
Deputy	ڈپٹی
	پوسٹ پیو

## غائب کے اردو خطوط کی مجموعی تعداد

خطوط کی تعداد	مکتوب الیہ
۱۲۳	۱ مہزا میر گوہاں لکھنؤ
۷۶	۲ نواب کلب علی خاں
۷۱	۳ لکھی پری بھٹی عظیم
۵۷	۴ نواب طہ الدین خاں ملتان
۵۰	۵ میوہدی مجروح
۴۰	۶ نواب یوسف علی خاں ہاشمی
۳۶	۷ ملتی مشیر لائن آباد
۳۵	۸ میاں دلا خاں سیاح
۳۰	۹ قاضی عبدالحمید جٹوٹی
۲۷	۱۰ چودھری عبدالغفور سرحد
۲۵	۱۱ خواجہ نظام ٹوٹ خاں بے خبر
۲۳	۱۲ حکیم نظام جمع خاں
۲۲	۱۳ میر نظام حسین قندہار
۲۰	۱۴ نواب انور الدین سید الدین خاں لکھنؤ
۱۶	۱۵ مہزا عظیم علی قہر
۱۶	۱۶ صہیب اللہ راکا

۱۴	نواب یوسف مرزا	۱۴
۱۵	حکیم سید احمد حسن نورودی	۱۵
۱۵	نواب میر نظام خان	۱۵
۱۵	عبدالرزاق شکر	۱۵
۱۵	مرزا شهاب الدین احمد خان ناکب	۱۵
۸	نواب امین الدین احمد خان	۲۲
۷	منشی بیل چند سنگی	۲۳
۶	سید لڑندا احمد متقی لکڑی	۲۳
۶	ذوالفقار الدین سید خان عرف حسین مرزا	۲۵
۶	صاحب عالم مار پروی	۲۶
۵	نواب میر ابراہیم علی خان وٹکا	۲۷
۵	سید بدیع الدین احمد کاشف المعروف بہ نقیر صاحب	۲۸
۵	ماستر بیاضے ڈال آکٹوب	۲۹
۵	شاہزادہ بشیر الدین قونیجی	۳۰
۴	نور حسین خان	۳۱
۴	مولوی نیران احمد	۳۲
۴	جوہر سنگھ جوہر	۳۳
۴	شاہ عالم مار پروی	۳۴
۴	مرزا یوسف علی خان غریز	۳۵
۴	میر انضول علی عرف میری صاحب	۳۶
۴	مرزا اقر علی خان کاکل	۳۷

۳۸	مولوی شہید الدین خاں ضیا	۳
۳۹	نشی عبد اللطیف	۳
۴۰	نشی نول کشمر	۴
۴۱	نشی ہیر سنگھ	۴
۴۲	ہر گوہر سہلے نشاطا	۳
۴۳	مہزا قربان علی بیگ خاں سالک	۴
۴۴	مہزا امشاد علی بیگ خاں رتھواں	۴
۴۵	میر محمد حسین بیگ	۴
۴۶	میر سرفراز حسین	۳
۴۷	سید سہاد مرزا	۲
۴۸	نواب بنی العابدی خاں عرف کفن مہاں	۲
۴۹	عباس علی خاں بیتاب نام پوری	۳
۵۰	میر داہت علی	۲
۵۱	محمد نعیم الحق آزاد	۳
۵۲	نہت علی خاں	۳
۵۳	داہت علی داہت و غوجہ صلی پوری	۲
۵۴	مردان علی خاں رتھا	۲
۵۵	مولوی احمد حسن خاں قنوجی	۳
۵۶	احمد حسین مینا مرزا پوری	۳
۵۷	بہدی لال مسقہانی	۳
۵۸	محمد حسن صدقہ صدر	۱

۵۹	قاضی محمد نور الدین حسین خاکی
۶۰	میر بنده علی خاں عرف مرزا میر
۶۱	قلی سخاوت حسین
۶۲	مہدایا سردار سنگھ دالہ بیکانیر
۶۳	ملتی مہد محمد عباس
۶۴	مرزا عباس بیگ
۶۵	مولوی عبد الغفور لاسا
۶۶	مولوی عزیز الدین عزیز و صادقی
۶۷	نفضل حسین خاں
۶۸	مرزا محمد زکریا زکی
۶۹	حکیم غلام رضا خاں
۷۰	قلی کیول داس ہشتیار
۷۱	مولوی کرامت علی
۷۲	مرزا رحیم بیگ
۷۳	شاہ فرزند علی صوکی سنیری
۷۴	قلی محمد با رحیم خلیل
۷۵	فرزانی میر غی
۷۶	محمد مرزا
۷۷	مرزا امیر الدین احمد خاں فرہ مرزا
۷۸	نواب مصطفیٰ خاں بہادر لکھنؤ
۷۹	حکیم غلام مرتضیٰ خاں

- ۸۰ شیخ طیف احمد بکرائی
- ۸۱ مظہر علی احمد عبداللہ
- ۸۲ نواب ضیاء الدین احمد خاں تیسر، رعشاں
- ۸۳ حکیم خیر الدین احمد خاں
- ۸۴ غنی غلام مبہم اللہ
- ۸۵ خیر الدین کی طرف سے اُن کے چچا کے نام
- ۸۶ حکیم حبیب علی
- ۸۷ محمد حسین خاں
- ۸۸ شیخ احمد علی احمد رام پوری
- ۸۹ محمد امیر
- ۹۰ سید محمود کرا خاں زکی دہلوی
- ۹۱ بنام ماسلوم۔ (خط کا آغاز۔ نام و دار بنام عز مسعود لایا)۔
- ۹۲ بنام ماسلوم۔ (خط کا آغاز۔ وہ عرضی کا کاغذ، افشاں کیا ہوا، اور عرضی کا مسودہ میں لے لال جنگل کشہ کو پر سول سے دیا ہے)۔
- ۹۳ بنام ماسلوم۔ (خط کا آغاز۔ جناب عالی! یہ خط بھی پھر سے آج کے نام آیا ہے)۔
- ۹۴ بنام ماسلوم۔ (خط کا آغاز۔ حضرت میرا حال کیا ہے مجھے جو ۹)۔
- کل تعداد ۸۷۳



خطوطِ غالب کا تنقیدی مطالعہ





## غالب سے قبل اردو کا نثری سرمایہ اور مکتوب نگاری کا آغاز

اس عنوان کے تحت اردو کے اُس نثری سرمایے کا جائزہ لیا مقصود ہے جو غالب کی اردو مکتوب نگاری سے قبل وجود میں آچکا تھا۔

ایسویں صدی شروع ہونے سے قبل اردو میں تہذیب، سوادِ ذہن اور تعلیمی عظیم المرتبت شاعر پیدا ہو چکے تھے زبان اور فن دونوں ہی اعتبار سے اردو شاعری پختگی حاصل کر چکی تھی۔ اردو کی بہترین کلاسیکی شاعری کا بڑا حصہ تخلیق ہو چکا تھا۔ لیکن نثر ابھی تک کم پایہ اور کچی حالت میں تھی۔

اردو نثر کے ابتدائی نمونے پندرہویں صدی سے لے کر شروع ہوتے ہیں۔ ایسویں صدی تک چار صدیاں ہوتی ہیں۔ اگر اس طویل عرصے میں کبھی جانے والی اُن نثری کتابوں کی فہرست مرتب کی جائے، جو خطوط کی شکل میں ہیں دستیاب ہوتی ہیں تو بہت کھینچ ناک کے بعد بھی پوری فہرست بھیجی نہیں کیا جاسکتی۔ اس کا اسکاں ہے کہ اردو نثر کے کچھ خطوط دست برد زمانہ کی خدمت ہو گئے ہوں، تو اس فہرست میں چند سببوں کی بنا پر اور اضافہ کر دیجئے۔ سب کتابیں انصاف، مذہب اور اخلاقیات کے موضوع پر ہیں یا ان میں سے کچھ داستانیں ہیں۔ اردو کا نثری سرمایہ دوسری زبانوں اور خاص طور پر فارسی سے ترجمہ یا ماخوذ ہے۔

میں ایک فارسی ہندوستان میں ایک طاقتور مرکزی حکومت کی زبان رہی تھی۔ اس مرکزی حکومت کے تحت تمام علاقوں میں سرکاری زبان بھی فارسی ہی رہی۔ چونکہ مرکز اور

اُس کے تحت تمام علاقوں میں سرکاری سطح پر فارسی کا چلن تھا۔ اس لیے اہلِ طبقت کے سمجھنے چُسنے کی زبان فارسی ہی تھی۔ اس طبقت میں وہ افراد بھی تھے جو ایران اور خلیفہ السان سے خود آئے تھے یا جن کے آباؤ اجداد ان مقامات سے ہندوستان آئے تھے اور وہ ہندوستانی بھی جنہوں نے اہلِ ملازمین حاصل کرنے کے لیے فارسی پر قدرت حاصل کر لی تھی اُعلیٰ طور پر اس طبقت کی شعور ادب کی زبان بھی فارسی ہی رہی۔ سرکاری اور ہونی مقاصد کے لیے فارسی کے استعمال نے مقامی زبانوں اور بولیوں کو زبردہ پہنچے کا موقع نہیں دیا۔ صوفیوں اور سنیوں نے اپنے سکک کی پہنچا کے لیے مقامی زبانوں کا استعمال شروع کیا لیکن اس کا اثر ایک مخصوص طبقے تک ہی محدود رہا۔

مرکزی حکومت کے کمرہ ہونے سے مختلف علاقوں کی تہذیبی و ثقافتی قدروں اور مقامی زبانوں کو اثراتی کا موقع ملا۔ علاقائی وجود میں آنے والے شخص کی تلاش میں اُن علاقائی خصوصیات نے شروع حاصل کرنا شروع کیا جنہیں فارسی اور ایرانی ذوقِ جمال نے اُبھرے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اہلِ علموں کا نظام شروع ہونے ہی ہندوستان کی اہلِ مقامی زبانوں کا وہ اتفاقاً شروع ہو گیا جو کالی عرصے سے چل رہا تھا۔ اردو بھی ان زبانوں میں سے ایک تھی۔

اردو کا علاقہ دی تھا۔ جس پر صدیوں تک فارسی نے حکومت کی تھی۔ اردو کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکل تھی اور کھڑی بولی دہلی اور اس کے آس پاس بولے جانے والی بولی تھی۔ فارسی اور عربی کے بے شمار الفاظ اردو میں داخل ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو کو فارسی کی بہت سی ایسی آوازیں اپنائی پڑیں جو اردو میں انہیں نہیں ملندہ کو پہلی بار تحریری روپ اُن لوگوں نے دیا جو عام طور سے فارسی کے علاوہ اور کوئی دو سہرازم الخط نہیں جانتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ فارسی دہم الخط اپنانے پر مجبور تھے۔

اردو کو فارسی سے بہت قریب پہنچنے کا موقع ملا تھا۔ شمالی ہند میں ادویشاگری کا

آئندہ اس طرح ہوا تھا کہ ایک مصرع فارسی کا ہوتا اور دوسرا اردو کا یا آدھا مصرع فارسی کا اور آدھا اردو کا یا "حرف و فعل" فارسی کے ہوتے۔ مختصر سے عرض ہے میں اردو زبان اور شاعری کو اپنی کاوش کی فراہم اس طرح آئندہ گیا کہ اردو میں تیرہ، تہذیب اور عقائد جیسے بلند مرتبہ شاعریوں کی آواز ہی گونجنے لگیں۔ اگرچہ اردو شاعری نے اصناف سخن، شعری روایات، اظہار کے پہلوئے بے شمار الفاظ، تشبیہات و استعارات، تمثیلات، روایات، تعلیمی اور بہت سے مدافعی شعری مضامین فارسی سے مستعار لیے لیکن بہت جلد اس نے خود کو فارسی سے آزاد کر کے ایک باقاعدہ زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔

اٹھارویں صدی کی آخری چند دہائیوں میں دنیا کی ایک ترقی یافتہ زبان یعنی انگریزی نے ہندوستان کے ساری منظر نامے میں اپنے وجود کا احساس دلانا شروع کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ سولہویں صدی میں یورپ کے مختلف ممالک سے ہندوستان کے تہذیبی تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ تہذیبی کہنیاں جب ہندوستان آئیں تو ہندوستانی عوام سے رابطے کے لیے کہیں سے متعلق بعض افراد کو اردو سیکھنی پڑی۔ ان کہنیوں میں کچھ ایسے افراد بھی ہوئے جو اردو اور ہندوستان کی بعض تاریکیاں انہوں میں ملی رہیں جیسے اس کا پہلی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اپنی یورپ کے لیے اردو سلطنت اور قواعد تیار کیے جن کا انہیں یہاں دیکھنے میں آسانی ہو۔ ان حضرات کی علمی کاوشوں پر ابھی تک خاطر خواہ تحقیق نہیں ہوئی ہے۔

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں کھلتے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے۔ جب اس کمپنی نے سامراجی انگریز کو ہندوستانی زبانیں سمجھانے کی ضرورت محسوس کی تو کھلتے میں ۱۰ جولائی سنہ ۱۷۸۴ء کو فورٹ ولیم کالج قائم کر گیا۔ اس کالج میں یورپ کی تین جدید زبانیں یعنی فرانسیسی، انگریزی اور انگریزی کے علاوہ عربی، فارسی، سنسکرت، ہندوستانی، ہندی، اردو، بنگالی، تیلگو، مرٹی اور تمل پڑھانے

کا اختتام کیا گیا۔ کالج میں تصنیف و تالیف کے سلسلے میں اردو اور اردو بہ خط انگریزی پر خاص طور سے زور دیا گیا۔ جب مسئلہء میں انگریزوں نے دہلی پر اس طرح قبضہ کر لیا کہ محل حکومت برائے ام روٹنی تو انگریزی نے ہندوستان کی تنگ نظرانہ کا یعنی اردو کو پہلو بہ است متاثر کرنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہی انتظامی اور دفتری انگریزی اصطلاحیں اردو میں داخل ہوتی شروع ہو گئیں۔

فیسٹ ولیم کالج کی تصنیفات و تالیفات کے دعو میں آنے سے قبل اردو نثر فارسی کے زیر اثر تھی اور یہ اثر اس حد تک تھا کہ اردو کے نثر نگار کثرت سے فارسی الفاظ و کجی استعمال کرتے تھے۔ بیشتر اوقات فقرہ کی قواعدی ساخت بھی فارسی کے الفاظ پر ہوتی۔ فارسی افشاہدازی کے انداز پر غیر معمولی شکست و فصیح سے کام لیا جاتا۔ ایک بات کہنے کے لیے بہت سے مترادفات کا استعمال کیا جاتا۔ سہمی سادہ بات تشبیہات و استعارات کے سہارے کہی جاتی۔ رعایتِ فعلی کا اس طرح استعمال کیا جاتا کہ بات سمجھ آسان نہ رہتا۔ صانعِ فعلی و مستوی کا خاص طور سے التزام کیا جاتا۔ خوب بیان اور عبارت آرائی کے نام پر بے جا طعنت سے کام لیا جاتا۔ فارسی حروف ربط کا ترجمہ ”کیچے“، ”تچا“ کے معنی ”اور“ کیا جاتا۔ اضافت کے لیے ”کا“، ”کے“ ”نے“ وغیرہ مستعمل تھے۔

فیسٹ ولیم کالج کے قیام میں آنے سے کچھ ہی سال قبل یعنی مسئلہء میں میر جو مصلا حسین خاں نے ”نظم مرصع“ تکمیل کی تھی۔ اس دہائی کے آغاز کا پہلا ہی انعام

لاحظہ ہو :

تج سرزمین فردوس آئین و اہستہ دم کے ایک ہوشیار تھا۔ سلیمان قدرت  
 فردوسِ فخر، جہاں ان ”دینِ پور“ رحمتِ نواز، عدالت گستر، بر آرمہ  
 عبادتِ ہمت کاراں، بخشندہٗ مرادات اسرارِ اقدس، و سیر نام کہ اشہ  
 نورقِ فصل بہار کا اور شمعِ جلال فیضِ سیمائی کا ہوش اور روحِ پیشانی

اس کے لغوی و لہذا نشان رہتا لیکن مشہدستانِ محمود دولت اس کے کا، فطریغ  
شمع زندگانی کے سدا مصلحت فہرہ درجہ سے ہے، اردو میں نہ رکھنا تھا:

اس عبارت کے تقویہ ہام فقرہ کی قواعدی ساخت فارسی انداز پر ہے۔ پہلے فقرے میں  
فارسی حرف ربط "اور" کا ترجمہ "مع" کیا گیا ہے۔ اردو میں اس مفہوم کے لیے "میں" استعمال  
کرتے ہیں۔ اور یہ حرف ربط اسم سے پہلے نہیں آتا۔ بعد آتا ہے۔ دوسرے فقرے میں  
صفت کے طور پر ہام فارسی ترکیبیں استعمال کی گئی ہیں۔ اشد شوقی فصل ربانی کا اور  
شمع ہارقی فیض شمعائی کا یہاں فارسی اضافت کا ترجمہ حرف ربط کے طور پر "کا" کیا  
گیا ہے، لیکن اس کا استعمال اردو قواعد کے خلاف ہے: "شمستانِ محمود دولت اس کے کا"  
میں دولت اس کا ترجمہ "دولت اس کے کا" کیا گیا ہے۔ فردا شمع زندگانی کے سے "فارسی  
میں اس طرح ہوگا "اور فردا شمع زندگانی" "اور" کا ترجمہ "کے سے" ہے اور اب جدید اردو  
قواعد کی رو سے یہ ترجمے اور فقرہ کی ساخت قطعاً غلط ہے۔

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اردو شاعری کو فارسی کے آخر سے آزاد  
ہونے کا کافی عرصہ ہو چکا تھا لیکن اردو شراہی فارسی کے ساتھ میں چلی ہی تھی۔  
خوش و غم کالج کی سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اس نے اردو شراہ کو فارسی کے  
آخر سے آزاد کیا۔ ہاں گلگرسٹ نے باغ و بہار کی تابیت کے لیے میراں کو یہ ہدایت  
دی تھی۔

"ہاں گلگرسٹ صاحب نے ذکر ہمیشہ اقبال ان کا زیادہ رہا، جب تک  
گنگا جہاں ہے، غلط سے فرمایا کہ قصے کو خیر و بد و مافی گنگو میں جو اردو  
کے لوگ ہندو، عورت، مرد، لڑکے، بالے، عوام آپس میں جھگڑتے  
چلتے ہیں، ترجمہ کرو بھائی حکم حضور کے میں نے بھی اسی محاورے سے  
کھن فہرہ رکھا، جیسے کوئی ہمیں کرتا ہے۔"

سیراس کو جہاں لنگر سٹکی چہادیت اردو نثر کے ارتقا کی اہم ترین جڑی ہے۔ حکومت کی شعوری کوشش تھی کہ اردو نثر فارسی کے اثر سے باہر نکل کر خود اپنی سر زمین کی آزادانہ طور پر سانس لے، یہ ظاہر اس کی وجہ تھی کہ باغ و بہار اور لہرٹ ولیم کالج کی دوسری کتابیں، دوسری مقاصد سے تابع یا ترجمہ کرائی گئی تھیں۔ اب تک اردو نثر اس طبقے کے لیے نکھی گئی تھی، جو فارسی سے بخوبی واقف تھا اور اس کے مشرقی مزاج کو حمایت کی راہنمائی اور پیچیدگی بہت پسند تھی۔ اب پہلی بار کچھ ایسے لوگوں کو اردو سکھانے کے لیے اردو کی نثری تعلیمات اور تراجم کی ضرورت پڑی، جن کی مادری زبان انگریزی تھی، اور جنہیں اپنے اپنی روشنی کی آسویگی سے زیادہ وہ زبان سیکھنے کی ضرورت تھی، جو ہندوستانی عوام سے رابطے کا کام کر سکتی ہو۔ اب آپ باریاد بہار کی داستان کا پہلا چیرا گراف ملاحظہ فرمائیں:

”اب آواز قہقہے کا کرتا ہوں۔ ذرا کان دھر کر سنو اور شخص کی کرو۔ سیر میں چار درویش کے ہیں نکھاسے اور کہنے والے نے اس طرح کہا ہے کہ آگے دوام کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نو فیرواں کی سی عدالت اور عوام کی سی سخاوت اس کی قات میں تھی۔ ہم اس کا آزاد بخت تھا اور فیروز سلطانہ جس کو استنبول کہتے ہیں اس کا اے تخت تھا:

”ہاں وہ ہزار میں پہلی بار اردو نثر نے اپنی مکمل شناخت کر لی ہے اور پہلی بار اپنی قواعدی ساخت کی پابندی کی ہے۔ اس لیے اگر ہم کہیں کہ جدید نثر کا آغاز قوت ولیم کالج کی ”باغ و بہار“ اور دوسری تعلیمات سے ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ قوت ولیم کالج کا اثر اس عہد کے دوسرے نثر نگاروں پر نہ ہوا ہو۔ اس کالج میں بھی مالے والی نثر نے یہ احساس عام کیا تھا کہ اگر اردو نثر کو اپنی انفرادیت حاصل کرنی ہے تو فارسی اور عربی کے غیر فارسی الفاظ اور محو شاہی روشوں سے گریز کرنا ہوگا۔ انشاء اللہ ان الفاظ کی ”مائی کیجی کی کہانی“ اس سمت میں ایک مہتمم امتیز کوشش ہے۔

دہلی بیگ متھو نے تسمائے عہد میں بیروں کی زبان پر اعزاز میں کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود بیروں کے اثرات سے ملحوظ ذراہٹے۔ میراں نے کہا دہلی میں اپنی زبان کے بارے میں کچھ کہا تھا اس کی بازگشت متھو کے تسمائے عہد میں اس طرح ملتی ہے۔ یہ قول متھو کی درخواست کی :

”اوس قصہ ہاگنڈہ کو از آغا زماںجام زبان اردو میں فراہم اور تحریر کرے  
تو نہایت منظور نظر اہل بصر ہو، لیکن تقصیر معاف ہو لغت سے معاف ہو۔۔۔  
جو دہلی میں اور گشت گوہاری تسمائی ہے یہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ دہلی میں عہد  
کے وسطے وقت میں اور نکتہ میں کریں ہم ہر فقرے کے سننے فرمائی مصلحتیں  
میں دیکھتے ہیں اور  
پہلے کر متھو دیکھتے ہیں۔“

”تقریباً بیس جو اظہار وقت طلب غیر مستعمل عربی فارسی کا مشکل تھا، اپنے  
تحریر سے دور کیا اور جو کلمہ پہلی نسخہ معاہدے کا تھا، وہ رہنے دیا۔“  
متھو دہلی بیانی سے عہدہ کام لیتے ہیں لیکن تسمائے عہد کے کچھ حصے ساوی، شگفتگی  
اور انصاف کے لحاظ سے کہا وہ ہمارے مقابلے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ جو اس حقیقت کا ثبوت  
ہے کہ دہلی بیگ متھو جیسا نثر نگار سی فورٹ ولیم کالج سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔  
جدید اردو نثر کے ارتقا میں دوسری اہم منزل دلی کالج ور نیگل ٹرانسلیشن سوسائٹی ہے جو  
ظہور میں دلی میں قائم ہوئی اس سوسائٹی نے ہندوستان طالب علموں کے لیے انصاف  
کی کنجیں تیار کیں جن میں بیشتر مختلف علوم کی انگریزی کتابوں کا ترجمہ تھیں۔

فورٹ ولیم کالج نے اگرچہ جدید اردو نثر کی ابتدا کی تھی لیکن اس کی مطلوبہ حالت  
اعلائیات، تاریخ، ادب، انصاف اور صرف و نحو تک ہی محدود تھیں، دلی کالج ور نیگل  
ٹرانسلیشن سوسائٹی نے اپنے ترجموں کے ذریعے پہلی بار ہندوستانی ادب کو مغربی نگار اور



مشرقی ادب سے آشنا کیا۔

دلی کالج اور سوسائٹی کی مطبوعات نے اردو نثر کے جدید آہنگ کے لیے نیا بلکل  
ہموار کر دی اور اس نثر کو فروغ حاصل ہوا اردو اخبار نویسی سے۔

اگرچہ اردو کے پہلے اخبار "جام جہاں نوا" کا ۱۸۶۸ء میں نکلنے سے اجا ہوا لیکن  
دلی میں پہلا اردو اخبار "دلی اخبار" کے نام سے ۱۸۷۸ء میں جاری ہوا، جس کے ذریعہ  
محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد افرغی نے اسی سال یعنی ۱۸۷۸ء میں سرسید احمدیوں کے  
بھائی سید محمدیوں نے "سید الاخبار" جاری کیا ۱۸۷۸ء اور ۱۸۷۹ء کے درمیان دلی سے  
کم سے کم بارہ اخبار شائع ہوتے تھے جن کے میں "سراج الاخبار"، "صادق الاخبار" قادی میں اور  
"دلی اردو اخبار"، "سید الاخبار"، "مظہر حق"، "مسبب ہند"، "فوائد انظرین"، "آئینہ الوداع"  
"قرآن المسدین"، "ذوق الاخبار"، "نور مغربی" اور "نور مشرقی" اردو میں ان اخباروں کے  
بارے میں ایک دلچسپ بات یہ تھی کہ "سید الاخبار"، "مسبب ہند"، "قرآن المسدین" اور  
"فوائد انظرین" کے فریادوں میں ہندوستانی کم اور انگریز زیادہ تھے۔ ظاہر ہے کہ انگریزوں  
کو اخبار کی زبان کا وہی سید قائم کرنا پڑا جو گاؤں فوٹ دلیم کالج کے ترجموں کا اخباری  
صاف سراہہ پلیس اور مد مرہ کی زبان۔

فائب جدید اردو نثر کے موجد ہرگز نہیں تھے۔

کیوں کہ ان کی نثر نگاری کے آغاز سے تقریباً پچاس سال قبل اردو نثر جدیدیت کے  
ماستے ہر گامزن ہو چکی تھی۔ فائب نے قاطع یہاں کے سلسلے میں اردو نثر میں چار سالے  
نکھے تھے۔ ان کے علاوہ منافع کن بول پرواہ ہے اور نظر نہیں اور کہ متفرق محسوس رہی  
نکھیں۔ چنانچہ یہ چاروں دہائے "قاطع یہاں کے معاہدے کے سلسلے میں بھی گئے تھے  
اور ان میں الفاظ پر بحث کی گئی تھی۔ اس لیے ان دہائیوں کی خوبی اس کے سوا اور کچھ  
نہیں ہے کہ صاف اور سادہ اردو نثر میں ہیں۔ اردو نثر میں فائب کا اصل کام نثر کے

خطوط ہیں۔

یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے کہ اردو مکتوب نگاری میں کس نے پہلی بار طرز جدید کو اختیار کیا۔ حاکمی نے یادگار نقاب میں نقاب کی خطوط نویسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔  
مزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔ نہ مزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا، اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری پوری تقلید ہوئی۔

حاکمی نے نقاب کے خطوط کے بارے میں جو کہہ کہا ہے وہ حوت حرفت صحیح ہے۔ حاکمی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نقاب اردو مکتوب نگاری کے موجد اور با آ آدم ہیں، وہ تو صرف یہ کہ وہ ہیں کہ خطوط میں نقاب نے جو رنگ اختیار کیا، وہ منفرد تھا۔ یعنی نقاب سے پہلے کوئی بھی اردو خط میں یہ انداز اختیار نہ کر سکا اور نہ کوئی ان کی تقلید میں کامیاب ہو سکا۔ یہ بات ان کی شاعری کے بارے میں بھی جاتی ہے۔ ان کا مطلب یہ کہاں ہے کہ نقاب نگاری اور اردو شاعری کے موجد تھے۔

بولٹ مصیبت میں چارے بہت سے ناقدین نے اردو مکتوب نگاری کا موجد نقاب کو قرار دے کر مکتوب نگاری کی ابتدا ہی نقاب سے شروع کی۔

اسٹرام چند کے صاحب ہند ۱ جلد نمبر ۱۲۹، ایت، و میر تقی میر، و جہری ہشتاد، میں مکتوب نگاری کے فن پر ایک چھوٹا سا نوٹ شائع ہوا تھا۔ میں میں جدید اصول بیان کیے گئے۔ ہندت برہنہ سوزن و خارجہ کیلی نے اس نوٹ کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو مکتوب نگاری کے طرز جدید کے موجد اسٹرام چند تھے اور یہ قول ہندت کیلی "نقاب" ہے کہ اسٹرام چند کا یہ مضمون مزا نقاب کی نظر سے ضرور گزرا ہو گا اور ان کی طبیعت و خالے اس سے ضرور اثر کیا ہو گا۔

اسٹرام چند کا نوٹ و میر تقی میر میں شائع ہوا تھا۔ جب کہ اب تک کے دستیاب

خطوط میں خاکب کا قدیم ترین اردو خط وہ ہے جو مستنداً یا اس سے قبل خاکب نے تفسیر کو  
 نکھیا تھا۔ گویا اسطر عام چند کا نوٹ شایع ہونے سے تقریباً ڈیڑھ یا دو سال قبل، یہ ممکن  
 نہیں ہے کہ اس تاریخ سے قبل ہی خاکب نے اردو میں ایسے خطوط لکھے نہ ہوں۔

خاکب کی تاریخ آہنگ کے ابتدائی تین آہنگ مستنداً میں لکھے گئے۔ لیکن آہنگ  
 کی طباعت کی نوبت آگست ۱۸۳۷ء میں آئی۔ اگرچہ آہنگ اول میں خاکب نے خطوط  
 نویسی کی سہولت کے لیے القاب و آداب اور شکر و شکوہ اور شادی و طہ کے مستند اور  
 رسمی الفاظ تحریر کیے ہیں۔ لیکن اسی آہنگ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”اس دور میں سے بجا لگی  
 مہر لکھی ہوئی ہے۔“ اسی آہنگ میں خاکب نے مکتوب نگاری کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا  
 ہے کہ ”ہمیں چاہیے کہ مکتوب الہ کی حیثیت کے مطابق القاب کا کرہا نہ عا بیان کی شہرت  
 کر دیں۔ طویل القاب و آداب اور نصیرت و عافیت پر چہا حشو و زائد ہے۔ خط لکھنے والے  
 کو چاہیے کہ تحریر کو تقریر سے دور نہ کرے اور تحریر کو گفتگو کا رنگ دے۔“

ممکن ہے کہ خاکب نے یہ الفاظ مستنداً میں آہنگ اول لکھتے ہوئے لکھے ہوں  
 بلکہ طباعت کے وقت اصلاح کیے ہوں۔ تب بھی اسطر عام چند کا نوٹ شایع ہونے سے  
 کم سے کم ہاڑ بیٹے پہلے لکھے تھے کیوں کہ تاریخ آہنگ کا پہلا ایڈیشن مستنداً میں شایع  
 ہوا تھا۔

خاکب اگرچہ انگریزی نہیں جانتے تھے، لیکن انگریزی مکتوب نگاری کے اصول و  
 ضوابط سے پوری طرح واقف تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پینشن کے سلسلے میں پہلے نوی  
 حکومت سے اُن کی خط و کتابت تھی۔ خاکب کو حکومت کے خط انگریزی میں ملتے تھے اور  
 خاکب حکومت کے افسران کو انگریزی اور فارسی دونوں زبانوں میں خط لکھتے تھے۔ خاکب  
 خط کا مسودہ فارسی یا اردو میں تیار کرتے تھے اور ایسے لوگوں سے ترجمہ کرواتے تھے جو  
 انگریزی اور انگریزی مکتوب نگاری کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ بیشک آکا نوہائی دہلی

میں نقاب کے وہ خطوط محفوظ ہیں جو انہوں نے برطانوی حکومت کے اعلیٰ افسران کو  
پیش کے سلسلے میں بھیجے تھے۔ ان خطوط میں مطلب کی بات بیان کی گئی ہے۔ ایک  
فقہوی رائہ نہیں ہے، حد تو یہ ہے کہ خیر و عافیت اور دعاتیہ کلمہ وغیرہ نہیں۔ ظاہر  
ہے کہ ایسے مکتوب کلمے کا انداز نقاب نے انگریزوں اور انگریزی دلائل ہندوستانوں سے  
لیکھا ہوگا۔ اور اس جہد میں برطانوی حکومت سے انگریزی میں خط و کتابت صرف نقاب ہی  
کی نہیں، بیشتر لوگوں کی تھی۔ اس لیے جدید طرز پر مکتوب نگاری کے آغاز کا سہرا نہ تو ماسٹر  
ہم ہند کے سرانجاما جاسکتا ہے اور نہ نقاب کے سر۔ طرز جدید کا شعور عام ہو چکا تھا۔  
تو کیا اردو نظر اور اردو مکتوب نگاری میں نقاب کی کوئی اہمیت نہیں؟ جی نہیں،  
ایسا نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ نقاب اردو نظر کے مجدد ہیں اور نہ اردو مکتوب نگاری کے  
بدا آدم۔ لیکن نقاب کے خطوط اردو مکتوب نگاری کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ کیوں کہ نقاب کے  
ہفت ہندوہن نے اس فن کو نیا آب و رنگ دیا ہے۔ نقاب نے دعویٰ کی دعویٰ نہیں  
کیا کہ آسان، صاف، سادہ اور تکلف و تصنع سے پاک زبان میں اردو مکتوب نگاری کا انہوں نے  
آغاز کیا ہے۔ ہاں نقاب نے بدایہ دعویٰ ضرور کیا ہے کہ انہوں نے مزاح کو مکالمہ اور خط  
کوفات کا بدل بنا دیا ہے اور ان کا یہ دعویٰ سونی حدی درست ہے۔

نقاب کی اردو شرنگاری کے بارے میں شیعہ محمد اکرام نے لکھا ہے :

” حقیقتاً یہ زمانہ (مستطیلہ) (مستطیلہ) مرزا نقاب کی اردو شرنگاری تھا :

فانظر ظانصاری کا بیان ہے کہ :

” اس زمانے (یعنی مستطیلہ) میں اور اس کے بعد جب تک وہ مرزا نقاب

زندہ رہے ان کی قوہ نظر رہی۔ فارسی میں کم اور اردو میں زیادہ ؟

ان دونوں حضرات کے بہانے بالکل درست ہیں، لیکن اس سلسلے میں صحیح دلچسپ

بیان ڈاکٹر مسین الرحمن کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

”انقلاب مسقطیہ نے ہم سے شاعر قناب کو چھین لیا، اب کہ نظر نگار قناب کا ظہور اس انقلاب کے بعد ہوا!“

شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر ظہار احمدی دونوں کے بیانات درست ہیں، لیکن ڈاکٹر مسین الرحمن کے بیان سے یہ اثر پیدا ہوا ہے کہ قناب نے مسقطیہ کے بعد شعرو شاعری ترک کر کے پوری قویہ شریک طرف مبذول کر دی۔ یہ صحیح نہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر مسین الرحمن کے اس بیان کی غامضی نہ برائی ہوئی۔

پروفیسر آل احمد متحد نے کہا کہ اس بیان میں ڈاکٹر مسین الرحمن نے سامنے کی حقیقت کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ محمد عبدالرحمن ہذالی نے اس فقرے کی دلا دینے ہوئے لکھا کہ ڈاکٹر مسین الرحمن نے اپنے اس موقف کو بڑی خوبصورتی سے نبھایا ہے۔ اور اس کی آئندہ ایسی حکم شہادتیں پیش کی ہیں اور غوش تدبیری سے نتائج نکالے ہیں کہ ان کی بات ماننے بغیر چارہ نہیں۔

مجھے اس فقرے کے دونوں حصوں سے اختلاف ہے۔ انقلاب مسقطیہ نے ہم سے شاعر قناب کو نہیں چھینا، کیوں کہ شاعر قناب مسقطیہ سے بہت پہلے ہم سے جھپٹے ہوا چھکے غصے اور مذہبی نظر نگار قناب کا ظہور مسقطیہ کے بعد ہوا کیوں کہ یہ ظہور بہت پہلے ہو چکا تھا۔

پہلے ان کی شاعری کو لپیٹے۔ یہ تو عام طریقہ ہوتا ہے کہ لشکریات تک تخلیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور جب اس کا موڑ آتا ہے تو ساری کسر ٹھکل جاتی ہے لیکن قناب کے ساتھ معاملہ دوسرا تھا۔ ذاتی زندگی کی ناکامی نے ان کے دل و دماغ کو اس بڑی طرح متاثر کیا تھا کہ ان کے تخلیقی سوتے بہت پہلے خشک ہوئے گئے تھے۔

قناب کی زندگی کا سب سے پہلا الزام دائرہ بنیٹل کے معاملے میں ان کی ناکامی

نہی۔ فاکب بہت اسیدوں سے کھٹکتے گئے تھے، کھٹکتے کے سوا وہاں کے قیام نے انہیں بہت مشغول کر دیا تھا جب جنوری ۱۹۳۷ء میں ان کے خلاف فیصلہ ہوا تو ان کی دنیائے ازسرنو ہو گئی۔ اور یہ قول فاکب "قرض الگ۔ رسوائی الگ اور مستقبل کا خوف الگ" اس واقعے سے فاکب ایسے دل برداشتہ ہونے کے اعلیٰ شعور کوئی سے دلچسپی نہیں دیتی۔ یہ قول سواکا استہزاء علی عاقلین کی طرف سے تھا :

"اور سہر جنوری ۱۹۳۷ء میں مقدمہ ان کے خلاف فیصلہ ہوا تو مستقبل کے خوف کا تصور نے ان کے دل و دماغ کو سخت اذیت پہنچائی اور پہلے بار ان کی طبیعت نے فکر شعور و سخن سے غفلت کا اظہار کیا۔ اب وہ غفلت کہتے تھے مگر دوستوں کے اصرار پر اور قصائد بھی لکھتے تھے مگر بالی پریشانیاں کے باعث کو دماغ کرنے کے لیے !

سواکی سربراہ مولوی احمد سے فاکب کی واقعات کھٹکتے میں ہوئی تھی اور کھٹکتے سے دلچسپی ان سے غفلت و کتابت ہوئی۔ مولوی صاحب کے ہم فاکب کا ایک نڈی غلط ہے جس پر تاریخ خارج نہیں ہے۔ سواکا غرضی کا خیال ہے کہ یہ فاکب اس وقت میں لکھا گیا۔ فاکب لکھتے ہیں : "مذہ غفلت سمجھنے کے بارے میں آپ کا ارادہ سواکا لکھوں ہے، مگر دل کی خوشی فکرائی اور جھکر کی جھکر کاوی کے بغیر غفلت سوزوں نہیں ہوتی اگر مجھے علم ہو گا۔" سے شعور ہی ہی بہت ملتی تو میرا آپ میری فکر کے جوہر دیکھتے۔ یہ ہر حال اس اندوہ کی کے اوج میں وقت ہی کوئی شعور زبان پر آہلے گھٹاتے سے پہنچ کر کے۔

عصمت گرامی میں بھیج دوں گا : — (غلامی سے ترجمہ)

۱۹۳۷ء میں جب رام پور کے قلاب محمد سعید خاں محنت نہیں ہونے تو ان کے بھائی قلاب عبدالشکر خاں بہادر صدر الصدور میر غلام نے اس موقع کے لیے فاکب سے قصیدے کی درخواست کی۔ فاکب ان کے ہم ایک نڈی غلط میں جواب دیتے ہیں :

لیکن کیا کروں کہ شعر گوئی کا تعلق دل سے ہے جب دل ہی ٹھکانے نہ ہو  
 نابالغین کہاں سے ملے؟ آپ جیسے دیہہ صاحبِ دل سے جو کہ اس  
 حقیقت کا شناسا اور کون ہوگا کہ شعر کہنے کے لیے دل کا پاک سوہا ضروری  
 ہے یعنی کہ جسے کہہ دلِ صفا ہو جو میرے سمجھنے میں ہے میرا دشمن بن گیا ہے  
 اور اب سخن گسری اور سنی آفرینی کا اہل نہیں رہا..... امید ہے کہ اس  
 گزارش کے بعد آپ نظم و سطر کے لحاظ سے مجھے مزید نصیر فرمائیں گے اور  
 دعا ہے خیر میں یاد رکھیں گے اے — (قلی سے ترجمہ)

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب سن گسری اور سنی آفرینی سے قطری نہیں  
 ہوئے تھے بلکہ ذہنی اعتبار سے شعر گوئی کے قابل ہی نہیں رہے تھے مگر ایسا نہ ہوتا تو غالب  
 قصیدہ ضرور لکھتے کیوں کہ اس کا پورا امکان تھا کہ غالب کو اس نصیب سے ہر انعام ملتا  
 یہ محال رکھیے کہ اس وقت غالب کی عمر تقریباً ۴۲ سال ہے اور ابھی سلسلہ کے تمام اشعار  
 میں سترہ سال باقی ہیں۔

غالب کے اردو دیوان کا پہلا ایڈیشن سلسلہ میں شائع ہوا تھا اس میں اشعار کی  
 تعداد ۹۵ تھی، دوسرا ایڈیشن سلسلہ میں شائع ہوا تو یہ تعداد ۱۱۱ ہو گئی مگر چھ سال  
 میں کم و بیش سولہ شعر کا اضافہ ہوا، تیسرا ایڈیشن سلسلہ میں شائع ہوا تو اس میں اشعار کی  
 تعداد ۱۷۹ ہو گئی اور چوتھا اور غالب کی زندگی کا آخری ایڈیشن سلسلہ میں شائع ہوا  
 تو یہ تعداد ۱۸۰۲ ہو گئی لیکن ہے کہ غالب نے زیادہ تعداد میں شعر کہے ہوں لیکن انتخاب  
 انہیں اشعار کا کیا، پھر بھی منتخب اشعار کی تعداد سے ان اشعار کی تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا  
 ہے اگر اس زمانے میں کہے ہوں گے۔

ان اعداد و شمار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سلسلہ اور سلسلہ کے دیوان غالب نے  
 شعر گوئی تقریباً ترک کر دی تھی اس لیے سلسلہ کے ایڈیشن میں صرف سولہ اشعار کا اضافہ

ہوا، ہشتادھائی میں ناکب قلعے میں ملازم ہو گئے تو بادشاہ اور شہزادوں کے اصرار پر انھیں  
مجبوراً اردو میں غزلیں کہنی پڑیں۔

ناکب اپنی اس بھری کا ذکر انور الدولہ نواب سعد الدین خاں ثقلین کے نام  
اس طرح کرتے ہیں :

” ہر چند ایک مدت سے طبیعت اردو شعر کہنے پر مائل نہیں لیکن کبھی کبھی  
بادشاہ کی رضا جوئی اور ملکہ عالیہ کے قربان کی تمیل میں اردو میں بھی شعر کہنے  
پڑتے ہیں۔“ (مطلع آہنگ، اردو ترجمہ، ص ۱۵۰)

۳۔ جوی ہشتادھائی کے ایک خط میں سید بدر الدین احمد المعروف بہ فطیر کو لکھتے ہیں،  
” آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ ملازی غزل تو شاہد ایک بھی نہیں کہی  
ہاں ہندی غزلیں قلعے کے مشاعرے میں دوہا لکھی تھیں اسودہ یا اسرار سے  
دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہوں گی یا ضیاء الدین خاں صاحب  
کے پاس۔“

گویا قلعے کی ملازمت کے دوران ناکب نے اردو میں کچھ غزلیں کہیں اور فارسی میں  
شاید ایک بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیوان اردو کا جب تیسرا ڈیویشن شائع ہوا تو اس میں  
۶۸۵ اور چوتھے ڈیویشن میں مزید ۴۴ شعر کا اضافہ ہوا۔ اگر پہلے ڈیویشن کے سہ طباعت یعنی  
۱۹۳۱ء سے آخری ڈیویشن کے سہ طباعت یعنی ۱۹۴۳ء تک کہے گئے اردو اشعار کی سافہ نہ  
اوسط نکال جائے تو ناکب نے کہیں سال میں کم و بیش ۲۷۷ اشعار یعنی اوسطاً چونتیس شعر  
فی سال کہے، مگر ناکب قلعے میں ملازم نہ ہوتے ہوتے اور بادشاہ کی مجبوری نہ ہوتی تو ان  
اشعار کی تعداد بڑھ اور بھی کم ہوتی۔

اس کا مطلب ہے کہ پٹنن کے مقدمے میں ناکامی، مانی دشواری پرستش اور ہجر  
مستطردہ میں جسنے کے الزام میں گرفتاری جیسے واقعات نے ناکب کی تخلیقی قوت



سٹیشن سے بہت پہلے ہی سب کر لی تھی اور غدار نے انہیں جگہ ٹاکب کی زندگی کے  
زندہ ہنگ واقعات نے شاعر ٹاکب کو سٹیشن سے بہت پہلے ہم سے بھیج لیا تھا۔

ڈاکٹر حسین الرحمن کے بیان کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ: "نثر نگار ٹاکب کا پہلا سٹیشن  
کے بعد ہوا: "اگر حسین الرحمن صاحب کہے کہ ٹاکب نے سٹیشن کے بعد اردو نثر پر  
زیادہ زور دیا، تو یہ بات قابل اعتراض نہیں تھی، کیوں کہ ٹاکب کا سٹیشن سے پہلے  
فارسی اور اردو نثری سرمایہ اتنا کم نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

ٹاکب نے سٹیشن سے قبل فنی فنی بحث فقیر، مرزا میر گوہار، فقیر، آداب ہفت  
میرزا، بدر الدین احمد کاشف اور فنی عبداللطیف وغیرہ کے نام اردو میں جو خط لکھے ہیں،  
ان میں سے سو کے قریب دستیاب ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ان خطوط کا پچھل  
حصہ سٹیشن سے قبل لکھا گیا تھا۔ اس کا امکان زیادہ ہے کہ سٹیشن سے قبل کے  
ٹاکب کے خطوط زیادہ تعداد میں ضائع ہوئے ہوں، غرض اس بحث کا خلاصہ یہ ہے  
کہ نثر نگار ٹاکب کا پہلا سٹیشن سے بہت پہلے ہو چکا تھا، ان سٹیشن کے بعد  
ٹاکب نے اردو نثر اور عام طور سے اردو مکتوب نگاری پر زیادہ زور دیا۔



# غالب کا پہلا دستیاب اردو خط

یہ کہ مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ غالب نے اردو میں مکتوب نگاری کا آغاز کب کیا اور اُن کا پہلا اردو خط کون سا ہے۔ غالب کے عہد میں خطوط و کتابت کی زبان فارسی تھی اور اُن کی آخری غریب اردو نے فارسی کی جگہ یعنی شروع کی تھی۔ اس لیے زندگی کے بڑے حصے تک غالب فارسی ہی میں خطوط و کتابت کرتے رہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس زمانہ میں غالب نے اردو میں کوئی خط لکھا ہی نہ ہوگا۔ کچھ خطوط ضرور لکھے ہوں گے۔ اُن کو کچھ ایسے لوگوں کو بھی خط لکھنے پڑے ہوں گے جو صرف اردو ہی لکھ پڑھ سکتے تھے۔ غالب کے ایسے بیشتر خطوط محفوظ نہیں رہے جو انہوں نے شاعری، ادب اور عالموں کو لکھے تھے اور جو غالب کے خطوط کی ادبی اہمیت سے پہلی طرح واقف تھے تو بہرہ اُن لوگوں سے خطوط کو محفوظ رکھنے کی کبھی توقع کر سکتے ہیں جو اُن کی ادبی اہمیت سے قطعی واقف نہیں تھے۔ قاضی عبدالودود کا یہ خیال بالکل درست ہے :

” غالب سے سروکار رکھنے والوں میں ایسے لوگ جو لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود فارسی سے بالکل واقف ہوں یا اُس سے کافی واقفیت نہ رکھتے ہوں، ضرور ہوں گے اور دنیا فوٹا ایسے لوگوں سے مواصلت ہی ہوتی

ہوگی۔ انھیں فارسی میں خطا سمجھنے کے سنی ہوئے کہ خواہ مخواہ ترجمہ کرانے کی رجحان دہی جلتے۔ ناچار اردو ہی میں خطا سمجھنا پڑا ہوگا۔ اسی طرح کسی کہیں ناخواندہ لوگوں کو بھی خطا سمجھنے کی ضرورت پڑی ہوگی اور انھیں بھی فارسی کی جگہ اردو میں خطا سمجھا ہوگا۔ ناآب کی زودہ امر و عجم، گمان غالب ہے کہ ناخواندہ ہوں۔ بندس و کلکتہ سے جو خط ناآب نے انھیں بھیجے تھے اور جن کا ذکر ایچ ایل کے نام کے خطوط میں ہے، وہ کس زبان میں ہوں گے؟

ناآب نے فارسی میں مہارست ترک کرنے اور اردو میں اقامتہ مکتوب نگاری شروع کرانے سے قبل بغیر اردو میں خطوط بھیجے ہوں گے، چاہے اُن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس لیے ناآب کے پہلے اردو خط کی نشان دہی کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ البتہ ناآب کے اُس پہلے اردو خط کی نشان دہی کی جاسکتی ہے جو انھیں دستاویز پہا ہے اور ہم اس دلائل کا تعین کر سکتے ہیں، جب ناآب نے فارسی کے مقابلے میں اردو میں زیادہ خطوط بھیجے شروع کیے اور اس زمانے کا اندازہ لگا سکتے ہیں جب ناآب کی اردو مکتوب نگاری میں باقاعدگی پیدا ہوئی۔

ناآب کی اردو مکتوب نگاری کے آغاز کے بارے میں پہلا بیان مولانا الطاف حسین حالی کا ہے۔ انھوں نے اڈالگار ناآب میں لکھا ہے:

”معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسطفا ایک پیشہ فارسی میں خط و کتابت کرنے والے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے جب کہ وہ لندن اور پری کی خدمت پر مامور کیے گئے اور ہرق ”مہرِ نیروز“ کے سمجھنے میں مصروف ہو گئے، اُن کی خدمت کی ضرورت اُن کو اردو میں خط و کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی خط و کتابت اور اکثر فارسی خطوط جن میں کتبِ ترجمہ کا اہل اور کتبِ عربی کا عنصرِ نظم سے کسی قدر ناآب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے سمجھنے والے ہیں جب اُن کی بہت مہرِ نیروز کی

قریب والٹا میں مصروف تھی، ضرور ہے کہ اُس وقت اُن کو فارسی زبان میں  
خط و کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ عاص میں، عشاقِ معلوم ہوتی ہوگی۔  
اس لیے قیاس مانتا ہے کہ انھوں نے غالباً سنیٹھ کے بعد سے اردو زبان  
میں خط لکھنے شروع کیے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ زبان  
فارسی میں خطوں کا لکھا پہلے سے متروک ہے۔ پیراہ سری اور ضمت کے  
صد ہوں سے محنت چروہی اور جگر کاوی کی قوت کھ میں نہیں رہی، حرارت  
خزری کو زوال ہے اور یہ حال ہے،

مضمن ہو گئے قوئی غالب

اب عناصر میں امتثال کہاں ۳

یہ تو ممکن ہے کہ جولائی سن ۱۸۵۷ء کے بعد غالب نے فارسی کے مقابلے میں اردو میں  
زیادہ خطوط لکھنے شروع کر دیے ہوں جس طرح پہلے نہیں کہ اس تذنیخ سے پہلے انھوں نے  
اردو میں کوئی خط نہ لکھا ہو، اس کا بھی امکان نہیں کہ اس تاریخ کے بعد غالب نے فارسی میں  
بالکل خط نہ لکھے ہوں، بعض نقادوں نے حاکمی کے اس بیان کی دشمنی میں یہ لکھا، شروع کر دیا  
کہ غالب نے اردو کو خوب نگہاری کا آغاز جولائی سن ۱۸۵۷ء میں کیا تھا، یہ درست نہیں، حاکمی کا  
قول ہے کہ اس وقت یہ ضرورت ان کو اردو میں خط و کتابت کرنی پڑی ہوگی، اس کا  
دانا مفہوم یہ ہے کہ ”میر میر“ کا مواد اکٹھا کرنے کے لیے غالب نے بعض لوگوں کو جو  
خطوط لکھے، وہ اردو میں تھے، ممکن ہے حاکمی کا یہ مطلب نہ ہو لیکن ہمارے بعض نقادوں  
نے اس عبارت کا یہی مفہوم سمجھا ہے۔ یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ غالب نے ”میر میر“  
کا مواد خود اکٹھا کیا نہ اس کا مسودہ تیار کیا انھوں نے ۱۹ نومبر سن ۱۸۵۷ء اور ۱۰ اپریل  
سن ۱۸۵۸ء کو جو خطوط منشی نبی بخش حقیر کو لکھے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کلہ ہوا درجن  
شای“ اردو میں مسودہ تیار کر کے بھیج دیا کرتے تھے۔ غالب کا کام صرف اس اردو مسودے

کافری میں ترجمہ کرنا خدا اگرچہ کوئی قطعی ثبوت نہیں لیکن اس کا امکان ہے کہ یہ مسودہ حکیم  
احسن اللہ خاں کی نگہ رانی میں تیار ہوتا ہو یا مسودہ تیار ہونے کے بعد حکیم صاحب اس پر  
ایک نظر ڈال لیتے ہوں۔ ہر حال ”سیر نمبر ۱۶“ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ  
غالب نے جولائی ۱۹۵۷ء میں شروع کیا اور اگست ۱۹۵۷ء کو مئی چاند سال اور ایک مہینے  
میں یہ کام پانچ تکمیل کو پہنچا۔ اتنی بڑی مدت میں ۱۶ صفحات کا ترجمہ، غالب کو ان مہینوں  
میں نہیں رکھ سکتا تھا کہ غالب کو فارسی میں خطوط سمجھنے کی بھی فرصت نہ ملے۔

غلام ہول قہر کے خیال میں غالب کے دستیاب شدہ خطوط میں سب سے قدیم  
خط وہ ہے جو غالب نے جواہر سنگھ جوہر کو لکھا تھا۔ اور جس میں نگلی کی فراہمی کی  
تھی۔ اس خط پر تدریجاً تحریر حکیم دسمبر ۱۹۵۷ء سے ۱۹۵۸ء میں جواہر سنگھ جوہر کے نام میں خط  
ہیں۔ پہلے خط کے آخر میں غالب لکھتے ہیں:

”کیوں صاحب وہ ہماری نگلی اب تک کیوں نہیں آئی۔ بہت دن ہوئے  
جب تم نے لکھا تھا کہ اسی پہنچنے میں کمیوں کا؟“

امکان یہی ہے کہ یہ خط دسمبر ۱۹۵۷ء کے آخر میں یا ۱۹۵۸ء کے اوائل میں لکھا گیا۔ اس  
یہ غلام ہول قہر کے خیال میں اب تک غالب کے جولائی ۱۹۵۷ء کے ہیں، ان میں وہ قدیم  
ترہن ہے۔

مولوی ہدیش پر شاہ کے مرتبہ خطوط غالب کی جلد اول میں ”جوہر کے ہم اردو خط  
اس جلد میں شامل نہیں ہیں اور دوسری جلد سراج نہ ہو سکی، غالب کا قدیم ترہن خط  
وہ ہے جو غالب نے مرزا ہر گوبال تلقت کے نام لکھا تھا۔ اس خط پر تدریجاً تحریر نہیں ہے۔  
ہدیش پر شاہ نے اس خط کی تاریخ تحریر اگست ۱۹۵۷ء جنمین کی ہے۔ اگرچہ مولوی صاحب  
نے اپنے دلائل پیش نہیں کیے، لیکن انھوں نے اس تاریخ کا تعین لایا اس بنیاد پر کیا  
ہے کہ اس خط میں غالب نے تلقت کے درجہ اول پر جو نظریہ لکھی تھی اس کا ذکر کیا ہے۔



بازند دلو خود از چنین کادر

آزاد چه می سکنی دلم را

اسی خط میں تفتہ کا ایک مصراع اور نقل کیا گیا ہے :

عندما در ماسٹل افتادیم کہ چوں خواہد شدن

یہ دونوں شعریہ بیانِ اول میں موجود ہیں۔ چوں کہ میرے پیشینہ نظر تفتہ کا جو دیوانِ اول ہے :

وہ ناقص اور خراب ہے اور صرف مکی ردیف تک ہے اس لیے یہ کہا مشکل ہے کہ میرا شعر جس قول کا ہے وہ بھی دیوانِ اول میں ہے یا نہیں۔

۱۸ دسمبر ۱۳۳۷ء کے اسعداخبار میں یہ اطلاع بھی تھی کہ :

”ان دلوں میں دیوانِ تفتہ سکندر آبادی اس مطبع میں چھپا شروع ہوا ہے

اور یہ دیوان ہے جس کا اسم شہداء احمد تھا میں اور حضرت مولانا میں دیا گیا

تھا۔ بہت عظیم نظر صنی کے صاحب تک ملوث رہا۔ اب اس کی تدبیر کی گئی :

دیوانِ تفتہ کے بارے میں اس اشتہار پر تصدیق کرتے ہوئے قاضی عبدالوہود لکھتے ہیں :

”اگرچہ مولانا میں دیوان کا اشتہار چھپا تھا مگر دیوان اس وقت تک نہیں تھا اس کا

مطلق علم نہیں تھا اس ہاں ہے کہ مکمل ہوئے قاضی صاحب کے اس خیال سے اتفاق

ہے کہ اگرچہ مولانا میں دیوانِ تفتہ مرتب ہو چکا ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ تفتہ کے نام

نائب کاتب بہت خطا فانی مولانا میں لکھا گیا ہوگا۔

دوسرا یہ ہے کہ تفتہ نے نائب کی اصلاح کو نہیں دیا۔ اور دونوں اشعار دیوان

میں شامل کر لیے۔ اس کا امکان ہے کہ دیوان میں غرضیں شامل کرنے کے بعد نائب کو اصلاح

کے لیے بھی گئیں اور نائب نے خط کا جواب اپنی تاخیر سے دیا کہ دیوان کا وہ حصہ چھپ

چکا تھا جس میں یہ اشعار تھے۔ میرے خیال سے ایسا نہیں ہے۔ اس سلسلے میں میری دلیل

یہ ہے کہ تفتہ کے دیوانِ اول کا جو اس وقت میرے پیشینہ نظر ہے وہ تفتہ کی حکیت ہے لکھنا

کیوں کہ بہت سی غزلوں پر لکھا ہوا ہے۔" اس قول بعد نظر ثانی در دیوان دوم نوشتہ شدہ  
بعض اشعار اور بعض مصرع قلمزد کر کے دوسرے لکھے گئے ہیں، مگر دیوان اول کی طباعت کے  
بعد نقاب کی اصلاح فقط کوٹلی تو دیوان اول کے اس مطبوعہ نسخے پر فقط ان اشعار کو قلمزد  
کر کے اصلاح شدہ اشعار لکھ دیئے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اب تک نقاب کے چھ اردو خطوط کی بازیافت  
ہوئی ہے، ان میں قدیم ترین خط وہی ہے، جو فقط کے نام سے مشہور میں لکھا گیا۔

ہلال الدین صاحب کرمیہ میں نقاب کے سولہ فارسی اور پانچ اردو طبع مطبوعہ خطوط  
ایک قدیم خطوط میں ملے تھے۔ ہلال الدین صاحب نے ان خطوط کا تعارف "چہاری زبان  
نئی دہلی کی ۱۵ نومبر ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں کرایا ہے۔ قول ان کے یہ خطوط غرب آباد کے نقاب  
نہیں حسین خاں، علی حسین خاں، ناظم، لالت علی خاں، فیض، اور علی خاں صاحبزادہ عرف  
پھولے خاں فرخ آبادی اور حکیم امام الدین خاں دہلوی کے نام ہیں۔ اور یہ سب خطوط ہ قول  
ہلال الدین صاحب ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء اور ۱۳ نومبر ۱۹۳۷ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔

ان خطوط کا تعارف کرتے ہوئے سات سال گزر چکے ہیں لیکن ہلال الدین صاحب  
نے ابھی تک یہ خطوط شائع نہیں کیے۔ اس نے مجھے مشہور ہوا ہے کہ یہ خطوط جیل ہیں۔ اگر  
ہلال صاحب انہیں چھاپ کر میرا مشہور خط ثابت کر دیں تو اردو میں نقاب کا پہلا  
دستباب خط ۲۵ اپریل ۱۹۳۷ء کا قرار پائے گا۔



# مکتوب نگاری کا فن

مکتوب نگاری فنون لطیفہ کا حصہ ہونے کو ہی ایک باقاعدہ بلکہ اور فنون کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور زیادہ دلناستہ فن ہے۔ اسی لیے بعض اہل قلم نے اسے لطیف تر کہا ہے۔ اور فنون کی طرح اس میں بھی بہترین فنون دہی ہیں جو محض جگر سے اُسرارے لگنے ہیں۔ دوسرے فنون لطیفہ کی طرح اس میں بھی خاتونوں چکان کی خصوصیت ہے۔ دنیا کے بہترین مکتوب نگار عام طور سے دہی لکھتے ہوئے ہی جوں جوں کے تپتے ہوئے رنگ زردوں پر سمجھنے کے ہی پتلے ہیں۔ اور ان کے خطوط اس سفر کی دوداویں ہیں۔ ان خطوط میں فنکار کے ہار و جگانے والے قلم نے ذاتی و شخصی غم و اطمینان کی داستانوں کو کبھی درد انگیز لب و لہجہ میں بیان کیا ہے اور کبھی طنز و مزاح کے سہارے انہیں شگفتہ بنا دیا ہے۔ ذاتی اور شخصی تجربوں کو اپنے سلیقے، آشنائی و لطافت اور شخصیت کے دھڑ سے ادا کیا ہے اور ہر صحت سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔

اگر کوئی چاہے ہمارے کی زندگی کے حرام واقعات میں من شائستہ قویں مذہبہ دلچسپی نہیں ہونگی بلکہ سٹاپڈ ہم پر ہو جائیں لیکن اگر ہم کسی ایسے روز سے ہوا کہیں جس کا رشتہ ہمارے کے گھر کی طرف ہو اور میں سے ہم اپنے ہمارے کی نئی زندگی دیکھ سکیں اور اسے زندگی کے سونے مشاغل میں مصروف دیکھیں تو دلچسپی ہیں اس روز سے پہلے نہیں دے گی۔

کھڑکیوں، پردوں اور چٹنوں کے پیچھے سے گھنٹوں جھانکنے والے آنکھیں انسان کی اس غلطی سے بچ رہی ہیں جو دوسرے لوگوں کے خطوط ڈھٹے پر کسی آسانی سے۔ خود نوشت حالات اور روزنامے کی دلچسپ ہوتے ہیں لیکن خطوط کا مطالعہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہوتا ہے خاص طور پر دوسرے کے خطوط کا۔ خود نوشت حالات اور روزنامے لکھتے ہوئے لکھنے والے کو ہمیشہ یہ احساس رہتا ہے کہ وہ ایک سے نہیں، ہزاروں افراد سے مخاطب ہے۔ اس لیے اپنی شخصیت، کردار اور خیالات اور نظریات پر کچھ نہ کچھ دے غور ڈالے ہوتا ہے۔ نئی خط مکتوب دو آدمیوں کا معاملہ ہے۔ عام طور پر مکتوب نگار کو یقین ہوتا ہے کہ خط مکتوب یا تک پہنچ کر ہم کی پڑا سوار دلا دیں میں گم ہو جائے گا اور اس کا راز ہمیشہ راز رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا کے بیشتر خطوط اور خاص طور پر محبت نامے میں عارف کی روح جلوہ گر نظر آتی ہے جو درج ذیل آتے۔ یہ خطوط عام طور سے عاشق اور محبوب میں سے کسی ایک کے یا دونوں کے مرنے کے بعد شائع ہوتے ہیں۔ پولینیسس کی سادی زندگی قتل و غارت گری میں گزری اور انسانی تاریخ میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگا جا سکتا ہے کہ مختلف زبانوں میں اس پر تیس ہزار سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، محب اپنی محبوبہ ہڈیوں کو خط لکھا ہے تو اس کا جسم اور روح دونوں دو ڈاؤ ہو جاتے ہیں اور وہ ایک عام انسان نظر آنے لگتا ہے۔ پولینیسس کے وہ خطوط خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو اس نے آئی سے جو نین کو لکھے تھے۔ اس وقت وہ کائنات کی حیثیت سے انسانی خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔ اگر یہ خط گم ہو جائے تو شاید ہمیں کہیں یہ اندازہ نہ ہوگا کہ پولینیسس جیسے ظالم اور جاہل کے پیچھے میں بھی انسان کا دل تھا۔ وہ بھی کسی انسان کے قدموں پر سر رکھ کر اپنے پیروں سے سماجی کردار کی نفی کر سکتا تھا۔ اور جنس لطیف کے لیے اس کے احساسات اور جذبات بھی ایسے ہی بزدل اور لطیف تھے جیسے محبت کرنے والے سر پہرے دیوانوں کے ہوتے ہیں۔ اردو میں اس کی مثال مار مار لینی ہیں۔ اگر عطیہ کے ہم ان کے خطوط شائع ہو گئے ہوتے تو ہمیں



انسان ہے اور عام انسانوں کی طرح کھانا پینا اچانک اور سوتا ہے، جو خلوت کہے ہیں، اپنے چہرے اور درخت شخصیت سے تمام پردے ہٹا دیتا ہے۔ اگر مکتوب نگار کو زندگی کا فہم اور آگاہی ہے، اگر نعل کائنات پر اس کی انگلیاں ہیں اور اس کی شوق نگاہی انسانی نفسیات کے پیچ و خم سے واقف ہے تو اس کی آواز آفاقی اور غیر رفاہی بن جاتی ہے۔ اردو میں اس کی مثال صرف غالب ہیں۔

زندگی کی طرح غطوں کا دامن بھی بہت وسیع ہوتا ہے۔ ان میں وہ تمام رنگ ہوتے ہیں جو زندگی کی قوس قزح کو تشکیل دیتے ہیں۔ ان میں ہجو کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں، دہل کے خڑے مٹاتے جاتے ہیں، مصائب و آلام کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کا میوں پر اظہار غم ہوتا ہے، کامیابیوں پر اظہار مسرت ہوتا ہے، مبارک باد دی جاتی ہے، تعزیت کی جاتی ہے، خلوت و محبت، غلطی و دریا اور مہر و وفا غرض ہر طرح کے جذبات کی ترجمانی کی جاتی ہے۔

خطوط ایسے بھی ہوتے ہیں جو مکتوب نگار اپنی ذاتی غرض سے لکھتا ہے اور ایسے بھی جن سے دوسروں کی اصلاحی مقصود ہوتی ہے، خطوط میں کسی انسان غیظ و غضب میں مبتلا ہوا شیر نظر آتا ہے اور کسی اس کا سکون ہوا شگفتہ چہرہ دکھائی دیتا ہے۔ خطوط ایسے بھی ہوتے ہیں جو غم ہوا مشتہ کھگے جاتے ہیں اور ایسے بھی جن میں خود فکر کے موسو جلاؤ ہوتے ہیں، خطوط وہ بھی ہوتے ہیں جو صرف شائع کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں، اور وہ بھی خطوط ہیں جنہیں شائع کرنے کی مکتوب نگار بھی اہانت نہیں دیتا، خطوط کئی کئی صفحے کے بھی ہوتے ہیں اور چند نظموں کے بھی، خط کا لہجہ کے ٹکڑوں پر بھرتے ہوتے محض بے ہمان الفاظ نہیں بلکہ زندگی کے ہیں۔

یہ بولتے ہیں۔ لاک دھڑکنے والی صدائیں دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ مکتوب نگار کا مخاطب کوئی ہونا وہ کسی بھی عہد کا انسان ہو، وہ اگر اس فن میں کامیاب ہے تو یہ خط زمین پر رستے والے ہر عہد کے انسان کے لیے ہیں اور جب بھی یہ خط کوئی پڑھے گا اسے محسوس ہوگا کہ وہ اسی زمانے میں پہنچ گیا ہے اور مکتوب نگار کا مخاطب وہی ہے، ہنگامہ میں دلی اجڑنے کے واقعات

نکری کتابیں ہیں مگر اسی سے ہیں اور نقاب نے اپنے غلوں میں بھی لکھے ہیں لیکن خطوط نقاب پر سے ہوتے ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دلی سوسل میں نہیں آئے اور یہی ہے اور نقاب کے مخاطب میر محمد بن محمود بن حسین بن علی ہیں۔

نقاب نے کوئی بار مکتوب نگاری کو بات چیت کہا ہے۔ بالکل یہی بات نقاب سے مکتوب سال میں سوسل سے بھی تھی۔ ولیم کو پرے سے یہی بات دیا گیا کرتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اپنے خیالات کو دوسروں تک پہنچانے میں انسان کو پیشہ روشنی ہوتی ہے۔ برسی کا ذکر نہیں ہوا خطوں دونوں کی ہلکائی اور نئے نہیں لے مکتوب۔ اس کا مطلب ہے جو شخص بھی اس فن کے روز سے واقف ہوتا ہے وہ اس بار کو سمجھتا ہے کہ مکتوب نگاری گفتگو کا نام نہیں ہے بلکہ ایک اور سیارہ کی ایجاد ہے۔ ہم کو دیا ہے۔ لیکن خط اور گفتگو ایک دوسرے کا سولی صدی بدل گیا ہے۔ خط گفتگو سے زیادہ دلی ہوتا ہے زیادہ واضح اور زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اس میں بات سوجھ بوجھ کی بجائی ہے۔

نکس ہے مکتوب نگار کے پاس ایسی کوئی خبر یا بات نہ ہو جو وہ مکتوب اپنے تک پہنچا رہا ہو ہو اور اس کا واسطہ اپنے شخص سے ہو جس سے کچھ نہ کہو یا میں ضرور کرتی ہوں۔ یا یہ قول نقاب :  
خط لکھیں گے اگر یہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

ایسی صورت میں لکھوں اور اہم باتوں کے علاوہ کسی بہت سی باتیں کہنے کی ہوتی ہیں۔ نقاب کا ایک خط خطا ہوا ہے جس میں انھیں صورت یہ کہا ہے کہ کہتے ہیں کہ یہ خطا خطا آئے اور میں جواب نہ دوں۔ میں اتنی ہی بات نقاب کی بڑائی سے ہے۔ فنی سخاوت میں کو لکھتے ہیں۔

مستحقان لکھنا آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں اپنے کو فریق کریں اگر شتاب

نہ لکھوں اس وقت تاگ کے چکر سے لے لکھنا خط دیا۔ اور ہر خطا اور صر

جواب لکھنے کا قصد کیا۔ میں ایک شخص کو شہنشاہی لکھ دوں، افسوس

خالد دینا خاں لکھنؤی، جیسے نئے آدمی کا جو کوئی مستثنیٰ ہو اُن کے لحاظ کا  
 جواب سمجھنا کیوں محسوس شافی ہو۔ علی ہر نام خود جمیع حسن اخلاق کی ہر وہ کمیوں تم  
 کو میرا اس قدر اشتیاق ہو، ہاں، ایک بڑی سبیل شاعری، اُن کا ماحول ہے کہ  
 آگے جو کچھ کہا سو کہا اب شاعر کی نہیں رہا، ہر حال شاعری نظیر لکھنؤی کا  
 شکر گزار اور طالب دیدار ہوں۔  
 ۴ فروری ۱۹۳۷ء

دیکھا آپ نے؟ کچھ بھی نہ کہا اور سب کچھ کہہ دیا۔ قاتل کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا، لیکن  
 انداز بیان سے بات کو اتنا خوبصورت بنا دیا کہ نکل نہیں سکتا، البتہ خوش نہ ہوا ہو۔  
 اچھے مکتوب نگار کی ایک خاص پہچان ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی محسوس  
 اور خوبصورتی تلاش کر لیتا ہو اور زندگی میں ہونے والے معمول اور بظاہر ناقابلِ توجہ واقعات  
 کی اہمیت سے بخوبی واقف ہو۔

اصل درجہ کے خطوط کی اہمیت یہ ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی نئی کمیوں نہ ہوں اور موضوع کے  
 اعتبار سے کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں، ان میں مکتوب نگار کے قلم نے ایسی نئی انشائیاں کی ہیں۔  
 اور مکتوب میں ایسا نوحہ، نگارشی و بولچل اور دلچسپی پیدا کی ہو کہ مکتوب نگار کی دستان ہر چھٹے  
 واسطے کی دستان بن گئی ہو، جو خصوصیات کسی فن پارے کو ادبِ عالیہ میں جگہ دیتی ہیں، شہک  
 دہی خصوصیات، اعلیٰ مکتوب کے لیے بھی ضروری ہیں، یعنی ہر جگہ کے لوگوں کے ذہن کی تعلق  
 کا سامان ان میں موجود ہوتا ہے۔ ادبِ عالیہ زبان و مکالمہ کی قیود سے آزاد ہو کر ہر جگہ کے  
 انسان کا تعلق اپنے تخلیقی دھڑ سے قائم کرتا ہے، یوں کہ عہدِ قدیم سے چلنا تعلق ہو مگر  
 ایلینڈ اور اٹلی کے واسطے سے ہے۔ قدیم ہندوستان سے چلنا تعلق ہوتا ہے یا ہنگل، مانا تو  
 مہا بھارت کی دھجک ہے، سچ ہے کہ انقلاب کی قصوں چارے ذہنوں میں دوپے ہو تاکہ  
 نئے پیش کیے۔

خطوں کی اہمیت صرف ان کے موضوعات ہی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ ان کے

اصوب کی بھی اہمیت ہے۔ جب ملی بیگ تہذیب اور غلام ٹوٹ غاں بے تکبر کے خطوط میں بھی تہذیب و معنائیں ہے ان میں بھی اپنے عہد کی تصویریں ملتی ہیں۔ لیکن یہ تصویریں تہذیب و تکبر کے مکاتب میں مدغم اور محو و گمشدہ ہیں، غالب کے ہاں عینی جاگتی اور دھار و نظرائی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ غالب کے کمال فن نے ان میں زندگی ڈالی ہے۔ خطوط غالب کی زبان اور اصوب و صورت اردو کے اعلیٰ ترین مکتوباتی ادب کا نمونہ ہیں، بلکہ پوری اردو سخن کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔ اسی لیے ممکن نہیں کہ اردو شری کوئی تاریخ نگہی جائے اور اس میں خطوط غالب کا ذکر نہ ہو۔

سوانح نگاری کے بہترین آغاز خطوط ہوتے ہیں۔ نگار کے خاندانی حالات اس کی زندگی کے بیشتر واقعات اس کے عقائد و نظریات اس کی سیرت و شخصیت کا پیرا علم ان ہی خطوط سے ہوا ہے۔ نگار اپنے بیٹی روننگاروں کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے، اپنے ہم عصروں کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اپنے نیاں اور عود اپنی ذات کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے، ہر سب بہت واضح انداز میں تو نگار کے خطوط میں، اور اکثر ذرا مبہم آپ بیتیں اور انداز لہجہ میں ملے گا۔

خطوط کی ادبی اہمیت کسی طرح بھی تحقیقی نگاروں سے کم نہیں۔ میں طرح ادب کی مختلف اصناف میں اس کا مطالعہ دلچسپی سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح خطوط بھی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں، بلکہ بعض مصنفات کا تو یہ خیال ہے کہ اختصار کی وجہ سے اس صنف کو شری «دوسری اصناف پر فوقیت حاصل ہے اور لوگ اول اور انسانی کے مقابلے میں خطوط کا مطالعہ زیادہ پسند کرتے ہیں»۔

بعض لوگ محض اپنے خطوط کی وجہ سے زندہ ہیں۔ رنگارنگ اور عہد کے خطوط اگرچہ دوسرے اور میرے درجہ کے ہیں اور اکثر خطوط دوسرے لوگوں سے کھوائے گئے ہیں لیکن ان رنگارنگ کا نام اردو ادب میں صرف ان خطوط کی وجہ سے زندہ رہے گا۔ اگر تمام ٹوٹ غاں بے تکبر اردو میں خط نہ دیکھتے تو تاریخ ادب اردو میں ان کا نام صرف غالب کے مکتوب الہی کی حیثیت ہی سے

۱۲۔ نقاب کی مطبوعیت کا راز اُن کے اردو خطوط میں بھی ہے۔ عالی نے ذرا سہانے سے کام لیجئے ہوتے یادگار نقاب میں لکھا ہے :

”یہاں تک دیکھا جاتا ہے موزاکی عام شہرت ہندوستان میں جس قدساں کی اردو لشکر اشاعت سے ہوتی ہے وہی نظم اردو اور نظم فارسی اور شرفاوی سے نہیں ہوتی؟“

جنیور آرٹلے نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ ”کار و نیل این مضروفوں اور تاروں کے بن پر انگریزی ادب میں نندہ نہیں رہے گا جن سے پوری الہادی بھری ہوتی ہے بلکہ وہی شہرت ملاست جو اس کے اور ایمرن کے درمیان ہوتی تھی“ اُس کے سرچ بچا سے وہاں کا آماج رکھے گی :

کتوب نگاری کا کوئی اصول اور ضابطہ مرتب نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر کسی کتوب کے لئے جاسے کا کوئی محرک نہ ہو یا وہ کسی خط کے جواب میں نہ لکھا گیا ہو تو اسے کتوب کہا بہت مشکل ہے۔ ہر اس تحریر کو جو خط کی قدام میں آگئی ہو کتوباتی ادب میں جگہ دینا مناسب نہیں کہیں کہ بعض اوقات اس قدام میں انشا پردازی کے جوہر بھی دکھائے جاتے ہیں۔ اُن کی تحریر کا محرک کوئی اور مقصد ہوتا ہے۔ اردو میں ہوا کلام آزاد کے خطوط، قاضی عبدالغفار کے ”بیل کے خطوط“ کا محرک وہ نہیں تھا جو خط لکھنے کا ہوتا ہے۔ آزاد کے خطوط ابھی انشائیہ ہیں اس طرح مینی کے خطوط دلچسپ ناول کی گھین کرتے ہیں۔ ہنداست جو امرال نہیں رو کی (DISCOVERY OF INDIA) تاریخ کی الہادی میں لکھی جاسے گی۔ جاسن کے بعض خطوط جو اثر نے جیو شرفیلڈ کے ہم لکھے ہیں، مولانا آزاد کے خطوط کے ساتھ دیکھے جائیں گے۔

مکتوبات کا ادبی مرتبہ کچھ بھی ہوا وہ جیسے ہیں یا اچھے، عظیم آدمی کے ہوں یا معمولی انسان کے، ادیب اور شاعر کے ہوں یا سیاست دان کے، ان میں ادبی خوبیاں ہوں یا نہیں، لیکن فن نگاری یا نویسی کے نقطہ نظر سے اُن کی اہمیت ہمیشہ باقی رہے گی۔ کوئی سوج اس جہد میں



لکھے گئے خط کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے جس حد تک وہ سیاسی اور سماجی تاریخ مرتب کیا ہے۔  
 ذاتی خطوط اور معاہدات کے کاروباری خطوط سے انتہائی اہم مواد حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے  
 علاوہ خطوں کے ذریعے ہی آپ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ واقعات جو تاریخی کتابوں کی ذہنت  
 میں ابھی زندہ حقیقت بھی تھے۔ تاریخی واقعات معلوم کرنے کے باعث اور بھی مستحکم ہ  
 جاتے ہیں کہ ان لوگوں کا رد عمل کیا تھا جو ان واقعات کے ذمہ دار تھے اور وہ لوگ کیا  
 سوچ رہے تھے جن پر ان واقعات کا اثر ہوا تھا۔ انہیں ذاتی خطوں، روزناموں اور آپ بیتیوں  
 کا مطالعہ کرنا پڑگا۔ اور شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے عہدوں کا ایک سانس زمین پر کیا اثر پڑا،  
 دلی کی تباہی اور برادری نے ایک شاعر کے قلب و ذہن کو کس طرح متاثر کیا، اگر یہ معلوم  
 کرنا ہے تو کوئی تاریخی کتاب آپ کا ساتھ نہیں دے گی۔ اہم میر تقی میر کی "ذکر میر" میں یہ  
 تاثرات جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں جسے مرزا مظہر اور شاہ ولی اللہ کے خطوط میں یادداشتوں  
 امیروں اور رئیسوں کی، با تکمیل داستانیں تو نہیں ملیں گی لیکن ان کے پیدا کیے ہوئے حالات  
 پر اس حد کے ذہن انسان کے تاثرات ضرور ملیں گے خطوں اور روزناموں میں لکھا جس طرح  
 ہمارے حکام برصغیر میں چکائے گئے، اس میں باخراہ قلم ہونے کا بخیرہ نہیں ہے۔

مکتوب نگاری کا فن انسان ترقی نہ کرے اس کے لیے باقاعدہ کتب خانے کی ضرورت  
 نہیں بلکہ اس کے علاوہ ضرورت بھی ضروری نہیں۔ سوئی سوئی کتابوں کی ضرورت نہیں۔ اس  
 کے لیے یہ جاننے کی بھی ضرورت نہیں کہ آپ سے پہلے استاد اس فن میں کیا کیا کلاں  
 دکھا گئے ہیں پھر بھی خط کے لیے قلم اور حیات سے باز رہا اور کچھ چیزوں کی ضرورت ہے۔  
 فن کی طرح خط لکھنا بہت آسان ہے لیکن ایک اچھا خط یا اچھی فن لکھنا بہت  
 مشکل ہے جس طرح، ضروری نہیں کہ ہر شخص کا خط اہم ہو اسی طرح یہ بھی ضروری  
 نہیں کہ ہر عظیم مکتوب نگار کے تمام خطوط ایک ہی درجے کے ہوں۔ آج سرحد ڈاک سے کوڑا لیا  
 بلکہ انہوں نے خط ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں۔ ان میں کتنے خط ہیں جو مکانی ادب ہیں

ہنگامہ لگیں گے۔ شاہد مہینوں بلکہ برسوں میں دو باتیں۔ اس بات کو ایچ۔ ڈی۔ احمد نے ذرا مختلف انداز میں پیش کیا ہے: ”جہاں تک خطوں کا تعلق ہے پوسٹ آفس کے بغیر بھی میرا کام چل سکتا ہے، کیوں کہ ساری زندگی میں مجھے صرف ایک یا دو خط ایسے ملے ہیں کہ جن میں چند کڑھوس ہوا کہ خاک کے پیسے وصول ہو گئے۔“

مکتوب نگاری کی تاریخ اتنی قدیم ہے جتنی فنِ تحریر کی۔ کاغذ ایجاد ہونے سے پہلے جب انسان رحمت کے بچوں، وحالت کی پلیٹوں، چڑیوں اور مٹی کی لوحوں پر کھتا تھا تب بھی خط لکھے جاتے تھے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے تھے۔ تقریباً تین ہزار سال قبل مغربی ایشیا کے حکمرانوں کی خط و کتابت مصر کے فرعون سے تھی۔ عیسائیوں میں کمر کے مقام پر کھدائی کے دوران تین سو مٹی کی لوحیں مل چکی تھیں جن پر فرعون کے نام خطوط کندہ تھے۔ یونان کے نزدیک جگہ پر اور مورخ ہیرودوٹس کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ قدیم یونان میں خط و کتابت کا رواج تھا۔ انسانی تاریخ میں یہ اعزاز اہل روم کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ مکتوب نگاری کو باقاعدہ فن بنائیں اور اپنی خود اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ اس دور میں روم کے قابل اور بڑے بڑے لوگ بہت دور واقع صوبوں کی گورنری کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ اپنے صوبے کے حالات بتانے اور روم کے حالات جاننے کے لیے خط و کتابت ناگزیر تھی سو اس وجہ کا مکتوب نگار ہے۔

جب اسلام وجود میں آیا تو عرب میں یہ فن غیر ترقی یافتہ صورت میں موجود تھا۔ خط لکھنا ایک پیشہ تھا۔ اس پیشے کے اختیار کرنے والے کو کتاب کہا جاتا تھا۔ آنحضرتؐ کے عہد میں اس فن نے خاطر خواہ ترقی کی۔ خود آنحضرتؐ کے خطوط موجود ہیں۔ مسلمانوں میں خط و کتابت کی ترقی کے تقریباً وہی اسباب ہیں جو روم میں تھے۔ ایسی سیاسی ضرورت حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے خط و کتابت کی اہمیت کے پیش نظر پہلی بار دارالافتاء قائم کیا۔ ایک سرکاری محکمہ میں تھا۔ باقی تمام صوبوں میں سرکاری سطح پر ایسے محکمے قائم

کے گئے۔ ہمارا انطا صرف اتنی اور قابل لوگوں کے سپرد رہی، حضرت عمر کا قصہ صرف کہ  
صوبہ دار اپنے اپنے صوبوں کے معاملات اس طریقہ بیان کریں کہ پوری تصویر سامنے آجائے۔  
چنانچہ صوبہ دار ہمیشہ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ میں نے مصر کی فتح پر حضرت عمر کو جو خط لکھا تھا  
وہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اس جہد میں غلطی و کوتاہی صرف کاہل و بالک ہی محدود نہیں تھی  
بلکہ بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے انھیں دنیا کے کتابانی ادب میں اتنی مقام حاصل ہے۔  
اس خط کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

امیر المومنین کا مکتوب گرامی اللہ انھیں آفریں سلامت کے ساتھ اور فرما  
ہوا جس میں مجھ سے مصر کے متعلق تفصیلات طلب کی گئی ہیں۔ امیر المومنین !  
مصر ایک نہایت عزیز اور سرسبز و شاداب جگہ ہے۔ اس کا طول ایک ہجرت اور  
عرض اس ہجرت کی مسافت ہے۔ اسے ایک نعلی رنگ کے پہاڑ اور  
فاسٹری رنگ کے ایک رنگ دار نے ہاؤں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اس کے  
وسط میں دیارے نیل رہتا ہے۔ جس کا نعام عمر بہت کم ہے اور روانی شبہ سود۔  
اس کا پہاڑ کبھی تیز ہوا ہے اور کبھی شستہ جیسے آفتاب و اہتاب کی رفتار۔  
مخصوص اوقات میں اس کی لہریں اتنی سفید اور شیریں ہوتی ہیں کہ دودھ کی  
دھاری معلوم ہوتے گئی ہیں اور کھانا اس پر بھینستا ہے۔ زمین کے پتے اور  
تیز رونے جب اس میں طغیانی پیدا کر دیتے ہیں تو وہ ہنگاموں سے لگتا ہے  
اور جب اس کی سوا میں جہد ہو کر کناروں کو چھاند جاتی ہے تو پھل جیسی خوشبو  
اور پکی پکی آؤگیوں کے سوا ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا غیر رنگ ہوتا ہے۔  
اور وہ کشمیاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہاؤں میں مٹیس ڈھلتے دن کی  
چاندنی کیسے شیریں ہے جب اس کی طغیانی مستجاب کو پہنچ جاتی ہے تو وہ  
جس شان سے چڑھا تھا اسی شان سے اُٹنے پڑتا ہے اور جاتا ہے۔ اس وقت

لوگ نکلے ہیں زمین گود کر اس میں دانہ ڈالتے ہیں اور پردہ نگار سے اس کے پھلے  
 اور چولے کے امید دار ہوتے ہیں جو لوگ صحت نہیں کرتے وہ بھی بطور کسی  
 ہجو جہد کے اس سے بھل پاتے ہیں جب دانہ چھوٹا ہے تو میں اسے پانی پانی  
 ہے اور زمین اسے نغذا ہم پہنچاتی ہے۔ اور اس وقت یا امیر المؤمنین مصر کی  
 زمین ننگ برنگ کے بولے بدلتی ہے۔ اسی چمکا موتی ہے تو اسی منیر شہب  
 اسی زمرود سبز ہے تو اسی گندمی چہرہ۔ پاک ہے وہ خالی کائنات میں نے مصر  
 کو ان نعمتوں سے نوازا اور رونق و آبادی سے اختیار بخشا۔ البتہ یہاں کسی  
 جڑے آدمی کے خلق معمولی آدمی کی بات نہیں مانی جاتی اور یہاں کا خراج  
 و قسٹ جوتہ سے پہلے وصول نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہاں  
 کی آمدنی کا تنہائی حصہ نہروں اور یلوں کے کام میں صرف ہوتا رہے۔ جب  
 یہاں کے حالات استحکام پذیر ہو جائیں گے تو آمدنی بڑھ جائے گی۔ آئندہ  
 انہم میں خدا سے بزرگ و برتری تو فیق عطا کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت زید  
 بن ثابتؓ کا تب کے فرائض انہام دیتے تھے حضرت عمرؓ کے کا تب حضرت زید بن ثابتؓ  
 حضرت عبداللہ بن ابی بن خلفؓ تھے۔ حضرت عثمانؓ یہ کام مروان بن الحکم سے لیتے تھے حضرت علیؓ  
 کے عہد میں حضرت عبد بن ابی رافعؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ ابجدانی یہ کام کرتے تھے۔  
 اسلامی حکومتوں میں جو یہ اور بنی عباس کے عہد میں اس میں لے خوب ترقی کی اور اس  
 ملک کا نام بڑھا اور افراط پڑ گیا۔ اسوں اور شیخ کے زمانے سے ہی فارسی زبان کو ابھی خاصی  
 اہمیت حاصل ہو چکی تھی انہوں نے یہاں جہاں اپنی حکومتیں قائم کیں وہاں سے عربی کو نکال  
 دیا جس کا اثر فطری طور پر عطا و کثرت پر بھی پڑا۔ یہاں سے فارسی لٹاک کی ترویج شروع ہوئی ہے  
 جب کہ انہوں نے دولت و عباسیہ کا خاتمہ کر دیا تو عربی کا اہم سہا و قیاد بھی ختم ہو گیا اور

فارسی افشا کو طرہ سے اپنے کام کو ختم کر گیا۔

خطا کھینے والوں کو پہلے کتاب کہا ہوتا تھا۔ لیکن اب فارسی زبان کے زیر اثر انھیں  
دعوت دار اور اہل فتنہ کہا جانے لگا۔ مسلمانوں میں وزارت کا مستقل عہدہ قائم ہونے تک  
مشینوں کو بادشاہ سے سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔

فنِ مکتوب نگاری پر فارسی میں بہت کتابیں لکھی گئیں۔ خطوط کے مجموعے مرتب ہوئے۔  
شہید الدین فضل اللہ کے مکتب کا مجموعہ منشاۃ الرشیدی کے نام سے مرتب ہوا۔ مولانا  
عبدالرحمن جامی کے خطوط مرقعات جامی "مکتبہ ادب کا اہم سرمایہ ہیں۔

انگریزی کے مکتوب نگاروں میں سب سے پہلے ولیم کوپر اور چارلس ایسب کے نام آتے  
ہیں۔ دونوں زندگی کے چنگاموں سے دور تھے۔ لیکن ان دونوں کو خط کھینے کا لائق تھا۔  
روزمرہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات سے انھوں نے اپنے خطوط کا مواد حاصل کیا ہے۔  
عورتوں میں تھامس کارڈائل کی بیوی مین کارڈائل اور فرانس کی ماہم ڈی سیون نے نصیر قادیان  
خطوط کھینچے ہیں۔

# شگفتنِ گل ہائے ناز

کسی بھی فنِ کدک کی تخلیقی قوتیں عام طور پر بچپاس برس کی عمر کے بعد سلب ہوتی شروع ہوتی ہیں۔ اس کے بعد یہ تو ممکن ہے کہ فنی سطح پر بہت اور اسلوب میں کچھ اور زیادہ پہنچے اور نکھار پیدا ہو جائے لیکن جہاں تک اس کے تخلیقی عمل کا تعلق ہے جس میں فکر و احساس اور جذبہ شامل ہے، فکر زیادہ تر خود کو دہرائے لگتا ہے۔ اس کی اصل وجہ کیا ہے، اس پر تو اہلِ نفسیات ہی بہتر طریقے سے روشنی ڈال سکتے ہیں لیکن عام خیال یہی ہے کہ بچپاس کے بعد چونکہ لٹکار کے قوی شخص ہونے لگتے ہیں، اس لیے جذبے اور احساس میں وہ شدت پاتی نہیں رہتی اور فکر کے سوتے خشک ہونے لگتے ہیں۔ تاہم اس عمر میں عقلیت اور قوتِ استدلال بڑھ جاتی ہے، لہٰذا خیال میں خلقی پہلو زیادہ آجاکر ہونے لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فکر جوش اور دلہلے سے محروم ہو جاتا ہے۔ غالب نے اپنی اس کیفیت کا اظہار نظم اور نثر دونوں میں کیا ہے :

سطن میں نہایت قاتلب کی آتشِ انسانی

بچیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اُس میں دم کیا ہے

یہی بات نثری پہلو سے ہیں ایک خط میں قاتلب نے ان الفاظ میں کہی ہے :

شعرا شعرا اعضا و جوارح کا کام نہیں، دل چاہیے، واریع چاہیے، انوکھ  
 چاہیے، سنگ چاہیے۔ یہ ساری کہاں سے لائیں جو شعر کہیں، چونکھیں  
 کی عمر، دلوں، شباب کہاں؟ رعایت کن، اس کے اسباب کہاں، انا و ہذا  
 ذی انا و السیمہ ناجلوں :

یام چہ عمری صبا لغیر خود

شاعری اور خاص طور سے غزل کا حسن ایک خاصہ و اختصار، موزون کنایہ، اندازیت،  
 اجمال اور آہنگ میں ہے شاعری عام طور سے عقلیت اور منطقی استدلال کی عمل نہیں  
 ہوتی، جبکہ شعر مطالبہ کرتی ہے عقلیت کا فکری اور منطقی استدلال کا اور تفصیل و  
 جزئیات اور قطعیت اور محدودیت کا۔

شاعری آراء و نظریات کے بغیر ممکن نہیں، اور آراء و نظریات کے لیے جس تک سوئی،  
 جوش و ولولہ، ذہنی و جسمانی طاقت و صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، غالب کے  
 آخری حصے میں اس سے محروم ہو چکے تھے۔ اسی لیے وہ شاعری اور خاص طور سے فارسی  
 شاعری اور فارسی نثر نگاری سے دامن بچانے لگے تھے۔ حال آنکہ غالب کی زندگی کا  
 بڑا حصہ وہ ہے جس میں ذہنی پریشانیوں نے بھی انھیں شعر گوئی سے باز رکھا۔

غالب کے قلمی حصے محدود ہو چکے تھے، لیکن ان کے دماغ کی آگ روشن تھی بلکہ کائنات  
 کے شعور اور ذات کی آگہی نے اس آگ کو روشن تر کر دیا تو چہرے اور مشاہدوں نے فکر  
 میں زیادہ بہشتی و بالیدگی، احساس میں زیادہ گہرائی اور گیرائی اور جذبات میں تعمیق و پیرا  
 کر دیا تھا۔

غالب نے اردو میں خطوط مندرجہ کتب شروع کیے تھے لیکن خطوط نویسی میں داخلہ  
 کے امکانات نے بہت جلد ان کے اندر چھپے ہوئے اس لشکر کو جنگوں جو روایت و  
 قافیے کی مشقت سے تھک کر موگیا تھا۔ یہاں برس کے بعد فکر کے ذہن، جذبے

اور فکر میں رہنے والی وہ تہذیبوں جو تخلیقی عمل کے راستے میں نکاوٹ بن جاتی ہیں۔ انظر کے اس نئے وسیع اور کشادہ میدان میں غالب کے لیے بہت بڑا اثاثہ ثابت ہوئی۔ غالب کی نثر نگاری کا آغاز فارسی کی منہج آہنگ سے ہوا۔ یہ کتاب مشعلہ میں مرتب ہوئی تھی لیکن اس کے شائع ہونے کی نوبت ۱۲۳۲ھ میں آئی۔ "منہج آہنگ" کے ابتدائی دو آہنگوں میں سے غالب نے پہلے آہنگ میں القاب و آداب لکھنے کے طریقوں سے بحث کی اور دوسرے آہنگ میں بعض مصداقہ مصطلحات اور فارسی الفاظ کے معنی و معنیوں بیان کیے ہیں۔ باقی تین آہنگوں میں غالب کے اشعار، تعاریف اور عبادات متفرقہ اور فارسی اصطلاح کا انتخاب شامل ہیں۔ غالب کی دوسری فارسی کتاب "مہر بہروز" سے یہ عناصر ان تصویروں کی آرائش کی پہلی جلد ہے۔ دوسری جلد مکمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کا اردو مسودہ غالب کو ملتا تھا اور غالب اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا کرتے تھے۔ مشعلہ ایک غالب کا نظری سراہ فارسی میں ہے دو کتابیں اور غامض تصاویر فارسی اور اردو خطوط تھا۔ مشعلہ کے انقلاب کی وجہ سے غالب تنہائی اور گوشہ گیری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے کہیں سے سواری محمد حسین تبریزی کی مشہور لغت "برہان القاطع" اور "دوسمیر" بحر انگلیں زندگی کے تلخ حقائق سے غبار حاصل کرنے اور ذہنی اعتبار سے خود کو مصروف رکھنے کے لیے غالب نے خود کو ان کتابوں کے مطالعے میں فرق کر دیا "برہان القاطع" کے مطالعے کے دوران انھیں محمد حسین تبریزی سے اختلافات ہوئے۔ ایک دلچسپ مشغلہ بحر انگلیں انھوں نے سامنے پر اختلافات درج کر دیے۔ اس طرح گویا غالب کے علمی کام کا آغاز ہوا۔ اسی غالب "برہان القاطع" کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انھیں "وزن" کے انداز میں ایک کتاب "کوستنبو" لکھنے کا خیال آیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "کوستنبو" لکھنے کے لیے انھوں نے "برہان القاطع" کا مطالعہ شروع کیا ہو۔ اتفاق کی اصل اور ان کے سنی پر غور کرتے ہوئے غالب کو خیال آیا کہ "کوستنبو" ایسی فارسی میں لکھی جائے جس میں ایک لفظ بھی عربی کا نہ لگے۔



”کوسستو“ کی حمایت کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ غالب پر مغربی حکومت پر اپنی بے گانی ثابت کریں، لیکن انھوں نے سہا کر کہیں نہ گئے، انھوں انگریزوں پر اپنی مغربی دانی کا سکہ بھی بٹھا دیا جالتے۔ یہ ہر حال شبہ کاری میں ایک اور مشغلہ داخل آیا۔ کچھ وقت ”کوسستو“ کے بھٹنے میں لگا اور کچھ اس کی طاعت کے اہتمام میں۔ کچھ عرصے بعد ”برائن فاطمہ پڑھتھنا“ ترتیب دے کر ”فاطمہ پڑھان“ کے نام سے شائع کیے۔ کتاب کا چھوٹا تھا کہ خود غالب پر اعتراضات کی بوجھاؤ ہوگئی۔ بعض اہل علم پر چھیاں اور بھالے لے کر غالب کی طرف دوڑے پھر تو ایک شغل مشغلہ داخل آیا۔ اس مصر کے میں غالب نے ”مہر غالب“ اور ”شیرخیز“ دو سالے اپنے نام سے شائع کیے اور دو سالے ”لطائف نجیبی“ میں داد و تحائف کیا۔ ان کے نام سے اور ”سوانح عبدالعزیز“ عبدالعزیز کے نام سے شائع کیے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غالب نے یہ ملی کام زندگی کے اس حصے میں کیا، جب انھیں سب سے زیادہ ذہنی پریشانیوں کا سامنا تھا، صحت جواب دے چکی تھی، اور یہ قول اُن کے بے دوست دیا: ”جو بچکے تھے، یہ سب وقت گزارنے کے مشغلے تھے۔ اس سلسلے کا سب سے اہم مشغلہ تھا مخطوطات نویسی۔ ملی رسائل میں مصروف رہ کر غالب کچھ دیر کے لیے خود کو بھول جاتے تھے، کتابیں پڑھاتے تھے، لیکن مخطوطات کے سہارے تو انھوں نے ایک بزم سجادگی تھی، جس میں اُن کے عزیز، دوست، مستند، مداح، ممدوح اور شاگرد سب ہی شریک تھے۔ اس بزم کی فضا اکثر شگفتہ اور تھیںج و تکلف سے پاک رہتی۔ غالب ان اہل بزم کو اپنے دکھ درد میں شریک کرتے۔ اپنی ناکامیوں کا ماتم کرتے اور کھاسا ہوں پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے۔ یہی نہیں بلکہ غالب اس بزم میں شریک ہونے والوں کی خوشی اور غم میں خود بھی باہر کے شریک رہتے۔“

غالب کے مخطوطات کی غزیر میں صرف مطلق، استدلال کی نہیں بلکہ اس میں ضمیر بجا ہند، اور ایک غمزدہ طرز فکر دھسا ہے جو سوچ، تہ نشیں کی طرح جلدی و ساری نظر آتا ہے۔ ان

خطوط میں ناکب کی علامتِ صدامیت اور خیر کے ہم آہنگ ستاروں شاعرانہ سنانی بھرپور امکانات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ ان میں تہرات اور احساسات کی رنگارنگی ہے۔ اجتماعی تجربے میں اور ذاتی وارثات میں۔ ایک فرد کی آواز بھی ہے اور پورے عہد کی گونج بھی۔ خطوطِ ناکب اس عہد کے ہندوستان کی تاریخ میں رونما ہونے والی اہم ترین سیاسی، سماجی اور تہذیبی انگریز اور ہندوستانی تہذیبوں کا ردِ عمل بھی ہیں اور ایک فرد کی ایسی ہیئتوں کا ناکیوں کی داستان بھی۔ غرض انسان کی روزمرہ زندگی اور اس کے سنانی کی گونج بھرپور طریقے پر اردو نثر میں پہلی بار خطوطِ ناکب ہی میں سُنانی دیتی ہے۔

وہ ناکب جو شاعری میں پوری کائنات سے مابذہ طلب ہے اور ہر جی طاقت سے بہرہ آزاد ہے، خطوط میں اپنی معمولی ضرورتوں اور احتیاجوں کے حصار میں گرفتار نظر آتا ہے۔ وہ اہلِ فروت کے سامنے کارِ گدائی لیے کھڑا ہے۔ نواب کلب علی خاں کے دربار میں گواگزار و دُعا میں دے رہا ہے۔ کبھی کہتا ہے ”خدا حضرت کو سلامت رکھے، اچھے اچھے کو بہ خواجہ خدمتِ خواہ دیتے ہو۔“ اور کبھی عرض کرتا ہے ”مختصر یہ کہ اب میری ماں اور ابو آپ کے ہاتھ ہے مگر حضور جو عطا فرماتا ہے جلد ارشاد ہو۔“

زندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں ہیں کہ ہم

اٹے پھر آئے، وہ کسبہ اگر وا نہ ہوا

شاعری میں خود بینی و خود داری کا عظیم تصور پیش کرنے والا انسان انگریزوں کے ہندوستانی غلبے کی خوشامد میں زمین و آسمان کے قتل ہے اور بے گناہ ہے۔ غلامِ غوث خاں کے تجربہ دوسرے بلکہ تیسرے دہے کے شاعر ہیں۔ چون کہ صوبہِ غریب و شمال کے فضائے گہرے کے سیرِ شخصی ہیں، ناکب انہیں سمجھتے ہیں۔

”اور وہ ابتدا میں حضرت کی غولِ لطفِ فروز ہوتی۔ کیا کہتا ہے جلد اس کو کہتے ہیں، ہندو طرز اس کا نام ہے۔ جوڑھنگ تازہ لویاں، ایمان کے

نہال میں نہ گھبرا تھا، وہ تم ہوسے کھڑے تھے :

۱۰۔ جنوری ۱۹۷۷ء

امیر خسرو کے علاوہ غالب ہندوستان کے کسی اور قدسی شاعر کو تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن اپنے ایک شاگرد اور تیسرے دہے کے شاعر غالبؒ اور احمد درویشؒ کے درمیان غلام جہاں شفیقؒ کو ایک غلطی سمجھتے ہیں :

”خوشاد میرؒ اسٹیوہ نہیں ہے، جو ان خواہوں کی حقیقت میری نظریں ہے،  
وہ مجھ سے بڑی بڑی اور میرے دل پہنے کی داد دیجئے، مولانا شفیقؒ نے متذہب  
یعنی امیر خسروؒ و سہریؒ و جاتیؒ کی روش کو سرحد کمال کو پہنچا ہے اور میرؒ  
قبلہ کہہ مولانا شفیقؒ اور مولانا قاسمیؒ اور مولانا عسکریؒ متاخرین ہیں صاحب و  
کلیف و قدسی کے انداز کو اسانہ ہلے گئے ہیں :

غالبؒ نے شاعری میں اپنی ایک تخلیق اور مثالی شخصیت کا بٹ تراش رکھا تھا، لیکن  
غلط میں ہیں، جو شخصیت نظر آتی ہے اس میں انسانی کردار کی بلندی بھی ہے اور پستی بھی۔  
خود داری اور خود نگری بھی ہے اور خوشامد و تسلی اور در پوزہ گیری بھی، حق و صداقت بھی ہے  
اور دروغ گوئی و سبقت کشی بھی۔

وہ پھر طوالت کوئے طاقت کو جانتے ہے

ہند کا صنم کہہ دیاں کیے ہوئے

کی تفسیر میں ان غلطیاں نظر آتی ہے۔

تہی دستی، غسلی، ناقہ دی، بے حرفی اور آکا کی غالبؒ کی حسرتِ تمیز کا کچھ گیا نہیں  
بجلا سکی، زندگی کے آخری لمحوں تک وہ زندہ رہنے کے لیے جہاد کرتے رہے۔

اگر غالبؒ میں بغیر معمولی قوتِ امدادی اور زندہ رہنے کا سلیقہ نہ ہوتا تو وہ مرے  
سے بہت پہلے مر گئے ہوتے۔

ان خطوط میں زندگی اپنی تمام رعنائیوں، دکھائیوں، بلند پایوں، پسندوں اور پیچیدگیوں کے ساتھ جلو گر نظر آتی ہے۔ شاعری میں ناکب کی آواز ہمیں کافی دور سے سنائی دیتی ہے، لیکن خطوط میں وہ چہلے ساتھ نظر کر ہم سے محو گشتگو ہیں۔ شاعری میں وہ چہلے سے دور اور پہلے نفسیاتی الجھنوں کا سداوا ایک مفکر فلسفی، اصولی اور ایک انسانی مصلح کی حیثیت سے کرتے ہیں لیکن خطوط میں وہ ایک حقیقت پرند اور ملی انسان کی حیثیت سے چہلے سے دور اور خوشی و غم میں شریک ہوتے ہیں۔ ان خطوط میں ہیں ایک منطقی دماغ کا نہیں بلکہ ایک محاس اور دھڑکنے والے دل اور سانس لینے والی زندگی کے وجود کا احساس رہتا ہے۔

ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناکب کی دنیا بہت وسیع ہے، اگر صرف اپنی انگریز عہدیداروں کے حالات کا جائزہ لیا جائے جن سے ناکب کے تعلقات تھے، ان سے پیشین کے وسط میں ناکب نے رابطہ قائم کیا تھا تو انیسویں صدی کے نصف اول کے ہندوستان میں برطانوی حکومت کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ چہلے سے ملتا ہے۔ اگر ان فارسی شاعروں اور فلسفہ نویسوں کا تذکرہ مرتب کیا جائے جن کا ذکر ناکب کے خطوط میں آتا ہے تو فارسی ادب کی ایک ایسی تاریخ مرتب ہو جائے گی، جس میں فارسی کے اہم ترین ایرانی اور ہندوستانی شعرا کا ذکر ہوگا، اسی طرح اردو شاعروں اور ادیبوں کا بھی نسبتاً ایک مختصر سا تذکرہ ان خطوط کی بنیاد پر مرتب کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم صرف ’مستند‘ اور ناکب کے خطوط کے حوالے سے شعراء کی بناوت کا مطالعہ کریں تو اس سے متعلق بیشتر اہم حقائق اور تفصیلات چہلے نظر میں آتی ہیں۔ اس لیے ناکب کے عہد کی سماجی، تہذیبی اور سیاسی زندگی کے مطالعے کے لیے بھی خطوط ناکب اہم ترین ماخذ ہیں۔

ناکب کے عہد کی بعض رہائشوں مثلاً رام پور، بیکانیر، اور ’بھرت پور‘ وغیرہ پور، ’لوہا پور‘، ’مہد آباد‘، ’ادو‘، ’بے پور‘، ’بالہ‘ وغیرہ کے حالات پر بھی ناکب کے

خطوط سے کہہ نہ سکتے رہتی ہے۔

قلب کی گفتگو میں جو عود اعتمادی اور ان کی شخصیت میں جو تاب و توانائی ہے، اس کے لیے شخصیت کا مفرد ہونا ضروری ہے اور مفرد شخصیت اسی کی بنتی ہے جس نے اپنی انانیت نگہ بندی کی ہو۔

مفرد قلب کے جلوہ صد رنگ میں سب سے زیادہ ٹیکھا اور شمع رنگ قلب کی آواز اور انفرادیت کا ہی ہے۔ انفرادیت تو ہر انسان کی ہوتی ہے لیکن عام انسانوں کی انفرادیت کی لواٹنی مدغم ہوتی ہے کہ مخصوص سماجی گروہ یا طبقے کی اجتماعی انفرادیت کی تمیز دہنی میں گم ہو کر رہ جاتی ہے اور صرف انسانی نفسیات کے امر بنی نفسیات ہی اس دہلی ہوئی اور کمزور انفرادیت کو تلاقی کر پاتے ہیں۔

انفرادیت کو فردیغ اُتاسے حاصل ہوتا ہے جس انسان کی آواز میں جتنی زیادہ قوت ہوگی اتنی ہی اس کی انفرادیت بلند ہوگی، اُن کے سرچشمے منکث ہیں، نو انسانی وقار، علم و فن، سیاسی اقتدار اور دولت وغیرہ۔ اُن سے انفرادیت حاصل ہوتی ہے اور انفرادیت سے شہرت اور عزت، شہرت فرد کے سماجی گروہ تک محدود رہے گی یا پھرے تک میں پھیلے گی یا نہاں و مٹکائی کی قیود سے آزاد ہوگی، اس کا انحصار انفرادیت کی قوت پر ہوتا ہے۔ فرد میں انفرادیت کی لئے جتنی زیادہ تمیز ہوگی، اتنی ہی اس کی شہرت ہوگی۔ قلب کی آواز میں زبردست توانائی ہے، اور اس آواز کے سرچشمے تین ہیں، خاندانی وقار، مہابت، امن اور قاری تان۔ جاگیر داری نظام میں خاندانی جبری کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بقا فرد کی قدر و قیمت اُس کی اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ اُس کے حسب نسب پر ہوتی ہے۔ قلب کو اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لیے خاندان کے مسئلے میں دروغ گوئی سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ قول قاضی عبدالودود :

قلب نے پہلے اپنے کو رنگ و رنگ الماریاں انسل کہا اور پھر اس کے کہ

اس کی تردید کریں، ایلوچیوں کو چنگوڑ کا دوسرے کھانا اس کے بعد اپنے کو سلجھاتی کہا  
 اور بالآخر سجدہ برکبارق کی اولاد ہونے کے ملنے ہوئے۔ . . . . ڈاکٹر یوسف عین  
 کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ قاتل اور بک تھے۔ ہند میں اس کے  
 ساتھ خوشگور قصوات وابستہ نہیں مگر جن ایک کی طرف گیا، جو اور کچھ ہیں  
 تو اس کا قافیہ ہو سکتا تھا!

فلذی دانی کا لہجہ سوال کے لیے قاتل نے "قاتل برہن" کا فضیلت کھڑا کیا۔ یہ  
 قاتل کی فضیلت کا نذر تھا اور قاتل پر بہت زیادہ ملے ہوئے تھے لیکن قاتل نے بہت  
 نہیں ہادی یہ معرکہ ادنیٰ مباحث سے گزر کر گالی گلوچ تک پہنچا اور لوہہ پہاں تک آئی  
 کہ قاتل کو عدالت کا دروازہ کھٹکنا پڑا۔ اگرچہ برہن قاتل پر قاتل کے کافی اعتراضات  
 بے بنیاد تھے لیکن یہ ادنیٰ معرکہ قاتل کی حد سے بڑھی ہوئی انفرادیت کا بہت بڑا ثبوت  
 ہے۔

فلذی دانی غیر معمولی قدت ثابت کرنے کے لیے قاتل کو کسی بھی اپنے مزاج کے  
 خلاف پتھر سے بازیوں سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ مثلاً انھوں نے "دوستیو" پر قول اُن کے خاص  
 فلذی قدیم میں لکھی ہے۔ اس کے بارے میں مزید گویا نقد کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں،  
 "میں نے آغازِ بزم میں مشفقہ سے سی و یکم جولائی ۱۸۷۷ء تک دواؤں پر  
 اور اپنی سگدشت میں چندہ بیٹے کا حال نظر میں رکھا ہے اور اقرار اس کا  
 کیا ہے کہ "دوستیو کی عبارت میں اپنی قدیم لکھی جائے اور کوئی نقد عربی  
 نہ آئے۔" ————— ہندیم گنت مشفقہ

پوری احتیاط کے باوجود عربی کے کچھ الفاظ "دوستیو" میں شامل ہو ہی گئے۔  
 فلذی زبان پر اپنی غیر معمولی قدت ثابت کرنے کے لیے اگر قاتل نے "دوستیو"  
 اور قاتل برہن "بھیمی کتا ہیں لکھیں یا دوستوں اور شاگردوں کے نام خطوں میں ہندوستانی

لڑائیوں اور سخت جدوں کو جو بُرا بھلا کہا اور گالیاں دی تو چلے کوئی بات نہیں۔  
 ختم ہے کہ فاقب فواب کلب علی خاں سے ایسا ہو گئے اور یہ دوسوہاک اگر فواب صاحب نے  
 نما من ہو کر تھوڑا ہندو کی توڑ میں تکتے نظر آئے لگیں گے۔ پورا یہ کہ فاقب اور فواب  
 صاحب میں کچھ فلاسی الفاظ پر بحث ہو گئی۔ فواب صاحب نے ایک خط میں فاقب کو  
 لکھا کہ "ارتنگ" متھو المعنی میں اور "آشیں" راجن و بستن و چیدن "گھوٹا  
 بنانے کے معنی میں آتا ہے۔

فاقب نے فواب صاحب کو اس کے جواب میں لکھا،

"ظہیر اشودہ قدما کا مستند، اُن لوگوں کے کلام کا عاشق، مگر جو حقائق اُن کے  
 کلام میں ہیں، اُن کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے اُگلے دی ہیں  
 اُن کے قیاس پر کہوں کہ نگید کروں۔ اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ "ارتنگ و  
 ارتنگ" متھو المعنی اور "آشیں" راجن و بستن و چیدن "گھوٹا بنانے  
 کے معنی پر ہے، تو میں نے بے تکلف ان لیا، لیکن ذہن صاحبوں کے  
 قیاس کے پر سوچ، بلکہ اپنے خداوند نعمت کے حکم کے مطابق، "اے اکتھو پوتلہ  
 ظاہر ہے کہ اس خط کا فواب صاحب پر بُرا اثر ہوا۔ انھوں نے فاقب کی تھوڑا تو  
 ہند نہیں کی لیکن پھر اپنی نظر اصلاح کے لیے فاقب کو کہیں نہیں بھیجا۔

فاقب داسے عام میں نہیں مڑا ہوتا ہے۔ وہ جب غلامی مڑا دیتے ہیں تو سر پر بھی ہاتھ  
 پھیرا دیتے ہیں انھیں اپنی وہ ہیئت و حالت غلطی پسند نہیں تھی، جو عوام الناس کی ہو۔  
 خط کے الفاظوں کے انتخاب میں بھی ان کی غلط رویت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ انھیں  
 غشی کشیدہ نرائی کر آم کے بجائے ہوسے اٹالے صرف اس لیے پسند نہیں کہ اُن پر عام  
 انداز میں "مہ مقام" اور "دہ مقام" اور "اے دکر دیا" بھجوا ہوا ہے۔

یہ فاقب کی آکاہی تھی جو انھیں دوسروں کو بددعا دیکھنے پر مجبور کرتی تھی کہ خط کے

چتر دست اُن کا نام اور دلی لکھا جائے۔ اگر کوئی پتا ذرا تفصیل سے لکھتا تو بلاخرچہ ملتا  
 بعض اوقات اپنی برائگی کا اظہار بہت دلچسپ انداز میں کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ملانی کی  
 جراثیم آئی تو ملات سے اُن کا پتا پوچھ لیا۔ ملات تو ہلکا اٹھے۔ ملانی کے نام  
 ایک خط میں لکھتے ہیں،

”میرا صاحب حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہاں مرد کو دو ہزار برس  
 گنا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جوان ہے لیکن کچھ کہتے ہیں۔ یہ حال  
 تھوڑی قوم کا ہے۔ قسم شرعی لگا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کس کی عزت  
 اور نام آوری چہرے کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے اور تم صاحب بھی جانتے  
 ہو مگر جب تم گناہ سے قطع نظر نہ کرو اور اس سفر سے کو گناہ و ذلیل نہ کرو  
 تو تم کو چین د آئے گا۔ پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزار ہا خط  
 اٹھانے پر تائب سے آئے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محل نہیں لکھتے بہت  
 لوگ ایسے ہیں کہ محلہ ساہن کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خط فارسی اور  
 انگریزی، یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے، صرف شہر کا نام اور میر (نام)  
 بہت مراتب تم جانتے ہو اور اُن خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور میر لکھتے  
 پوچھتے ہو کہ کہاں سکے بنا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں، نہ ہی اہل  
 محلہ میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ اور خانہ نہ لکھا جائے، میر کا  
 میر لکھنا پائے۔ اب صرف ”دلی“ لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے تو کچھ نہیں  
 میں مناسن: ۲ اپریل ۱۹۹۱ء

نواب انور الدولہ نے ملات کا پتا ذرا تفصیل سے لکھ دیا۔ دیکھیے ملانی کی گداری  
 ”خط کا عنوان دیکھ کر میں سمجھا کہ شاید شہر کے محلات کی کوئی غیر مست  
 پڑوسیوں کے جیسے وخرچ کا حساب ہے۔“ ————— (دعا کا ہے سر)





انہوں نے بند کر دیا ہے۔ نقاب کے پہنچ آہنگ کے آہنگ اول میں اپنا ہے موقوف اس طرح بیان کیا ہے۔

”مکتوب الہ کو اس کی حیثیت کے مطابق پکارتا ہوں (یعنی القاب

لکھتا ہوں) القاب اور آداب اور عافیت مشورۃ نامہ ہے“ (غرض سے توجہ)

اردو خطوط میں القاب سمجھتے ہوئے نقاب کا بالکل یہی رویہ ہے۔ وہ مخاطب کی حیثیت کے مطابق چوڑا سا القاب لکھ کر مطلب کی بات بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے خطوط کی تعداد بہت کم ہے، جن میں القاب نہیں لکھے گئے۔

عام طور سے صرف القاب چڑھ کر ہیں مکتوب الہ سے نقاب کے ذہنی نشے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان القابوں میں بے تکلفی، بے ساختگی اور گفتگو کا انداز ہے۔ کبھی یہ القاب خط کے مضمون کے مطابق ہوتے ہیں۔ نقاب نے علاقائی کے نام خطوط میں حسب ذیل القاب لکھے ہیں :

”اے مولانا علاقائی۔ مرزا علاقائی مولائی۔ میری جان۔ صاحب۔ جانا مالیشہ

مرزا۔ میاں۔ سداوت و انتہائی نشان۔ پارہ چشمیہ گویا بھائی مولانا علاقائی لکھڑ

نقشہ کے نام خطوط کے القاب ملاحظہ ہوں :

”بھادان۔ بندہ پرہ۔ کاسٹا دل کے نام دو ہفتہ، خوشی ہر گواہ نقاد

نظر و لغت بگڑ۔ اے مرزا نقاد۔ برخوردار۔ میرے مہربان“

میر بہدی بخوج کے نام ایک خط میں جو القاب لکھا ہے، اس سے خط کے مضمون کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ نقاب لکھتے ہیں : ”جو اسے حال دہلی و اندر سلام لو“ اور یہ صرف القاب ہی نہیں بلکہ ایک موضوع مصرع بھی ہے۔

نقاب اپنے چھوڑوں کو بھادان۔ سید صاحب۔ میاں۔ صاحب۔ سید۔

قوت و دل بند۔ مرزا۔ میری جان۔ برخوردار۔ بھائی، نور چشم۔ راحت جان۔ انتہائی نشان

جہان میں ۔ سعادت و اقبال نشان ۔ سعادت نشاناً و غیرہ جیسے القاب رکھتے ہیں ۔

جب نقاب اپنے ہم عمروں اور ایسے لوگوں کو عطا رکھتے ، جن کا بگڑ ساجی و فساد تھا ، خواہ وہ نقاب کے ساتھ گرد ہی کیوں نہ ہوں ، تو نقاب القاب میں بے تکلفی سے کام نہ لیتے ۔ خواجہ غلام غوث خاں بے کبر ، نواب انور الدولہ شفیق اور شیخ زادہ بشیر الدہری جیسے لوگوں کو پیر و مرشد ، ہندو پروردہ ، جناب عالی ، قبلہ و کعبہ ، قبلہ حاجات اور خدا و تدبیرت جیسے القاب رکھتے ہیں ۔

بعض لوگ ایسے ہی تھے ، جن کی سماجی حیثیت سے مرعوب ہو کر نقاب طویل اور پُر تصنع القاب بھی رکھتے تھے ۔ نواب میر غلام بابا خاں کے نام عسوط میں نقاب نے اسی طریق کے القاب رکھے ہیں :

” سبحان اللہ تعالیٰ مستانہ ، العظم برہانہ ، جناب مستطاب ، نواب

میر غلام بابا خاں ”

” ستودہ بہر زبان و نامہ بہر دیا ، نواب صاحب شفیق کرم گستر ،

مرضوی تبار ، نواب میر غلام بابا خاں بہادر ”

” نواب صاحب ، جمیل المناقب ، محکم الاحسان ، عالی شان ، عالی درجہ ،

ناد محمد کم ”

مفسدہ سے وفات کے وقت تک نقاب کو نوابانہ نام پر کے نام سونپے کی دھواں پانی کی اصلاح کے لیے پہننے میں کم سے کم ایک سطر لکھنا ضروری تھا ، وہ خطوط نگ ہیں ، جو نقاب نے مزید روپے طلب کرنے یا کلام پر اصلاح یا دوسرے معاملات کے مسئلے میں رکھے ہیں ۔ اسنے عسوط میں ، پیشہ ایک نیا القاب لکھنا نقاب کے لیے بہت مشکل تھا ۔ انھوں نے اسی مسئلے کا حل یہ نکالا ہے کہ نواب یوسف علی خاں ناظم اور ان کی دقتا کے بعد نواب کلب علی خاں کو اکثر عسوط میں ” حضرت ولی نعمت آجہ رحمت سلامت رکھا ۔

سنت میں چار خطوط ہیں۔ جناب عالی "حضرت باقوی نعمت آید رحمت" (بغیر حضرت کے) لکھ کر اپنی قائم کردہ روایت سے انحراف کیا ہے۔

کبھی کبھی نقاب القاب کو مقلدی کر کے شروع ہی سے بڑھنے والے کی خط میں دلچسپی قائم کر دیتے ہیں۔ جواب پوسٹ مرزا کو لکھتے ہیں "سیری ماہان، خدا خیر انجمنیان، مسیح عہد الطیبت بنگارائی کو القاب لکھتے ہیں "میاں طلیح، مزاج شریف، میر سرفراز حسین کے نام خط کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں "سیری ماہان کے چہن، بہتہدا عصر میر سرفراز حسین، میاں دادخواں سبزوآج کو ایک خط میں القاب لکھتے ہیں، معلومت واقفال نشان، لکھی یہاں دادخواں؟

اردو خطوط نویسی کو نقاب کی دین یہ نہیں ہے کہ انھوں نے القاب اور آداب لکھنے بند کر دیے بلکہ ان کی دین یہ ہے کہ ایک تو القاب کو مختصر کیا اور دوسرے القاب کو مکتوب الیہ سے اپنے ذہنی رشتے کے اظہار کا ذریعہ بنایا، جس کی وجہ سے القاب میں فصاحت اور تکلف کے بجائے ایک فطری انداز پیدا ہو گیا۔ اور یہاں سب خیریت ہے اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے ایک مطلوب ہے۔" جیسی چیزوں سے اردو خطوط کو نہایت دلانی۔

## نقاب کا آئینہ نامہ نگاری

نقاب لے ۲۰ نومبر ۱۳۳۷ء کے ایک خط میں قاضی عبدالجلیل جتوئی کو لکھا ہے :  
 "دوسرا سبب یہ کہ شوقِ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں اور کہاں لکھوں؟  
 میں نے آئینہ نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار دکھا ہے جب مطلب ضروری اختصار نہ ہو تو کہاں لکھوں؟"

یہ بات بالکل درست ہے کہ نقاب کے خطوط کی جہاد زیادہ تر مطلب نویسی پر ہے۔

نائب کو شل کرتے ہیں کہ سیدھی سادی اور مختصر زبان میں اس طرح بات کہیں کر دے گا  
 فوراً ان کا مافی الضمیر سمجھ لے۔ ہر حیثیت شاعر نائب بہت مشکل پسند اور خاصے پیچیدہ ہیں  
 وہ اندو کے واحد مٹا کر ہیں جن کے کام کی اتنی فرجیں نکلی گئیں اور بہت سے اشعار  
 کی شہرہ بگھٹتے ہوئے ان کے شاعرین کے درمیان خاصا اختلاف بھی رہا۔ پھر خطوط میں  
 نائب اتنی سادگی اور صفائی کیوں برتنا چاہتے ہیں اس کا جواب نائب نے خود اپنے  
 ایک فارسی خط میں دیا ہے۔ مرزا علی بخش خاں کو لکھتے سے لکھتے ہیں،

مطالب بہت زیادہ ہیں اور پیچیدہ ہیں۔ چاہتا ہوں کہ کم سے کم لفظوں  
 میں اپنی بات کہ دوں اور تحریر کو تقریر کا آئینہ بنادوں۔ اور کیجے کہ میں کیا  
 کہ رہا ہوں میرا مقصود کیا ہے۔ اور آپ کو اس سلسلے میں کیا کرنا ہے۔  
 (فارسی سے ترجمہ)

نائب نے ایک اور فارسی خط میں مرزا علی بخش خاں کو لکھا ہے :

”جانتا ہوں ! بات کو عموماً عموماً طویل دینے سے اثر بھی کم رہ جاتا ہے اور  
 پیچیدگیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے چاہتا ہوں کہ بات کو مختصر کر  
 فوٹر بناؤں اور لکھنے والا بھی بات کی تہہ تک جلد پہنچ جائے۔ بعض  
 کار بر آری پر آمادہ کرنا تو کہ مقصد نہیں ہے مگر ایسی صورت میں جب کہ  
 کہنے والا یہ کوشش کرے کہ تحریر نکلم سے اتنی اجنبی نہ ہو کہ تحریر و تکلم میں  
 باہم دگر نہشت اور ہجرت کی جاتی نہ رہے اور ایک کا عکس دوسرے کے چہرے  
 پر نہ پڑ سکے۔“ (فارسی سے ترجمہ)

اگر کوئی دوست یا شاگرد نائب کو ایسا خط لکھتا جس میں ثواب دیدہ، بیانی ہوتی اور مطالب کی  
 باتوں کے بجائے بلا صراحت دھڑکی بے مقصد باتیں کی گئی ہوتیں تو نائب ناامنی ہو جاتے۔  
 میر سہیل بھڑکراج نے ایک خط میں مذہب نے کون سے ایسے واقعات اور کہیں کی ایسی باتیں

لکھ دی، جن میں غائب کو دلچسپی نہیں تھی، خط پڑھ کر غائب کتنے بے مزہ ہوئے، اس کا اندازہ مجھ کو اس کے ہم خط کی اس دلچسپ عبارت سے لگا ہے:

وہ حضرت! کیا خط لکھا ہے۔ اس خرافات کے کھٹکے کا فائدہ؟ بات اتنی ہی ہے کہ میرا ہنگ بھر کو لا، میرا بھونا بھر کو لا، میرا جام بھر کو لا، میرا بیت لکھا بھر کو لا، رات کا وہ ٹھوڑا کوئی آئیو، کوئی آئیو، فرد ہو گیا، میری جان پیا۔ میرے آدمیوں کی جان پیا:

بام میر مہدی مجروح ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء

غائب خطوط نویسی میں سادگی بیان پر بہت زور دیتے۔ انہیں سطروں میں پر تصنع ہرچ بکلفت عبارت، جگڑا پسند نہیں تھی۔ غائب نے میر مہدی مجروح کو خط لکھا جس میں سادی زبان میں مطلب کی باتیں لکھ دیں، خط غامض مختصر تھا۔ مجروح نے خط کے مختصر ہونے کی شکایت کھن غائب نے بہت دلچسپ انداز میں اس شکایت کا جواب ان الفاظ میں لکھا:

ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا، اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں، جو سلام لکھوں، میں فقیر نہیں، جو دعا لکھوں، تمہارا علاج چل گیا ہے۔ لکھنے کو کہیداً کرو، مسودے کو بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا؟ یہی تم کو وہ محمد شاہی روٹیں پسند ہیں۔

یہاں خیریت ہے، وہاں کی حالت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ یہی خوش تھا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا تھا ہے۔ برآمد میر مہدی صلیح کو دیا احمد دعا کہنا اور ہاں حکیم میرا مشرف علی اور میرا افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازماً سعادت مندی ہے کہ آج اس طرح خط بھیجے رہو:

کیوں ہج کیج، انگوں کے سطوح کی خور کی یہی طرز تھا اہل اہل کیا اچھا فیوہ ہے، جب تک یوں نہ لکھو، وہ خط ہی نہیں ہے۔

چاہو گے اب ہے اور بے پاداش ہے۔ نکلے بے سود ہے۔ غارت ہے چرائے ہے۔  
 چاہو گے نہ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ تم نکو ہو۔ تم مانتے ہو کہ ہم زندہ  
 ہیں۔ اور ضروری کو نکھ لیا۔ نہ اند کو اور وقت پر موقوف نہ کیا اور اگر ضروری  
 خوشنودی اس طرح کی چھڑی پر منحصر ہے تو ہوائی سائے میں سطرپی کی  
 جگہ میں نے نکھ دی۔ کیا خزانہ انصاف نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟  
 خیر ہم نے بھی وہ عبادت جو سودے کے ساتھ نہیں لگتی تھی، اب نکھ بھی تصور میں  
 کرو غلط نہ ہو؟

ہام میر میری بیوقوف ۳۴ خیر اللہ

مرزا عاتم علی خیر نے غالب کو خط لکھا اور اس میں محدث ای مشنوں سے کام لیا۔  
 غالب نے اس کے خط کا جواب دیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خیر کے خط میں جو نکو  
 الفاظ اور پر واضح عبادت فوضی لیکن کوئی ایسی بات نہیں تھی جو غالب کے لیے دلچسپی کا  
 باعث ہو۔ میں پر غالب نے براہِ فرضہ ہو کر لیکن بہت دلچسپ انداز میں اس خط کا  
 جواب دیا۔ سمجھتے ہیں،

”اگر تم مناسب جاؤ، تو ایک بات میری مانو، رعاست، عالم گیری یا افشاے  
 غلیظہ اپنے سامنے، لکھ لیا کرو، جو عبادت اس میں سے پسند آیا کرے اور خط  
 میں لکھو لیا کرو۔ خط سلت میں تمام پر جایا کرے گا اور تمہارے خط کے  
 آنے کا ہم پر جایا کرے گا؟“

ہام مرزا عاتم علی خیر ۳۵ میر میری

اب تک غالب کے خطوط کے جو اختصارات پیش کیے گئے، ان سے اندازہ ہوتا  
 ہے کہ شاید غالب ”شوقِ خطوط“ سمجھنے کے خلاف تھے اور انہوں نے اپنے عہد کے مروج  
 آئین نامہ نگاری کو ترک کر کے صرف مطلب فوری پر ہی اپنے خطوط کی بنیاد رکھی تھی لیکن

بہت سوئی صدی دوست نہیں۔ غالب نے بہت بڑی تعداد میں "خوش خطوط" لکھے ہیں اور اپنے سات گروں اور دوستوں سے "اپنے خطوط کا مطالعہ بھی کیا ہے۔" حاصل غالب کہاں پہنچتے ہیں کہ خود ہی نہیں کہ مکتوب نگار خط میں صرف "مطلب نویسی" کسے، یعنی "اپنے مقصد پر آری" کے لیے خط لکھے اور باقیں بھی لکھے لیکن صرف ایسی باتیں کہ جن میں مکتوب گیر کو کوئی چیز ہو۔

غالب ہرگز یہ نہیں پہنچتے کہ دوسرے لوگ غالب کو صرف مطلب کی باتوں کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھیں۔ انھوں نے گفتہ اور دوسرے لوگوں کو بار بار تاکید کی ہے کہ اپنی تحریر کے خطوط بار بار سمجھتے رہ کریں، گفتہ کو سمجھتے ہیں،

"سنو صاحب! اپنے پر لازم کر لو، ہر پہنچنے میں ایک خط مجھ کو لکھیں۔ اگر کچھ کام آجائے دو خط، میں خط، دوسرے صرف خیر و معافیت لکھی اور ہر پہنچنے میں ایک ایسا لکھ دیں۔"

مذاہر گوہاں گفتہ ۱۹ جون ۱۸۵۷ء

ظاہر ہے کہ جب آدمی اپنی خیریت و معافیت کی اطلاع دیتے کے لیے خط لکھے گا تو اس میں صرف مطلب نویسی اور مقصد نویسی کہاں سے آئے گی۔

خطوط میں مرکالہ نویسی

خطوط کے اکام انقلاب کا غالب کی زندگی پر سب سے بڑا اثر ہے۔ اگر وہ تنہا رہ گئے، دوست، عزیز، شاگرد اور دوسرے ملنے والوں میں سے ہر شخص سے گئے، باقی فرار ہو گئے، اپنی اس تنہائی کا غالب نے کبھی درد انگیز انداز میں ذکر کیا ہے۔ میر سرفراز حسین کو لکھتے ہیں،

"مہی بالا خدا۔۔۔ اور وہی میں ہوں، بیڑیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی



آئے وہ میرے فریاد میں آئے، وہ بے وسف مہیا آئے، وہ میرے آئے،  
 وہ بے وسف علی خاں آئے، مرے بڑوں کا نام نہیں لیتا، بچھڑے ہوئی ہیں  
 سے کچھ جگتے ہیں، اللہ اللہ اللہ، جہادوں کا نام دار ہیں، میں مردوں کا تو  
 مجھ کو کون روئے گا؟

نقشہ سے غلط دیکھنے کی شکایت کرتے ہوئے اپنی تنہائی کا حال بیان کرتے ہیں:  
 "مجھ سے کہیں خفا ہو؟ آج ہمیں بھر پو گیا ہوگا، یا بعد دو چار دن کے  
 ہو جائے گا کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا  
 کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب  
 یادوں میں ایک سشیو جی رام پرچن اور ہال مکند اس کا بیٹا ہے، وہ شخص ہیں  
 کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔"

بنام منزاہر گوبال نقشہ ۱۹ جن ۱۹۴۷ء

قائب نے خطوں کے ذریعے اپنی خلوت میں خلوت اور اپنی تنہائی میں انجمن کی کمی محسوس  
 پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ دن کا بچا محض خط پڑھنے، ان کا جواب لکھنے اور افسانے بنانے  
 میں صرف ہوتا تھا۔ قائب اپنی اس مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:  
 "میں اس تنہائی میں صرف خطوط کے بھرپور سے پرہیز نہیں کرتا، بلکہ اپنی میں کا خط  
 آیا، میں نے جہاں کہ وہ شخص شریف لایا۔۔۔۔۔ دن ان (خطوط) کے پڑھنے  
 اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔"

بنام منزاہر گوبال نقشہ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء

قائب خطوط نویسی کو گفتگو کا بدل لکھتے ہیں۔ اور میں (قاعدہ خطوط نویسی سے  
 بہت قبل قائب کو) اس میں ہوجکا تھا کہ خط میں تحریر کو تقریر کا آئینہ ہونا چاہیے۔ (قائب  
 نے علی کبیر خاں کے نام میں غازی خط میں یہ بات بھی لکھی، اس کا اقتباس پہلے نقل کیا

جا چکا ہے، اردو خطوط میں تو نائب نے بالکل اس بات کو دہرایا ہے۔ لکھنے میں نکھتے ہیں،  
 " اسی وقت تمہارا ایک خط اور پست مرزا کا ایک خط آیا۔ مجھ کو جو باتیں  
 کہنے کا مزہ ملا تو دونوں کا جواب لکھ کر روانہ کیا۔ "

بنام میر بہدی بھڑوچ ۷ مارچ ۱۸۵۷ء

ایک اور نڈی خط میں نائب نکھتے ہیں،

" میں نے آسان راستہ اختیار کر لیا ہے۔ جو بھی نکھتا ہوں اردو میں نکھتا  
 ہوں۔ دشمن آسانی نہ نمود نہائی۔ تحریر کو گفتگو بنا لیا ہے۔ " (خاص سے ترجمہ)

بنام نئی نول کشور جولائی ۱۸۵۷ء

خطوط کے ذریعے اس گفتگو کو نائب "سکاڑہ" کہتے ہیں۔ مرزا آفتہ کا بہت دن سے خط نہیں  
 آیا۔ نائب ایک خط میں اس کی شکایت ان الفاظ میں کرتے ہیں،

" میں تمہارے اور بھائی نئی نول کشور صاحب اور جناب مرزا عالم علی صاحب کے  
 خطوط کے آنے کو تمہارا اور ان کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گرا وہ سکاڑہ ہے، جو  
 اہم ہوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو سکاڑہ کیوں ہو قوت ہے؟ "

بنام مرزا بھر گوہل آفتہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء

اب خطوط نائب کے کچھ اور اقتباسات ملاحظہ ہوں، جن میں نائب نے مراٹے کو  
 سکاڑہ کہا ہے،

" بھائی! مجھ کو اس صحبت میں کیا پس آتی ہے کہ بہتم اور مرزا آفتہ  
 میں مراسلت و مکالت ہو گئی ہے۔ سزا باتیں کہتے ہیں۔ اللہ اللہ دن بھی  
 یاد آتیں گئے۔ "

بنام مرزا عالم علی بھڑوچ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۷ء

" مرزا صاحب! میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراٹے کو سکاڑہ نہ لگایا

ہے۔ ہزار کوئی سے ہزار قلم اسی کا کرد۔ ہجر میں وصال کے مزے نہا کر؟

بنام مرزا مہتمم علی حقیر اکابر تو میری مشیت

”بھائی! مجھ میں تم میں امر نگاہی کا ہے کوئی، اسکا ہے؟“

بنام مرزا میر گویا نقدہ عارضہ مشیت

”ہ میں ہا میں کہہ ہوں، خط نہیں کھتا، مگر انہوں کو اس گفتگو میں ملاحظہ

نہیں ہو سکا۔ نہانی میں ہوتا ہے، یعنی میں ہی کہہ رہا ہوں، تم کچھ نہیں کہتے؟“

بنام نقشبندی بیکش حقیر ۲۱ مئی ۱۸۵۸ء

ہ ہمارا اقتدار اس لیے نقل کیے گئے ہیں کہ خطوط میں غائب نے جو سکا نہا خط

استمال کیا ہے، اسے بعض نقادوں نے اس کے ڈانٹاگ کے مہموم میں بھر کر دیا

نہایت کیا ہے کہ غائب نے خطوط نویسی کو سکا نہا یعنی ڈانٹاگ بنا دیا ہے، ایسا نہیں ہے

مکالمے سے غائب کی مراد بعض گفتگو ہے، یہاں کہ ان ہمارے اقتدار سے نہایت

ہوتا ہے، یہ ٹھیک ہے کہ غائب نے خطوط میں باقاعدہ مکالمے ہی لکھے ہیں مگر میٹروپولی

خطوط میں سے صرف ہمارا پانچ میں غائب نے اپنی بات مکالمے کے انداز میں بہت

نویسیت طریقے سے کہی ہے، اگر سچی باتیں ہوتی، انداز میں کہی جاتیں تو شاید ان میں وہ

نظمت نہ پیدا ہوتا، ہجری سے غائب کی جو گفتگو ہوتی تھی اسے کس خوبصورت حیرت میں

ہوا کرتے ہیں؟

ہجری سے جب پوچھا ہوں کہ تم خوب لکھیں، پو اور وہ کہتے ہیں ”کیا کہنا ہے؟“

اور میں پوچھا ہوں ”کس کا؟“ تو وہ فرماتے ہیں ”مرزا شرف علی بیگ کا؟“

اے اور کسی کا ہم تم کو نہیں بتاتے؟ دیکھو ہر صفت علی مراد لکھتے ہیں

ہیرا سنگھ موجود ہے۔

واہ صاحب! میں کیا خوشامدی ہوں، جو منہ دیکھی کہوں میرا مستحیہ

حفظ الغیب ہے۔ غالب کی تمجید کرنی کہا حبیب ہے۔

ہاں صاحب ! آپ ایسے ہی دانش ور ہیں۔ اس میں کیا رہب ہے۔

بنام نواب علامہ الدین خاں عسکری

ایک خط میں معرفت میں مکالمے ہیں۔ ہائی پات بھی گئی ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ

”میر علی بیگ آئے تو میں نے ان سے لوہار کی سولہاں کے ہرے میں پوچھا،

”جس میر علی بیگ، لوہار کی سولہاں، دھانہ پوچھتیں؟

حضرت! اہی نہیں۔

کیا آج نہ جائیں گی؟

آج ضرور جائیں گی تیری پوری ہے؟

بنام نواب علامہ الدین خاں عسکری

ان مکالموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی تحریروں میں شعری کوششوں کو دخل نہیں

ہے۔ خط لکھتے سمجھنے مکالموں کا انداز سمجھ میں آیا اور جہت نکھ دے۔ لیکن میر جہدی مجروح

کے نام ایک خط میں غالب نے طویل مکالمہ لکھا ہے۔ اس مکالمے کا آغاز ان الفاظ سے

ہوتا ہے: ”اے جناب میرن صاحب! السلام علیکم“ اس مکالمے میں چوں کہ شعری کوشش کو

دخل ہے۔ اس لیے اس میں فصیح آگیا ہے۔ لہذا کا شکر ہے کہ غالب نے اس طرح کے

مکالمے اور نہیں لکھے۔

غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

اسلوبِ بیاں کے اس نمونہ پرستی اور نمونہ کی استعمل کا نام ہے۔ جو زبان کے عام اور مخصوص

سہارے مختلف ہو۔ مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ: ”ان کا انتقال ہو گیا“ تو گویا زبان کا

علاقہ اور بھی استعمال ہے۔ اس میں کسی کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے مخصوص سہارا

الفاظ سے غفرے کی ساخت ہوتی ہے۔ یہی بات جب قائب ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

”ہے ہے وہ مذہبی“

تو اس میں قائب کا اپنا اسلوب بھی شامل ہو گیا۔ اب بعض اطلاق نہیں رہی بلکہ اس میں قائب کی نفسیاتی، سماجی اور لادینی شخصیت بھی شامل ہے۔ مرنے والی سے قائب کا ذہنی رشتہ قطعی نہیں بچتا۔ حقیر، جن کے نام عطا میں یہ فقرہ لکھا گیا، سے قائب کے تعلقات قائب کا احساس اور جذبہ اس موقع پر استعمال ہونے والی مخصوص معیاری زبان سے انحراف، لفظ ”ہے“ کا استعمال، اور پھر ”ہے کی تکرار“ اس کا انتقال ہو گیا۔ ”کے“ بھائے ”وہ مذہبی“ لکھنا، غرض ان سب چیزوں نے مل کر اس چھوٹے سے فقرے کو ایک اسلوب بنا ہے۔

یہاں زبان کے اُن تمام اجزاء کا جائزہ لینا ممکن نہیں، جن سے اسلوب بنا ہے۔ تقریباً یہ کہ زبان کی مخصوص صرفی و نحوی ترتیب، مجموعہ کی ادائیگی کے لیے مخصوص الفاظ کا استعمال، بعض ایسے الفاظ کا استعمال جو متروک ہو گئے ہیں یا زبان میں کم استعمال ہوتے ہیں یا تحریر میں نہیں، صرف گفتگو میں مستعمل ہیں۔ کسی دوسری زبان کے الفاظ کا استعمال، الفاظ کی تکرار، بعض کھدیسی الفاظ کا بہ کثرت استعمال اور بدلتے بدلتے سے مل کر کسی خاص یا ادب کا اسلوب بننا ہے۔

اسلوب تحریر میں بھی ہوتا ہے اور تحریر میں بھی اور دونوں کی خصوصیات ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ گفتگو میں قواعد زبان اور صرف و نحو کی پابندی اس طرح نہیں کی جاتی جس طرح تحریر میں کی جاتی ہے۔ گفتگو میں عام طور سے فقرہوں کی صرفی و نحوی ساخت بہت زیادہ بدل جاتی ہے، کیوں کہ بولنے والا آنکھوں اور احوال کے اندازوں اور چہرے کے آثار چہرہ سے بھی اپنے مقصد کے اظہار میں مدد لیتا ہے۔ گفتگو یا تحریر میں بولنے والا کسی ایک فقرہ یا ایک گروہ سے مخاطب ہوتا ہے، اس لیے وہ اس فقرہ یا گروہ کی ذہنی

صلاحیتوں اور فہم و ادراک کی قوتوں کے پیش نظر الفاظ کا استعمال کرتا ہے گفتگو میں جملے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں صیغہ امر، استفہامیہ اور فحاشیہ جملوں اور ناتیہ الفاظ کی کثرت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تحریری اسلوب میں عام طور سے طویل، واضح اور مرکب جملے ہوتے ہیں۔

تحریر میں سوچنے، جانچنے اور ڈالنے، الفاظ کا انتخاب کرنے، ایک فقرے الفاظ کو قلم زد کر کے اس کا تبادلہ سمجھنے کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، جب کہ تقریر یا گفتگو میں فقروں کی ساخت الفاظ کا انتخاب، تشبیہات و استعارات وغیرہ کا استعمال جبکہ فی البدیہہ اور کچھ حد تک غیر شعوری ہوتا ہے تحریر میں ذہنی مشقت کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ تقریر میں محنت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محنت و کتب نگاری تحریر اور تقریر کے درمیان کی چیز ہے۔ درمیان کی چیز اس لیے کہ ایک نو خطا سمجھنے وقت کتب نگار کو اتنی ذہنی مشقت اور محنت نہیں کرنی پڑتی جتنی کہ عام فقرہ نگار میں کرنی پڑتی ہے۔ اور دوسرے اس میں عام گفتگو کے مقابلے میں سطح کو بلند ہوتی ہے گفتگو میں سوچ سوچ کر بولنے کا موقع نہیں ہوتا جب کہ خطا سمجھنے والے کتب نگار ظہر ظہر کر اور سوچ سوچ کر لکھ سکتا ہے۔

اردو کتب نگاری کے دور میں غالب اوسطاً ایک دو صفحے، دو خطوط کی شکل میں سمجھتے تھے، لیکن اردو نظریں دریا ہے اور تقریریں سمجھتے ہوئے بہت گھبراتے تھے۔ کیوں کہ یہ قول ان کے دماغ میں ذہنی مشقت کی استعداد نہیں رہی تھی۔ اگرچہ ابتدا میں غالب پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے اردو خطوط شائع کیے جائیں، لیکن کچھ عرصے بعد وہ کوشش کر رہے تھے کہ ان کے خطوط کا مجموعہ جلد چھپ جائے۔ ان حالات میں بھی صاحب خواجہ غلام غوث خاں نے تجربے خطوط غالب پر دریاہ سمجھنے کی طرہ پیش کی تو غالب نے اپنی بیماری کا بہانہ کر کے مال دیا۔ کچھ دن بعد یہ گھبراتے پھر قاضی کاٹا تو غالب جواب دیتے ہیں :

”اگر ایک ہندو قدیم کہ عمر جس قدر مل پذیر رہا ہو، اچھا ہے میں ایک حکم

اس اٹھاس کا ایک لغو اور ایسے: (بادشاہ کے) مات میں سے جو پیریں ہیں وہ کٹیاں اور جو انیں کبیاں: فردی مشق کی اجزی ہونی ولی۔ خاندان مجبور کی معاشی بد حالی، بھلا نوی سامراج کے علم و قلم کی داستان کو اس سے زیادہ مختصر، حد انگیز اور موثر انداز میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ غالب نے ہر سے خط میں ہندوستان میں سے اپنی جڑی اور بھلا نوی سامراج کے خلاف ہر دو راست ایک لفظ ہی نہیں کہا لیکن واقعات سکریان کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے کہ غالب کے ذہنی اور روحانی کرب کو مکمل طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ تمام خصوصیات ہیں جنہوں نے غالب کے اسلوب کو انفرادیت بخشی ہے۔

## مقتلی عبارتیں

جب کوئی نثر نگار خوبصورت لفظوں، ترکیبوں اور محاوروں، تشبیہوں اور استعاروں سے نثر کو رنگین اور دلکش بنانے کی کوشش کرتا ہے یا اسے مقتلی اور مسیح کر کے اس میں شہریت کا ہار اور جنگنا مہارت ہے تو عام طور سے عبارت کا غہوم الفاظ کے اس انداز میں کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مقتلی یا پُر تکلف عبارت کھتے وقت الفاظ اچھنے والے سے پس میں آتے نہیں جوتے جتنا خود کھنے والا الفاظ کے پس میں جوتا ہے۔ خوبصورت اور دلکش الفاظ کبھی کبھی کھنے والے کے ذہن اور اس کے قلم کو بہکا کر کہیں کا کہیں لے جاتے ہیں۔

اس معاملے میں غالب بہت محتاط ہیں، انہیں چوں کہ قلم و خرد و دل میں اظہار پر پوری قدرت حاصل ہے، اس لیے وہ اپنے ذہن کی باگ ڈور کسی الفاظ کے ہاتھ میں نہیں دیتے۔ غالب کے ایسے ارد و خطوط کی تعداد بہت کم ہے جو ہم سے سکھ سے مقتلی ہیں، عام طور سے خط میں دو تین فقرے ہی مقتلی ہوتے ہیں اور یہ مقتلی فقرے کسی چربشگی اور بے ساختگی کے ساتھ آتے ہیں کہ ان سے نظر کے نش میں اضافہ اور اظہار

ایک خط کا یہ حصہ ملاحظہ ہو۔ اس خط میں نقاب نے کسی خوبصورت مرتع کشی کے سہارے اپنی مصیبت بیان کی ہے۔ گلے چلنے چلنے ہوئے ہیں۔ جہاں حروفِ مطلق کے سہارے دو جملوں کو ٹکایا ہے۔ وہاں بھی مصامت میں پیچیدگی پیدا ہونے نہیں دی:

”مہاں! میں بڑی مصیبت میں ہوں کل سارا کی دھاریں گر گئی ہیں۔ انا زائد ڈو گیا، جھنیں ٹپک رہی ہیں، تھوڑی چھوٹی کہتی ہیں! اسے مری وہاں فٹلے کا مال کل سولے پتر ہے۔ میں مرلے سے نہیں ٹھرا، افسانہ مصامت سے گھبرا گیا ہوں، جھت پھلنی ہے، اور دو گھنٹے رستے تو جھت ہمارے گھنٹے ہوتی ہے۔ ہلک اگر چاہے کہ مصمت کرے تو کیوں کر کرے؟ سینہ کھلے تو سب کچھ ہو، اور پھر انا سے مرمت میں بیٹھا کس طرح، ہوں۔ اگر تم سے ہو سکے تو بہرات نکھ سجاتی ہے پھر کوہِ حویلی، جس میں میرے من رہتے تھے، اپنی چوٹی کے رہنے کو اور کوٹھی میں سے دو بلا عائد مع وہاں زبردستی جو اپنی اپنی خدایں ملا کر مسکن تھا، میرے رہنے کو دلو اور۔ بہرات گزر جائے گی، مرمت یہاں سے کی جائے گی، پھر صاحب اور میں اور بلا ٹوگ اپنے قدیم مکان میں آکر چھوڑ گئے۔“ ۲۷ جولائی ۱۹۷۷ء

نقاب کے چھوٹے گلے عام طور سے ہمارے غظلوں سے لے کر سات غظلوں تک کے ہوتے ہیں۔ وہ بلا طویل ہوتا ہے، جس میں مصامت کے طور پر نظر سے لے لیں ہوتے ہیں، اس اقتباس میں بس گلے کی ابتدا، اگر تم سے ہو سکے سے ہوتی ہے، طویل ہے، اس میں حویلی اور بلا غظلوں کی مصامت کی گنتی ہے، اس سے کم غظلوں میں یہ مصامت ممکن نہیں ملتی اور پھر اس طرح کہی گئی ہے کہ مخاطب کے ذہن میں کسی طرح کی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔

نقاب کے بیشتر خطوط تقریر اور مخرج کے وہ بیان کی چیز ہیں، انا تھے الفاظ، بیان یا اور خطیبانہ انداز اختیار کر کے نقاب اپنے خطوط کو تقریر اور گفتگو سے اتنا قریب کر دیتے ہیں کہ مجلس ادا جتنا ہی فضا پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ نقاب کو تب الہ



ہی کو نہیں، بلکہ بہت سے افراد کو مخاطب کر رہے ہیں۔ ایسے خطوط کی تعداد بھی خاصی ہے جنہیں پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ غالب ایمین مدنی کے مجروح، ملاتی، افتخار وغیرہ سے نہیں بلکہ باوجود استہم سے مخاطب ہیں۔ ان خطوط میں غالب روز مرہ، میاں درو، کب و انوں، نقشبندی، استادوں، قادی ترکیہوں اور اردو وقاری شعروں کا استہلال اس لیے نہیں کیے گئے تھے اپنی تعلیمی صلاحیتوں کا اظہار مقصود ہے بلکہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی است زیادہ سے زیادہ دھماست کے ساتھ اور نوٹز طریقے سے کتب و ایسے نکتہ پاشیاں پڑھتے ہیں۔ اسی کو کشش نے خطوط غالب کے لابی ٹکس کو چمکایا ہے اور ان کی آواز میں وہ انفرادیت پیدا کی ہے کہ آج بھی ہزاروں آوازوں میں ان کی آواز اپنی شہادت قائم کی ہوئی ہے۔

اب غالب ملا مدین خاں ملاتی کے ہم غالب کے خط کا ایک اقتباس لکھتا ہوں۔  
 "میں نے خط میں دو بار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ ولی بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ اسے میری زبان پر یہ وہ دلی نہیں ہے، میں میں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں ہے، میں میں تم نے تم تحصیل کیا ہے، وہ دلی نہیں ہے، میں میں تم شہر کی بیگ کی حویلی میں کھڑے ہوئے تھے، وہ دلی نہیں ہے، میں میں سات برس کی عمر سے آنا جاتا ہوں، وہ دلی نہیں ہے، میں میں کیا دن برس کے شہر میں ہوں، ایک گھسپ ہے، سلطان: اہل مرقوم یا حکام کے شاگرد پیشہ۔ باقی سراسر ہنر، موزوں، پوشاک کے ڈاکٹر، جو بغیر السیت ہیں، وہ پانچ پانچ روپیہ مہیا پاتے ہیں، ادا ہے، جو سیراز ہیں، وہ کشمیری اور جوائیں کب ہیں، امراتے اسلام میں سے اہل گوا، میں ملی خاں، بہت بڑے باپ کا بیٹا، سو روپیہ روز کا لیس روپیہ روز پچھتے کا روزینہ دار ہیں کہ انکو نہ مر گیا، میر نصیر الدین باپ کی طرف سے چنواؤں کا اور ان کی طرف سے امیر بادشاہ کا حکم مل گیا۔ آغا سلطان، خلی مدنی خاں کا بیٹا جو خود بھی

بھٹی ہو چکا تھا، چل پڑا، مذوق، مذاق، انجام کار مر گیا، تھما کے چھا کی  
 سبکدے سمیٹ کر چھوٹی ہوئی۔ اسی کو دھو، ناظر حسین مرزا، جس کا بڑا بھائی  
 مفتولوں میں آیا، اُس کے پاس ایک پیا نہیں، ٹھکے کی آمد نہیں، مکان انکم  
 رہنے کوں گیا ہے، مگر کیجیے چٹا ہے یا ضبط ہو جائے، اُسے صاحب  
 سدی اٹاک بیچ کر، خوش ماں کر کے سبک بین دو گوش سمیٹ کر چلے گئے۔  
 ضیاء الدولہ کی ہانسی وہ ہے کراہی کی اٹاک داگراشت ہو کر بھر قرق ہو گئی۔  
 تھما، خواب لا چھ گیا، وہاں پڑا ہوا ہے۔ دیکھیے، کیا ہوتا ہے؟ قصہ  
 کوتاہ، اٹھو اور پھر اور بہاؤ گلو اور باب گلو اور فریخ غر، کم و بیش میں لاکھ  
 روپے کی ریاستیں مٹ گئیں، شہر کی لاد میں خاک میں مل گئیں، چتر مند آدمی  
 یہاں کیوں پلا جاوے؟ بنام غلاب مدار الدین خاں قلاتی ۱۴ فروری ۱۸۵۷ء

اس خط میں "اے میری ماں کے مطابق الفاظ اور سیر" وہ دلی ہیں ہے کی پہنچ بار  
 نگار سے گفتگو اور تقریر اور براہ راست مخاطب کرنے کا انداز پیدا ہو گیا ہے جسے چھوٹے  
 جملوں میں ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں، جن کے لیے سینکڑوں صفحے درکار ہیں، جن میں خاں  
 میر نصیر الدین، آقا سلطان کی وفات کی خبر مختصر نظروں میں رکھی ہے۔ اس اختصار میں کہنے والے  
 کا تعلق، اس کی سماجی حیثیت اور موت کی وجہ غرض سب ہی کچھ مٹا دی ہے۔ مثال کے  
 طور پر اس اقتباس کا یہ جملہ ہے: "میر نصیر الدین" آپ کی طرف سے میر زادہ، لکھا اور خانی کی  
 طرف سے میر زادہ، "مظلوم" لرا گیا۔ اس فقرے میں قاتل نے میر نصیر الدین کا تعلق کراتے  
 ہوئے بتایا ہے کہ وہ صاحبِ طریقت ہی تھا اور دولت مند بھی، "مظلوم" لرا گیا۔ ان "میں  
 قتلوں میں قاتل نے بتایا ہے کہ ہنگامہ مشفقہ میں میر نصیر الدین نے قصہ تھا، جسے بھی  
 خاکوں کی گولی کا نشانہ بنا۔ "مظلوم" کے لفظ کے استعمال سے اپنے جذبات اور اسدنا  
 اور میر نصیر الدین سے اپنی ہمدردی کا بالواسطہ طور پر کیجیے، ظفر انداز میں اظہار کیا ہے۔

بجائے دوسرے، تو بھرم نہیں بھجوانا۔ مجوزہ خزانہ کا اظہار اگر میرے لکھنے سے  
 دیر پا ہے، بد موقوف ہے، تو اس مجوزے کا چھپ جانا انفع میں نہیں چاہتا بلکہ  
 چھپ جانا باختم چاہتا ہوں۔

نائب خطوط لکھنے میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن اردو اور فارسی شریف لکھنے سے  
 اتنا متفرق تھے کہ کسی بھی اپنے حقے شاعروں کو سخت شست گی کہ وہ لکھتے تھے، مگر ہر گز  
 فقرے جب اپنے دوسرے دیوان کی تقریظ کی فراہمی کی تو نائب اپنے مخصوص انداز میں  
 لکھتے ہیں۔

”دیوانہ و تقریظ کو لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جب تمام کو دیوان کا لکھ لینا۔  
 کیوں، مگر یہ خواب کرنے پر اند کیوں بھجواتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اب یہ دیوان چھپ کر  
 اند میرے دیوان کی فکر میں پڑو گے، تم تو وہاں رہی ہیں ایک دیوان کہ لو گے،  
 میں کہاں تک دیوانہ لکھا کریں گا؟“

مکتوب نگاری نائب کو اپنی پسند تھی کہ یہ قول ان کے بیشتر وقت خط لکھنے اور پڑھنے  
 میں صرف ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خطوط کے ذریعے بہت سے لوگوں سے رابطہ برقرار رہتا  
 اور ذہنی مشقت بھی نہ کرنی پڑتی۔ ان خطوط میں نائب کی تخلیقی قوتوں کو بہت وسیع میدان  
 مل گیا تھا۔ اس میدان میں نائب اپنی شعری صلاحیتوں کا اظہار کر کے غزلیں، ہاویں لگا  
 لکھتے تھے۔ رد موع کے مسائل پر گفتگو کر لکھتے تھے۔ سیاسی اور سماجی حالات پر تبصروں کر لکھتے  
 تھے، اور مزاح کنفی و دیگر نگاری کے فن کا مظاہرہ کر لکھتے تھے۔

اگرچہ فورٹ ولیم کالج میں اردو و خراسانہ اور مجلس ہونی شروع ہو گئی تھی لیکن علمی  
 سادگی کا حسن نائب ہی کے انہیں بھرا۔ نائب چھوٹے چھوٹے جہوں میں بڑی سے بڑی  
 بات کہنے پر قادر ہیں۔ ان جہوں کی سماعت سے اثر آفرینی میں اضافہ ہوتا ہے۔ نائب جو  
 بات کہنا چاہتے ہیں وہ مخاطب کے دلچسپی میں ہوتی ہے۔ مگر انہیں خاص خاص مقام کے نام

یہ انداز ہی سہی رہتا ہے۔ غالب نے صورتِ دہی اس طرح مکمل طور پر معنوی عبارت میں لکھے ہیں جن میں ان کے پاس کہنے کے لیے کوئی خاص بات نہیں ہے اور عطا لکھنا ضروری ہے۔ ان خطوط میں بھی غالب نے خیال رکھتے ہیں کہ ایسے الفاظ اور فقروں کی تعداد کم سے کم ہو، جو عبارت کو معنوی کرنے کی وجہ سے بھرا کھینے پڑتے ہیں۔

پور صریٰ عہدِ حضورِ سرور کے ہم غالب نے ایک معنوی خط لکھا ہے اس کا پہلا ہیرو گراف

ملاحظہ ہو :

”بہت دن کے بعد یہوں آپ کا خط آیا، میرے ہر دستخط اہ کے اور نام آپ کا پایا۔ دستخط دیکھ کر مفہوم ہوا، خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ تم اسے دشمن بہ علامتِ شبِ دلرزہ زنجیر ہیں۔ اللہ اللہ، ضعف کی بہ شدت کہ خط کے لکھنے سے مسخر ہیں۔ خدا وہ دن دکھائے کہ تم اس خط تم سے شعل لے کر سیر ہیرہ دیکھ کر دل کو فرحت پر اس خط پر کہ دو فی مسرت ہو۔ میں تک ایسا خط نہ لکھا، دلہا سودا دودھ آرام دہاتے گا۔ قاصدِ فلک کی راہ دیکھیں، یہیں گا۔ جواب ہندی میں سرگرم دعا دیوں گا۔“

اس عبارت کو پڑھنے سے محسوس نہیں ہوتا، کہ عبارت کو معنوی کرنے کی وجہ سے کہ الفاظِ فقرے ناگہ آگئے ہیں، بہت کھینچ جان کے خط کھینچا اور فقروں کو ناگہ کہا جاسکتا ہے۔ قافیوں نے عبارت میں، دانی اور خاص قسم کی موسیقیت پیدا کر دی ہے۔

غالب معنوی عبارت سمجھتے ہوئے ہی پیدا خیال رکھتے ہیں کہ اصل مقصد غوت نہ پہنچنا اس لیے ان کی اکثر معنوی عبارتیں ایسی ہیں کہ کہ فقرے معنوی ہیں اور کہ غیر معنوی، اس طرح عبارت بھی لازمی صورت ہو گئی اور مفہوم الفاظ کی انداز میں نہیں ہوا۔ ایک خط کا یہ حصہ ملاحظہ ہو :

”ہیرہ مرشد کو میری زندگی اور صاحبزادوں کو دعا، خدا دیکھے مارہرہ ملاتے

وہ اور میرا قصد ہے یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی سب اور

طاقت بھی خلی الشیخ محسن الدین مرحوم سے بطریقِ تمنا کہا گیا تھا کہ وہی ہوں  
 چاہتا ہے کہ رسالت میں، اور یہ وہ جاذبِ اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر تم کھوں  
 اب وہ دل کہاں سے گاؤں، طاقت کہاں سے پاؤں، ذائقوں کی طرف وہ  
 رحمتِ مہربان سے میں اسنے آسمان کی گنگناہٹ، نہایت میں آسمان نہ کہا تھا  
 کھانے کے بعد میں آسمان نہ کہا تھا، بات کو کچھ کھانا ہی نہیں، جو کہوں  
 بینِ اطلاع میں ہوں، آخر روزِ بعدِ ہضمِ مہربان سے، تم کھانے بلکہ جانا تھا  
 بے تکلف عرض کرنا ہوں اسنے تم کھانا تھا، پیٹ بھرنا تھا اور ام پیٹ  
 میں نہ سٹا تھا۔ اب بھی اس وقت کھانا ہوں مگر وہ بدو، مگر پختہ ہم  
 جسے ہونے تو بالکل بات :

بنامِ چودھری عبدالغفور مسعود

اس عبارت میں بہت کم فقروں کو متغیٰ کیا گیا ہے اور ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو تلافیہ  
 بیانی کی وجہ سے کھا گیا ہو، جن فقروں کو متغیٰ کیا گیا ہے، ان سے عبارت میں دلچسپی اور  
 روانی پیدا ہوتی ہے۔

غالب میں بات پر زور دینا چاہتے ہیں، اُسے کبھی کبھی متغیٰ کر کے ٹکڑوں میں کی تو یہ  
 اس بات کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ غالب و شفیق کی طاعت کے لیے بہت پریشان  
 تھے، خاص طور سے ان چھ سات جلدوں کی تہادی میں انھوں نے اپنا خون پسینہ ایک  
 کر کھا تھا، جو وہ مکرِ منظر اور مکالمہ اعلیٰ کو مطلبِ برآمدی کے لیے بھیجا تھا جتنے تھے،  
 بار بار ان جلدوں کے بارے میں مرزا ہر گواہی تفتہ اور مرزا حاتم علی تہر کو کھنکھ رہے تھے۔  
 غالب کو خیال آیا کہ یہ محمول ان حضرات کو ناگوار گزر رہی ہوگی، لیکن ان جلدوں کے بارے  
 میں وہ ہر گواہی بات کرنا چاہتے تھے۔ وہ انسانی نفسیات سے یہ خوبی واقف تھے، چنانچہ  
 نہایت ہی خوبصورت اور دل نشیں انداز میں مزاح اور تلافیہ آرائی کا سہارا لے کر بات

اس طرح کہی کہ غلطہ کو ٹھکارہ ہی بھی نہ لگے اور وہ اپنی بات بھی کہ دیں :  
 "مات سے ایک بات اور نہال میں آتی ہے مگر میں کہ حکم و کار فرما ہوں ہے  
 کہتے ہوئے کرتا ہوں۔ ڈرتے ڈرتے عرض کرنا ہوں، بات یہ ہے کہ دو جلدی  
 طلاق توجہ کی ولایت کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ ہار جلدی جو یہاں کے  
 حکام کے واسطے دیکھ رہی ہیں گی ...."

بنام مہر گہاں غلطہ ۳۰ ستمبر ۱۹۷۷ء

"دو جہانے میں کسی کی شادی تھی، لواب عوام الدین خاں ملائی نے لواب کو ٹھکارہ  
 دو جہانے میں شادی کے موقع پر آپ کا انتظار تھا۔ لواب کی صحت جواب دے گئی تھی۔  
 اس لیے سفر کی زحمت نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اہلیوں بھی کچھ خاندانی معاملات ہوں گے،  
 جہاں سے ہوجھتے اور جھٹکا کر ایسے دھکٹن انداز میں اپنی دماغی کا اظہار کیا کہ اس میں حقیقت  
 صاف بھی ہے، اصلاح بھی، مختصر بھی اور عبارت آرائی بھی، ملاحظہ ہو :

"دو جہانے میں میرا انتظار اور میرے آنے کا تقریباً چار گیارہ بجے  
 ہے انھیں ملزوں کا جس سے تمہارے بچاؤ لواب عوام الدین خاں جبر تھاں  
 کو لگاتے ہے، مجھ پر جنون کا، جاگیردار میں نہ تھا کہ ایک جاگیردار مجھ کو بلاتا  
 میں دوستا کہ اپنا سلا و سامان لے کر چلا ہوتا۔ دو جہانے ہا کر شادی کماؤں کو  
 پھر اٹھ لصل میں کہ دیکھ کر نہ ہو۔ لواب و بھائی (لواب امین الدین خاں)  
 کے دیکھنے کو نہ جاتوں اور پھر اس موسم میں کہ جہاں سے کی گری باز ہو :

بنام ملا۔ الدین خاں ملائی

مطل عبارت کا ایک اور خط ملاحظہ ہو۔ پھر سے خط میں کام کی بات کی گئی ہے۔  
 عبارت متعلق ہے لیکن ثقلو تو کیا کوئی لفظ تک ناکہ نہیں ہے۔ قافیوں نے عبارت میں  
 غیر معمولی اثر پیدا کر دیا ہے :

چڑھنے والے کا ذہن متعل ہو جاتا ہے جو فاقب بران کرنا ہاتھ ہیں۔ خواب انھوں نے خلق کو کھینچے ہیں۔

”خاتم میری خبر لے سکتے ہو“ نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ اللہ اللہ اللہ  
 دیا سارا شیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے، دو ہاتھ لگائے اور جیڑا پار ہے۔  
 ۳۳ اکوڑ ملا لگا

زہر کی کسے لے لیا؟ کا استدلال کیا خوب ہے اس سے ان کی ات میں جہت بھی پیدا ہو گئی  
 ادا کیا جاتا ہے۔ آخری عمر میں فاقب جہادی اور صحت سے تنگ آ گئے تھے۔ عطلوں میں بدام انھوں  
 نے موت کی ترس کا اظہار کیا ہے۔ اس عبادت میں اپنی اس دلی ترس کا اظہار ”دو ہاتھ لگائے  
 اور جیڑا پار ہے“ کہہ کر، کیسے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔

فاقب جس مکان میں رہتے تھے، اس کی حالت بہت خراب تھی۔ ایک بار اپنی بارش  
 ہوئی کہ تھمے کا نام نہیں لیتی تھی۔ اس بارش کی وجہ سے فاقب کو جو پریشاںیاں اٹھانی پڑیں،  
 وہ ان کی زبان سے ملاحظہ ہوں۔

”جوانی سے سینہ تلخ ہوا ہے جس میں کڑوں مکان گرے اور منہ کی نئی صورت،  
 وہ ناخوشاں و بد بار بار سے اور ہر بار اس زہر سے کہ ندی اگلے پہر نکلیں۔ پلا  
 خالے کا جو دالاں میرے بیٹھے اٹھنے، سونے جا گئے، بچے مرنے کا محل،  
 بے جا گھر مگر نہیں لیکن صحت چھٹی ہو گئی، کہیں گلی، کہیں اگال دانی  
 رکھ دیا، قتل دان، کتا ہیں اٹھا کر نوڑ خالے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔ مالک  
 مرست کی طرف متوجہ نہیں، کشتی نوح میں نہیں بیٹھے رہنے کا اتفاق ہوا؟  
 بنام مرنا ہر گویا لقا ۳۴ اکوڑ ملا لگا

بھارت کے دنوں میں خالے گھروں کا جو حال ہوتا ہے، اس کی صحیح کیفیت کا اندازہ پانچ  
 نظم میں میر کی فتویٰ، در جو خاندان محمود سے لگایا جاسکتا ہے اور جیڑا میں فاقب کے اس خط سے۔

فرا "کشتی نوح" میں رہنے والے اس شخص کی ذہنی اور مہمانی اذیت کا اندازہ کھینچو جو خود نوح نہیں ہے۔

مرزا ہرگوپال تفتہ کی تسلیتیں چپ کرائی۔ فاک کو اس کی طباعت بہت بری لگی۔ دیکھیے کیسے ساواہ اور پرکار انداز میں اپنی داسے کا انہدام کرتے ہیں :

"ابھی مرزا تفتہ ! تم نے دوسرے ہی کھرا اور اپنی فکر کو اور میری اصطلاح کو بھی ڈبویا۔ داسے کیا بری کاپی ہے۔ اپنے اشعار اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھینچ کر تم یہاں پڑتے اور نیکیات تفسیر کو بھرتے چلتے دیکھتے صورت ساواہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے، پانچپے پیر پیر، جوتی ٹوٹی، یہ سب لکھ نہیں بلکہ بے شکایت تسلیتیں ایک معشوقِ خور و داسے ہے، داسے اس ہے۔"

بنام مرزا ہرگوپال تفتہ ۱۹ اپریل ۱۸۸۷ء

تسلیتیں کسے پسندیدہ اشعار کو بیگیاات تفسیر اور اس کی ساقط اصطلاح طباعت کو "داسے" معشوقِ خور و داسے تعبیر کرنا فاک ہی کا حصہ ہے۔

فاک کتب ملی نماں نے فاک کو دو سو روپے بھیجے۔ فاک نے اس رقم سے قرض کا بوجھ ادا کر دیا اور اس رقم کو ہوں غم بند کیا :

"ان دنوں میں متفرقات کے قرض دار سرگرم تقاضا بلکہ آمادۂ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپے کی ہنڈی صراحتاً اب حیات ہو گئی۔ دایم مرگ سے نہات ہو گئی !"

بنام فاک کتب ملی نماں ۲۲ اگست ۱۸۸۷ء

آخر کے دو مغلّی جہلوں میں ہنڈی کے لیے "صراحتاً اب حیات" کا استعارہ اور "دایم مرگ" سے پیدا ہونے والا لہجہ سب کیا کسی بچے شعر سے کم ہیں۔

فاک طباعت بہت پہلے ہی کو بچکے تھے، رفتہ رفتہ بصارت میں بھی فرق آئے لگا



بغتی نہیں ہے بارہ دماغ کے بغیر

غالب بنیادی طور پر شاعر ہے اور شاعری میں زبان کے استعمال پر انھیں غیر معمولی  
 قدرت حاصل تھی۔ اس لیے لفظ ان کے ہاں گنجینہٴ معنی کا عکس ہے۔ غالب کی فکر، دھارا  
 اور جذباتی کیفیتیں ان کے ہم عصروں کے مقابلے میں زیادہ گہری اور وسیع ہیں۔ غالب کے  
 عہد کی سوشل تحلیلی زبان ان کا ساتھ نہیں دے پائی، اسی لیے ان کے دشمن ہر قداس کے  
 گہرے اثرات ہیں۔ اپنی بات کو مؤثر طریقے سے کہنے کے لیے شاعری میں غالب غائب ہیں،  
 علامتوں، تشبیہوں اور استعاروں کے استعمال میں غیر معمولی جدت سے کام لیتے ہیں۔ ان کی  
 اسی شاعرانہ آواز نے ان کے آدو و مخطوط کی نظر کو بھی پُر لطف بنادیا ہے۔ اردو میں خط لکھتے  
 ہوئے اگرچہ غالب عام جمل چال اور روزمرہ کی زبان استعمال کرتے ہیں لیکن اپنی بات کہنے  
 کے لیے وہ ایسی تشبیہوں اور استعاروں کو بھی کام میں لاتے ہیں، جن کے استعمال سے ان کا  
 اظہار زیادہ مؤثر، معنی خیز، تہہ دار اور شگفتہ ہوتا ہے۔ یہ تشبیہیں اور استعارے درحقیقت بھی  
 ہوتے ہیں اور غیر روایتی بھی۔ غیر روایتی تشبیہوں اور استعاروں میں سے اکثر خود غالب  
 کی جدت پسند طبیعت کی اپنا کاتھیر ہوتے ہیں۔

فائب ایک خط میں تفتہ کو نکھن چاہتے ہیں کہ اُن کی سمت اتنا جواب دے چکی ہے کہ اصطلاح شعر کا کام اب اُن کے بس کا نہیں رہا۔ اس خط میں فائب نے ایک ترکیب تک لہجہ استعمال کی ہے۔ دراصل (BICH NUMBER) ہے۔ "تک لہجہ" اس فزنی کو کہتے ہیں جو آٹھ بار پڑ جائے گا اُسے ہسپتال میں داخل کرنا پڑے گا اُسے اس کے مگر بھیج دیا جائے۔ خواہ اُسے پوری مٹی ہے۔ اب فائب کے خط میں اس ترکیب کا بطور استعارہ استعمال کا مظہر ہو:

”تیس دہائیوں پر سو روپے بیونا دیتے ہیں سال گذشتہ اُن کو کھڑا بھیجا کہ  
اصطلاح نظم حواس کا کام ہے اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں  
کہ اس خدمت سے مسامتہ ہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے،  
عوامی خدمات سبقت میں شہر کیجئے، تو میں ”تک لہجہ“ ہی روزِ غیرت خواہ رہی“  
بنام مولا ہرگوپال تفتہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۷ء

اس خط میں ”تک لہجہ“ کے استعارے کے استعمال سے فائب نے اپنی سابقہ خدمات،  
فائب دہائیوں پر سے اپنے تعلقات اور صحت کی لمبائی طر من سب ہی کچھ بیان کر دیا ہے۔  
اپنی پیرائہ سالانہ عوامی خدمت کو دیکھتے ہوئے فائب کو یقین تھا کہ موت اُن سے بہت  
قرب آگئی ہے۔ تفتہ کے نام اس خط کے آخر میں فائب نے ”جہان“ اور ”آفتاب“ کے  
استعاروں کے ذریعے اپنی حالت کا کھرا ٹھوڑا اظہار کیا ہے۔ سمجھتے ہیں:

”میں تو جہان دہائیوں سے آفتاب سرگرد ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“  
بنام مولا ہرگوپال تفتہ ۱۲ دسمبر ۱۹۹۷ء

فائب کی اردو نثر میں استعاروں کا بڑا بڑھستہ استعمال ملتا ہے۔ فائب استعارے کی مدد  
سے پورا فاقہ اور اس سے متعلق اپنی ذہنی اور ہذاتی کیفیت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ ان  
استعاروں سے اُن کی نثر میں اختصار بھی پیدا ہو جاتا ہے اور اس تفصیل کی مہاسب بھی

تھے پر کامر معنی اتفاقی ہے اسے قصہ دے بے فکر و پیش آیا ہے، ہوسا گز  
 اور حرم منوجہ ہوا ہوں، بڑھا ہو گیا ہوں، جہڑ ہو گیا ہوں، سرکار انگریزی میں  
 جڑا پھر رکھتا تھا، رئیس نادوں میں گنا جاتا تھا، ہوا عسکت پاتا تھا، اب  
 بدنام ہو گیا ہوں اور ایک بہت بڑا حساب لگ گیا ہے کسی ریاست میں نہیں  
 کر نہیں سکتا تھا اگر ہاں، استاد دیا پیرا مداح بن کر ماہ و رسم پیدا کروں، کچھ  
 آپ فائدہ اٹھاؤں، کچھ اپنے کسی عزیز کو دیاں داخل کروں، اور کچھ کیا صورت  
 پیدا ہوتی ہے۔

نامیاد دوستی کے برہم

عالمی انجم و تحفے کا مشتم

بنام مرزا ہر گواہ نقضہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء

نائب عام طور سے سادہ نظر سمجھے گئے، وہ فقروں کو منتقلی کر دیتے ہیں، یہ فقرے فقروں  
 کو منتقلی سے نہیں بلکہ بے ساختہ اور چرچہ نظم سے نکل جاتے ہیں، اسی لیے ان فقروں  
 سے عبارت زیادہ، اسمی اور زیادہ مؤثر ہو جاتی ہے۔ ایسے چند فقرے ملاحظہ ہوں۔  
 ”میرا حال بہ دستور ہے، دیکھیے خدا کو کیا منظر ہے۔“

بنام مرزا ہر گواہ نقضہ ۵ مارچ ۱۹۵۷ء

”جنا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا، دلایا کہ نہ صورت کو چمکایا۔“

بنام مرزا ہر گواہ نقضہ ۱۹ اگست ۱۹۵۷ء

”تم تو بڑی عبارت آزمائیاں کرنے لگے، بڑی خود نہانیاں کرنے لگے۔“

بنام میر ہندک مجروحہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۷ء

”یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو قدام ہو جائے“  
 بنام مرزا ہرگوپال تلک ۳۰ نومبر ۱۹۵۷ء

”شاید قدام ہے، آفتاب کی سی تلاش ہے“  
 بنام مرزا ہرگوپال تلک ۲۰ نومبر ۱۹۵۷ء

”جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہیے اور یہ پیام کہیے“  
 بنام مرزا ہرگوپال تلک ۲۰ نومبر ۱۹۵۷ء

”اوسیاں سپہ نادۃ افرادہ، دلی کے عاشقِ دل دادہ“  
 بنام میر محمدی محرق ۳۳ مئی ۱۹۵۷ء  
 چند اور خطی فقرے ملاحظہ ہیں :  
 ”نظرِ گراں ہے، موتِ اوزاں ہے“

”جو کھلا اٹک ہے نہ ہی میرا رنگ ہے“

”کاظمیت ہو جائی، اگر یہ آداب نہ بھالائی“

مسئلہ، چہاڑوں نے اننا ضحیت و نثار کر دیا کہ انھنے بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ رام پور  
 ہانا چاہتے ہیں، مگر جاتیں کیسے، ہانا خانے سے نیچے اترا، کسی طرف گئی جسے ٹھہر جانے سے  
 کم نہیں۔ اس نظامت کا حال اپنے مخصوص استعدادی انداز میں یوں بیان کرتے ہیں :  
 ”ہانا خانے پر چڑھا ہوا، انحر نہیں سکتا۔ لاکھ آدمیوں نے گود میں لے کر  
 اٹھا اور انکی میں اٹھا دیا۔ کہا چلے۔ سادہ میں مذمرا اور رام پور پہنچ گیا۔ کہاؤں  
 نے جا کر بے نظیر میں میری پاکی رکھ دی۔ پاکی غنم اور میں طاہر امیر، وہ بھی  
 بے پردہ والی۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں :“

بنام قادیان کلب علی ندی ۱۴ اپریل ۱۹۷۷ء

قادیان اپنی مصیبت کا بیان بھی کبھی کسی مزے لے لے کر کرتے تھے۔ ایک بار ان کے  
 بدن پر اسنے پھوڑے ہوئے کہ چلنا پھرنا دو بھر ہو گیا، ان پھوڑوں نے انھیں اتنا ضحیت و  
 نثار کر دیا کہ مرنے دم تک ان کے جسم میں طاقت نہ آ سکی۔ یہاں دادا خان سیاح کو اس  
 چہاڑی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اشکار کی اصوات سے میں نے ہاتھ اٹھالیا۔ کہا کروں ایک برس سے  
 عوارض و ماردخوں میں مبتلا ہوں۔ بدی پھوڑوں کی کثرت سے سرور چراغاں  
 ہو گیا ہے۔“

بنام یہاں دادا خان سیاح ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء

”عوارض و ماردخوں“ اور پھوڑوں کی کثرت کے ذکر کے بعد ”ہانگ“ سہارن پراغاں جیسی ترکیب  
 قادیان کی سنگتہ مزاجی اور نندہ دلی کا ثبوت ہے۔

قادیان اپنی اردو نظریں استعمال سے کام میں اتنا مستہیل کرتے ہیں، اُن سے کہیں زیادہ  
 تشبیہ کا استعمال اُن کے ہاں ملتا ہے۔ اُن کے خطوط سے تخلیقیت کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں :  
 ”کوک دہت سے میرا پاؤں پھل رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دانے اتر رہے تھے۔“

کے محیط تھے۔ ناگوار جیسے ایک قوم میں سے ایک شخص امیر ہو جائے، ایک روز ان دانوں میں سے بڑھ گیا اور کھپ گیا اور بھڑا ہو گیا۔

بنام شئی ہی بخش حقیر گشت آنکتہ بر سطر  
 "بے درد (ملک مکان) نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی۔ وہ من باخالی کا،  
 جس کا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول۔ اس میں ہڈ بڑھ گئی۔ رات کو وہیں سوتا  
 گرمی کی شدت ہڈ کا قریب۔ گمان یہ مگر آتا کہ یہ کھڑے ہو اور صبح کو مجھ کو بھانسی  
 لے گی؟

بنام مزا ہر گوہل تندر  
 "اب اگرچہ تندرست ہوں، لیکن انوں اور شست ہوں، جو اس کو بیٹھا مانیے  
 کو روٹھا۔ اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں قدر آدم  
 دیر لگے؟

بنام غاب سدائی خاں بہادر تندر  
 "ناؤں و ناؤں اکیس مہینے بہ بہرہ فوقی شعر، اشعار کی اصلاح منظور کی  
 اگر میں شعر سے سزا نہ ہوں تو میرا خدا مجھ سے سزا دے۔ جس کو طریق قیود و ثبوت ہیں  
 وہ دیکھ لیں، جیسے اچھی حمد و نثر کے ساتھ مزا بہرنا اختیار کرتی  
 ہے، میرا تمہارے ساتھ وہ معاملہ ہے؟

بنام مزا ہر گوہل تندر

"آپ کی محبت دل و دہاں میں اس قدر ساگتی ہے، جیسا اہل اسلام میں  
 مگر ایمان کا؟

بنام میر غلام بابا خاں ۶ اپریل ۱۳۹۷

”ایک سیر کے ہاں پنا لگا۔ وہی ہوا گیا کبھی سوچو ہاں لیکن کیا کبھی، جیسے  
نہت محل کے عہد کے تواریخوں میں ہزاری تھواری ہڈی؟“

بنام نواب علامہ الدین خاں خاں ۱۳ جنوری ۱۹۷۷ء

”اس قصیدے کا مروج شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے، جیسے ہم تم اپنے  
اپنے مسائل دینی سے۔“

بنام سربراہ گوال نقذ

”لیکن دائرہ تھواریا مال اس ریگستان میں بیٹھنا ایسا ہے جیسا سلمیٰ طفیل کا  
مال کوفے میں تھا۔“

بنام علامہ الدین خاں خاں ۱۳ جنوری ۱۹۷۷ء

”اس انداز مقرر نے وہ کیا جو پارہ ابر کشتہ تنگ سے کرے۔“

بنام میر بہمنی بھٹو

”تھواریا دھمکی عطا نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوسے میری نے بیوقوف کے  
ساتھ کیا تھا۔“

بنام میر سہ فراد حسین

”میں سٹاؤر سن سٹاؤر نہیں رہا۔ صورت سن نہیں رہ گیا ہوں، بڑے سے پہلوان  
کی طرح سچ بتانے کی گوں ہوں؟“

بنام مزاہر گواہان گفت ۱۳ ہر بی شش

”ماشقانہ اشعار سے جو کو وہ بعد ہے، جو ایمان سے کفر کو“

بنام علامہ الدین خاں طالق ۲ ہر باقی حلقہ

مطوطہ غالب میں استعمال ہونے والی کچھ تشبیہات اور نقل کی گئی ہیں۔ یہ تشبیہات اکبری بھی ہیں، طویل اور توضیحی بھی۔ غالب عام طور سے کسی واقعے سے متعلق اپنے ہندوانی رد عمل اور ذہنی کیفیت کے اظہار کے لیے تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی تشبیہات کی تعداد خاصی ہے، جو غالب نے اپنے گرو ویشی کی سادگی اور سیاسی زندگی سے اخذ کی ہیں۔ انہوں نے تشبیہات کا استعمال محض آرائش و نظر کے لیے نہیں کیا بلکہ وہ تشبیہات کی مدد سے اظہار میں زیادہ مصنوعیت اور اثر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

غالب کی دوجنی تربیت شعری اسلوب میں ہوتی تھی۔ اس لیے جب وہ شعر لکھتے ہیں تو اس میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بھرپور لیکن سوازی انداز سے کام میں لاتے ہیں۔ شعر میں بات کم سے کم الفاظ میں دیکھاؤ و اختصار کے ساتھ کہی جاتی ہے۔ شعر کی نحوی ساخت بھی عام طور سے نظر سے قدرے مختلف ہوتی ہے مثلاً کسی بھی ایک ہی اصل کو اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ اس سے ایک ساتھ دو مختلف نعروں کی تکمیل ہوتی ہے۔ غالب اور شرمی بھی الحال کا استعمال اس طرح کر کے اپنی اشعار کو پراگت اور دلکش بنا دیتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہیں:

”اب وہ تصویر کھینچا کر یں اور نم انتظار“

بنام میر ہندی مجذوب ۱۸ دسمبر ۱۹۱۷ء

”وگر طور سے، غلٹس سردی سے اکور رہا ہے“



”نہا پر کسی بھی چیز دی اور دلائی بھی“

بنام مام علی نقیر اردی اپریل ۱۹۵۹ء  
ایک فقرے میں اصل کی نگار سے کیسا عطف پیدا کیا ہے  
”دیکھیے، جبراً ٹھہرائے یا یہ خود اٹھ جائیں“

بنام نواب حسین مرزا ۱۰ نومبر ۱۹۵۹ء  
ایک اور فقرے میں ایک فعل کی دو مختلف صورتیں ملحوظ ہوں،  
”دوسری کتاب دیکھیے، مجھ کو کیا دکھائے“

بنام فشی غلام غوث نقاب بے نقیر ۱۰ نومبر ۱۹۵۹ء  
کبھی کبھی نقاب دو فقروں میں دو مختلف باتیں کہتے ہیں اور حرف عطف ”اور“ کے ذریعے  
دونوں فقروں کو ٹھکر ایک فقرہ بنا دیتے ہیں جس سے یہاں میں تشنگی اور اس کے ساتھ ساتھ  
ظن و مزاح بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے فقروں کو اگر ”اور“ سے نہ جوڑا جائے تو شاید  
عطف نہ پیدا ہو۔ خواہ غلام غوث بے نقیر کی فارسی غزل کی داد دیتے ہوئے نقاب  
کہتے ہیں،

”جو ڈھنگ آرزو لاریں ایران کے خیال میں نہ گزرا تھا، وہ تم بدست کار  
لے گئے، خدا تم کو سلامت رکھے اور مگر مایوس نہ رہا، قاطع کے مجاہد  
میں، غلاف اور فارسی دانوں کے توفیق، انصاف عطا کرے“

بنام خواجہ غلام غوث بے نقیر ۱۰ جنوری ۱۹۶۰ء

نقاب کی اس تحریر کا پس منظر یہ ہے کہ کسی نے نقاب کو اطلاع دی تھی کہ بے نقیر نقاب  
کی ”قاطعہ ایران“ کی تردید میں ایک سلا کھڑے ہے، اور نقاب کو یہ بات ناگوار لگی تھی۔  
مذاہر گوہل نقبہ کو اپنا کلام چھپانے کی بہت فکر تھی تھی، نقاب کو یہ بات مشاہدہ  
اس لیے پسند نہیں تھی کہ اگر شاعر اپنا سارا کلام چھپا دے تو طبع و ایمان بھی چھپ جاتا

ہے۔ میں سے مٹا کر کے اپنی دخل کو نقصان پہنچتا ہے۔ نقاب نے کئی خطوط میں آئندہ کو  
 لکھا ہے کہ کلام مجید نے کی جلدی نہ کرو لیکن ثقہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی جب ثقہ  
 نے ”سہلستان“ کی طباعت کی اطلاع دی تو نقاب جواب میں لکھتے ہیں :  
 ”سہلستان کا چھاپا خدا تم کو مہلک کرے اور خدا ہی تمہاری آبرو کا  
 نگہبان رہے۔“

بنام مرزا ہر گاہاں ثقہ ۲۰ جنوری ۱۸۹۷ء

نقاب کے خطوط میں محاوروں اور کہاوتوں کا استعمال بہت کم ہوا ہے کیوں کہ اس  
 معاملے میں نقاب نے ڈپٹی خذیر احمد کی طبعی زبردستی ٹھوس ٹھاس نہیں کی ہے۔ انھوں  
 نے اپنی اردو نظریں محاورے سے پاکجاہت کا استعمال ہمیشہ سے سنا تھا اور جب یہ طرز پر کیا ہے  
 میں سے ان کے غریب اسلوب میں نہ صرف سنگینگی، سلاست اور بے تکلفی پیدا ہوتی ہے  
 بلکہ اس کی مصنوعیت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

کوئی صاحب خطے میں سے مرزا ہر گاہاں ثقہ اور نقاب دونوں کو غالباً کسی اپنی  
 معاملے میں اختلاف تھا۔ نقاب نے اس سلسلے میں ان صاحب کو خط لکھا اور پھر ثقہ کے  
 نام اپنے ایک خط میں اس خط کا ذکر کرتے ہوئے اردو کا ایک محاورہ کہا ہے نکلت نکلت  
 میں استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

”ہر جہاں“ وہ جو میں نے خاقانی کا شعر لکھ کر اس کو بھیجا، اس کی ہاں مرنے  
 اگر میرے اس خط کا جواب لکھا ہو۔“

”اس کی ہاں مرنے“ لکھ کر نقاب نے اپنی فتح ابراہان ”صاحب“ کی شکست دونوں کا اعلان  
 بڑی لڑا جھوٹی کے ساتھ کرنا ہے۔

کچھ اور محاوروں کا استعمال ملاحظہ ہو :

”دیکھا اس پسند قدیم کا حال؟ میں تو اس سے خود دھوئے دیتا ہوں! لیکن

جب تک جواب نہ پاؤں کہیں اور کہوں کر چلا جاؤں؟ عالمِ اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے۔ دیکھیے کب آئے آئے، تو بکے گدا در میں ہائے زاری نہ گئے۔ غلط لے جانے۔ اس سچ میں ایک اور سچ آچڑا ہے۔

بنام سیر مہدی بھگوان

ملکین ان ملاؤں اور عوامِ غمِ خانوں نے سیر کوڑی ہے۔ کچھ نہیں ہائے اور آئیں کھاتے ہیں۔

بنام ملاحدین خاں ملانی

”نہ تھلا دھاگو اگرچہ اور احمد میں پایہ عالی نہیں رکھا، مگر اعتبار میں اس کا پایہ بہت عالی ہے۔ بس بہت محتاج ہوں۔ سو وہ سو میری پیاس نہیں بجھتی۔“

بنام مرزا میر گوبال رائے ۱۰ جون ۱۹۵۷ء

”جے تو دربار و غفلت کے ہالے پڑے ہیں، تم کو پس کی فکر ہے۔“

بنام سیر مہدی بھگوان ۱۱ دسمبر ۱۹۵۷ء

”نوالے سے رو پیہ آگیا ہے، میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں میٹھیں۔“

بنام سیر مہدی بھگوان

”حضرت کی تحریر کا ایک لفظ، سوائے صداقت تو ام شاہِ عالم کے اگر چہ گما ہو تو دیر سے پہنچیں، ان کا نصیب نہ ہو۔“

بنام محمد عسری عبدالغفور متروک

”اب جو کچھ جو کہہ رہا ہوں، اد آئے، تو بھائی پر سائب ماسپر ہانا

ہے۔“

بنام مرزا ماسم علی بیگ تہر

”رہے غزل و قناد اور باد میں سلم، یہاں کوئی طرح آرائش کی نہیں ہے۔  
 اہل دلی عموماً بڑے شعر گئے، یہ دماغ ان کی جیسے حال سے مت نہیں مکتا،  
 میں احوال میں ہوں، مودہ شعر کیا کہے گا؟ غزل کا دھنگ بھول گیا، مصروف کسی  
 کو قہر دوں، جو غزل کی روش ضمیر میں آوے؟ رام قصیدہ، مودہ کون ہے؟  
 اسے آنکھیں گویا میری زبان سے کہتا ہے :

اسے دینا انہیت مودے سزا دار مدنی

اسے دینا انہیت مستحق سزا دار غزل

غلام حسنین قدس جگہی کے نام ایک خط میں فاک نے نالے کی قدس اناسی کا شکوہ کیا ہے۔  
 شعر گوئی ترک کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے آخری کے اس شعر کا استعمال اس طرح  
 کیا ہے :

”غیر نے شعر کہنے سے توبہ کی ہے، اصلاح دینے سے توبہ کی ہے، شعر  
 مذنا تو ممکن ہی نہیں، بہرا ہوں، شعر دیکھنے سے نفرت ہے، پچھتر برس کی  
 عمر پندرہ برس کی عمر سے شعر کہا ہوں، ساٹھ برس بکا، نہ دماغ کا مسئلہ، نہ  
 غزل کی داد، نہ قول الجورگی،“

اسے دینا انہیت مودے سزا دار مدنی

اسے دینا انہیت مستحق سزا دار غزل

سب شعر اسے اور احباب سے متوجہ ہوں کہ مجھے مودہ شعرا میں شمار  
 نہ کریں اور اس فن میں مجھ سے کسی پرستی نہ ہو۔“

مودہ ہر گز اہل نقد نے کسی ایسے شخص کی مدح میں قصیدہ لکھ کر فاک کو بھیجا، جو شعر کے ان  
 سے بیگناہ تھا اور جو قول فاک یہ لوگ اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے بلکہ  
 مدح کیجئے، فاک نے نقد کو لکھا :

آئی، پر دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچنا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ہوں، یوں ہی رویا کروں گا، دوسری یہ، آخر ایک خدا ایک دن مردوں گا۔ یہ صوفی دیکھنی دل لٹکیں ہے، نتیجہ اس کا نکلیں ہے۔  
ہیہات !

مختصر مرے پہ ہو جس کی اُسب

نا اسیدی اس کی دیکھا چاہیے

ایک جگہ ناگ کہا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ ناکہ بڑے ہیں، پھر بھی اس نالے میں نصیحت ہیں۔ جسکی کے شاگرد منظر کا ایک شعر نقل کر کے بڑے دلکش انداز میں بات بھی ہے۔  
نکھتے ہیں :

”میاں ! یہ ہم تم بڑے ہیں یا جواں ہیں، جوانا ہیں یا جواں ہیں، بڑے

جیل نصیحت ہیں، امین یہ ہر حال نصیحت ہیں۔ کوئی جلا سہنا کہتا ہے :

یاد رکھنا زمانہ ہیں ہم لوگ

یاد رکھنا زمانہ ہیں ہم لوگ

بنام میر مرغلزاد حسین

نصرت کیجیے سندھیلہ کا نام انقلاب اپنی نواں آتما میوں کے ساتھ ناگ کی لگا ہوں کے سامنے سے گزر کر چکا ہے۔ بے شمار عزیز دوست اور آشنا موت کی غم ہو چکے ہیں۔ ماکا اسی تک سولہ پر نہیں آئے ہیں۔ ہر چیز غیر یقینی دکھائی دیتی ہے مستقبل کا کوئی نقشہ لکھوں کے سامنے نہیں ہے۔ ناگ نے خود اپنے ایک شعر سے اس کیفیت کا کیا خوش اثر اظہار کیا ہے نکھتے ہیں :

”تمہاری والدہ کا مناشن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ خدا تم کو صبر دے اور اُس

عہد کو بخشے، میرا عقلی بھائی مرزا دوست خاں دیوانہ سی مر گیا۔ کیسا پسند اور

”ہاں سزا اس قصیدے کا مودع شعر کے لئے سے ایسا بیگانہ ہے ایسے  
 جہنم اپنے اپنے مسائل دینی سے، بلکہ ہم تمام اوجہ عدم واقفیت امیر دین سے  
 غور نہیں اور وہ شخص اس لئے سے بیزار ہے۔ علاوہ اس کے وہ اتالیق  
 کہاں وہاں سے نکالے گئے، دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوتے ہیں جب سے  
 آتے ہیں ایک باد سیر سے اس نہیں آئے مذہب اُن کے پاس گیا یہ لوگ اس  
 قانون میں نہیں کہ ان کا نام ہے، یہ جاتے ہیں کہ مدح کیجئے، ہاں اتالیقی :

اسے دینا انیسٹ ممدوئے سزا دہر مدح

اسے دینا انیسٹ مشوقے سزا دہر غزل ۵

شیخ الطوف احمد گلرامی نے اصلاح کے لیے ایک قصیدہ بھیجا، غالب قصیدے پر تبصرہ  
 کرتے ہوئے انہیں سمجھا، چاہتے ہیں کہ کثرت کو کوئین اور دنیاوی لوگوں کی مدح ایک ہی  
 الفاظ میں نہیں کرتی چاہیے۔ دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس مسئلے میں ایک لفظ بھی  
 غلط نہیں لکھا۔ صرف ایک شعر نکھڑ کر اپنی پوری بات سمجھا دی۔ سمجھتے ہیں :

”تمہارا مسودہ آلا۔ کم تر جگہ اصلاح کی پائی۔ خوش و غمزہ بھی لکھے پسند آئی،  
 دل خوش ہوا، لیکن :

ہشدار کہ تمہارا ایک آہنگ سرودن

نفس نہ کوئین و مدح کے دہم ماہ

غالب کا ایک شعر ہے :

درد کش کثر منظم گلسہ رواں از تن

ایں کہ من نمی میرم، ہم نرنا تو اینہا ست

غالب نے شعر اپنے صنعت اور آوازی کا ذکر کرتے ہوئے کم سے کم تین بار نقل کیا ہے غالب  
 انوار اللہ محمد الدین خاں شوق کے ہم ایک خط میں لکھتے ہیں :

"آپ کی پرسیش کے کیوں نہ قربان جاؤں کہ جب تک سہرا سنا میری  
 خبر نہ لی۔ میرے مرگ کے خبر کی تقریر اور منگ سیری چھوڑ، آدمی پہ اور آدمی  
 جھوٹ۔ اور صحت مرگ، نیم مردہ اور در حالت حیات، نیم زندہ ہیں،  
 در کش کش ضعیف نگہ رواں از حق  
 ای کہ من نمی میرم، ہم نہ تا تو ایہا است"

۵۔ انفرادی مسئلہ

چودھری عبد الغفور سترہ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں،  
 "در کش کش ضعیف نگہ رواں از حق  
 ای کہ من نمی میرم، ہم نہ تا تو ایہا است  
 حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ دکھا۔" "بہت سی نہاں کے دیکھے کا  
 دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ بے گرجیں جہاں، دام پر گر کے  
 دانہ زمین سے اٹھاؤں۔ حضرت پہ تو ہیں بے کہ علم پائے روزگار نے  
 مجھ کو گھیر لیا ہے"

اگر گھرا ہوا ہے، تختہ بازی ہوا ہیں، یہی ہے اور غائب کا یہ حال ہے کہ ہر قول سترہ "بہد  
 ہے بہرہام وید گورے ہے" یعنی غائب کے پاس پہنچے کو فساد نہیں ہے۔ اس کیفیت کا  
 نوثر اظہار اپنے ایک فارسی شعر کی مدد سے ہیں:

چہرہ دن چرخا ہو گا کہ اگر گھر رہا ہے، شرح محمد ہے، ہوا سروریل رہا ہے  
 پہنچے کو کچھ میر نہیں، ناہار روئی کھائی ہے:

ان لم یچر از ابرہین ہی

سفالینہ جام من از سے تھی "

یہ نام خواجہ غلام محبت خاں بے کبر

میر ہدی بخود نے نقاب کو اطلاع دی کہ میرن صاحب دلی آ رہے ہیں۔ نقاب جو دوستوں کی ملاقات کو ترستے ہوئے تھے، خط کے جواب کی ابتدا ان الفاظ سے کرتے ہیں :

”کیوں یاد کیا کہتے ہو ؟ ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں، ہمارا خط پڑھ کر دوسو بار یہ شعر چلے گا۔“

وعدۃ وصل چوں شود نزدیک

آتش شوق تیز تر گردد \*

نقاب کا کوئی مشاعرہ ان سے اپنے اشعار پر اصلاح کی درخواست کرنا یا کوئی دوست تذکرہ کلام کی فرمائش کرنا اور نقاب کی صحت ٹھیک نہ ہونے تو کبھی کبھی اپنی ذہنی اور جہانی کمزوری کا غلط پتہ لگانے کے مقصد سے چلا جیتے۔ اس طریق کے کم سے کم پانچ نمونوں پر نقاب نے اپنا یہ نازی شعر استعمال کیا ہے :

گمانِ زہیمت بود بر منت ز بیدری

بدست مرگ ولے بدتر از گمانِ تو نیمت

نقاب کو بیداریوں نے گمیر دکھائے۔ انصاف اور کمزوری انتہا پر ہے۔ بالی دھوار ہیں گارہا ہے۔ ”گمانِ زہیمت“ کو فراموش کیے اور شعروں کو ہی کو ترک کیے حرم ہو چکا ہے۔ ایسی حالت میں جب حکیم صاحب علی تذکرہ کلام یا شرکی فرمائش کرتے ہیں تو نقاب اپنی بے بسی اور لاچارگی پر تڑپ اٹھتے ہیں، لکھتے ہیں :

”گمانِ زہیمت بود بر منت ز بیدری

بدست مرگ ولے بدتر از گمانِ تو نیمت

ہے ہے ! تم اب تک یہ جانتے ہو کہ نقاب شعر کہتا ہے یا کہ نہ کہتا ہے ؟  
لیک پاؤں نکاب میں ”لیک“ اتھ پاگ پر۔ اس صورت میں کیا کہوں گا اور  
کیا کہوں گا ؟ وہ کرم و معظم خواب مصطفیٰ خاں گواہ ہیں کہ اب شعر نہیں کہتا \*



غائب ایک اور خط میں لکھتے ہیں :

”گمانِ زبیتِ ہزارِ منت ز بیدردی  
ہدستِ مرگ دے ہتر از گمانِ تو نیست  
مجھے زندہ سمجھتے ہو، جو شرفِ فدا کی مسرابین کرتے ہو؟ غیبت نہیں  
جاننے کو مراد کہ نکھ کر بھیجتا ہے“

یہ نام نشی شیر نوائی آرام ۱۸ جون ۱۳۵۷

مزا ہر گہاں تفتہ کو نکھتے ہیں :

”سبحان الشرا تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر  
ہوں، جو مجھ سے مطلع اٹھتے ہو؟“

گمانِ زبیتِ ہزارِ منت ز بیدردی  
ہدستِ مرگ دے ہتر از گمانِ تو نیست

غائب کی ”قاطعِ برہان“ کے جواب میں مزاریم ہیک نے ”سالمِ برہان“ نام سے ایک  
کتاب لکھی۔ غائب نے ایک طویل خط کی شکل میں ”سالمِ برہان“ کا جواب دیا جو بہت سوار  
طریقے سے ایک فدا کی شعر پر اس طرح اختتام پذیر ہوا ہے :

میں اب قطعِ کلام کرتا ہوں اور آپ کو بہ کمال تعظیم سلام کرتا ہوں، یہ میری  
تصغیر کو تسلیم رکھتے ہو تم جانو اور سید اہلدار۔ خاقانی پر بہتان کرتے ہو اہم  
جانو اور وہ میدانِ معنی کا شہ سوار، مجھ کو میں قد تم نے لکھا ہے یا کوئی اور  
نکھ دے تاکہ وہ سب علو اور حیثیت ہے، معقول اور ماست نہیں لیکن  
واللہ وکملہ کو عرضہ محض میں اُس کی بلا خواست نہیں :

زینِ حقیقیؑ بہ کوہینِ صلحِ کلِ کردیم  
تو عصمِ اہلؑ وزا دوستی تماشا کنؑ

صاحبِ عالم کے کسی ادبی معاملے میں اختلاف ہو گیا۔ تاہم انہوں نے فائق گاہی ہندوستانی  
 فارسی شاعری سے موازنہ کر دیا یا کسی معاملے میں اسے فائق پر ترجیح دے دی فائق کو یہ بات  
 ناگوار گزری۔ چنانچہ صاحبِ عالم کا احترام کرتے ہوئے، اس لیے بہت دلچسپ انداز میں  
 صاحبِ عالم سے ان کے اس رویے کی شکایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

” پہلے اپنا ایک شعر کہا کہ گستاخی کو کلامِ فرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں کہتا کہ یہ شعر  
 میں نے کہیں لکھا ہے۔ شعر یہ ہے :

مواہ غیر ذہک جنس در لشکر آورد  
 نفاں اگر نیست در ہمانہ فرق آگشت

ترجمہ : چاندھری عبدالغفور مرقد

یہ کہنا ہے کہ کچھ شراب کی زمیں فائق کے ہاتھ آگئی ہیں۔ چنانچہ جوشید اور سکندریہ بہتے  
 جیٹ کر رہے ہیں۔ یہی اس کیفیت کا بیان میر سہیل بھٹو کے نام ایک خط میں اس طرح  
 کرتے ہیں :

” مولانا فائق علی غریب ان دنوں میں بہت خوش ہیں۔ یہاں ساڑھوں کی کتاب  
 صبرِ عزیزی کی داستان کی اور اسی قدر علم کی ایک جگہ ہوشیار نیان کی آگنی ہے۔ جنہو  
 یوں ہمارے باب کی تو شک خانے میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں  
 بات بھر شراب پیا کرتے ہیں۔“

کے کہیں موادِ ششِ جسر آورد

اگر جم نہ داشتہ ، سکندر آورد

اردو اور فارسی کے کچھ شعر ایسے ہیں، جنہیں فائق نے بار بار نقل کیا ہے۔ یہ وہ اشعار ہیں  
 جن کی مدد سے فائق اپنے مصنف، نقاد بہت سے ہیں اور موت کی ترنا کے اظہار کو زیادہ  
 خوش طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ فارسی کے ایسے دو شعروں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اردو میں

نورِ فاقب ہی کا ایک شعر ہے :

نہر جسیر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
مر گئے پر دیکھے دکھائیں کیا

یہ شعر فاقب نے کم سے کم چار دفعہ خود اپنی موت کے مسئلے میں استعمال کیا ہے۔ پدموری  
عبدالغفور متوکل کو ایک خط میں فاقب لکھتے ہیں :

”میں تو اب روزِ دشب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یہیں گزری، اب دیکھے  
موت کیسی ہو :

نہر جسیر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
مر گئے پر دیکھے دکھائیں کیا

میرزا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسبِ حال ہے۔“

نواب ابوالدولہ سدا اللہ دین خاں قلعی کو لکھتے ہیں :

”نہ تم میری جھلے سکتے ہو، نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اضر، اضر  
نہا سارا تیر چکا ہوں، ساحلِ نزدیک ہے، دو دم آٹھ لگائے اور بیڑا پار  
ہے۔“

نہر جسیر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
مر گئے پر دیکھے دکھائیں کیا

۲۲ اکتوبر ۱۹۷۱ء

نظامِ حسین قند بگرامی نے خط لکھ کر فاقب کے حلقہٴ تلمذ میں داخل ہونے کی درخواست  
کی فاقب نے قند بگرامی کی یہ درخواست بہ خوش قبولی کی لیکن خط میں یہ بھی لکھا :  
”باسطو برس کی عمر ہوئی، پہاس برس اس غیلوے کی حدِ دشمنیں گھڑے۔  
اب مجرم وہاں میں اب و لہاں نہیں، نظرِ قادسی کھنن یک ظلم موقوف اور دوا

سوائس میں عبادت آرائی متروک، جو نہاں پر آوے، وہ نظم سے نکلے۔  
 پاؤں کتاب میں ہے اور ہاتھ آگ پر، کیا لکھوں اور کیا کروں؟ یہ شعر اپنا  
 بڑھا کر ہیں،

عرسہ دیکھا کیے مرنے کی راہ  
 مر گئے پر دیکھے دکھائیں کیا

موت سے کچھ عرصے پہلے ناگ نے تھوکی منبری کو جو خط لکھا تھا، اس میں اپنی ضعیفی  
 اور صحت کی غمراہی کا ذکر قدسے تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”ایکٹریس کی عمر پاؤں سے اسی طرح، کانوں سے بہرا، دن رات ہڑا رہتا  
 ہیں۔ وہ سطر یا کھینا بہن تھرا یا، موت سوچنے سے رہا، قوتیں ساقط،  
 جاس نقل، اندھا قلیل بکرا نقل،

عرسہ دیکھا کیے مرنے کی راہ  
 مر گئے پر دیکھے دکھائیں کیا

ناگ نے اپنی ضعیفی، کمزوری اور بیماریوں کا ذکر اکثر شاعرانہ انداز میں کیا ہے وہ اس  
 موقع پر بہت خوبصورت اور جہتہ استعارے اور تشبیہیں استعمال کرتے ہیں۔ اپنے  
 لکھنا گزشتہ میں داد خواں سیاح کے نام خط میں اپنی صحت کی غمراہی کا ذکر بڑے  
 خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ اور آخر میں قافیہ شاعر نقل کر کے اپنی بات اور زندگی کے  
 شعر دونوں کو نوٹ کر بنا دیا ہے،

”اتوان زہر پر ہے، بڑھا ہے لے نکلا کر دیا ہے، ضعف، شقی، کالہا  
 عمریں ہانی، اگراں، رکاب میں پاؤں ہے، آگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سطر  
 وہ دھارہ پیش ہے۔ زاد راہ موجود نہیں۔ مالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر  
 ناہمیدہ بختی دیا تو خیر، اگر باز پرس پوچھ تو سطر مقرر ہے اور ہاتھ ناہم ہے

دو ذبح جاوید ہے اور ہم ہیں۔ اسے کی کا کیا اچھا شعر ہے :  
 اب تو گھبرا کے ، کہتے ہیں کہ مر جائیں گے  
 مر کے بھی چین نہ پایا تو کہ مر جائیں گے ۔

(۳۱ دسمبر ۱۹۷۱ء)

ایک خط میں طول عمر سے پیدا ہونے والی اپنی بیل ہیں کا ذکر کر کے ، سیر تقی خیر کا شعر پڑے  
 جہتہ طور پر استعمال کیا ہے ، لکھتے ہیں :

”خیرت ہوں ، پادشہ ہوں ، امیر ہوں ، غلامی ہوں ، غلامی ہوں ، غلامی ہوں ، غلامی ہوں ،  
 ہوں ، یہ شعر سید تقی خیر کا میرے حسب حال ہے :

مشہور ہی عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم  
 انقدر نہ دے پڑ جائے کہ نہیں ہم

ہم غرض صوبہ اشرفیہ کا

جون ۱۹۷۱ء میں حکومت نے طے کیا کہ پٹن دہریوں کو پٹن ماہ ۲ ماہ ملنے کے بجائے سال  
 میں دو بار ملا کر دے گی ۔ اخراجات کے مقابلے میں نالکب کی آمدنی یوں بھی محدود تھی اس  
 حکم نے ہی اسی کسر پوری کوئی ۔ نالکب حکومت کے اس فیصلے کی اطلاع نقضہ کو پڑے  
 دلچسپ انداز میں دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

”اب میری کہانی سنو ۔ آخر جون میں صوبہ پنجاب سے حکم آگیا کہ پٹن دہریوں  
 قدیم ماہ ۲ ماہ نہ پائیں ، سال میں دو بار ہر طریقہ پٹن ، ہر فصل پلا کر پٹن  
 ماہ ۲ ماہ ہر ہر سے سو کٹ کر دو پٹن پلا گیا ، ۲ ماہ پٹن دہریوں ، پٹن دہریوں  
 صرف ہو ، یہ سو دے پٹن تک اسی طرح کٹواں دینا پڑے گا ۔ ایک مستقل  
 رقم گھاتے ہیں جائے گی :

ہم ہے مڑے کی چسپائی ایک  
 خلق کا ہے اسی چلن کا مدار  
 مجھ کو دیکھو کہ ہوں یہ تہرہ حیات  
 اور چسپائی ہر سال میں دوبارہ

بہارِ مہرِ گرہاںِ تفتہؔ ۱۰ جولائی ۱۳۳۷ھ

غالب نے زندگی کے تمام غنیمت و فرائز دیکھے۔ ہر ممکن مصائب و آلام کا سامنا کیا لیکن  
 انتہائی پاکسی اور ایسی میں ہیں انہوں نے حالات سے شکست نہیں کھائی۔ مہرِ گرہاں  
 تفتہ بلی دشوار یوں سے تنگ آکر گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے غالب  
 کو اپنے اس ادارے سے آگاہ کیا تو ہر حال میں زندہ رہنے کا سلیقہ رکھنے والے غالب  
 جواب دیتے ہیں :

”کیوں ترک لباس کرتے ہو؟ پچھنے کو تمہارے پاس ہے کیا میں کوئی تذکر  
 بھیجوں گا۔ ترک لباس سے قیدِ ہستی مٹ نہ جائے گی۔ بغیر کھانے ہے  
 گورانا ہو گا۔ خلقِ وحشی، رنج و آلام کو ہموار کر دو۔ جس طرح ہوا اسی صورت  
 عام ہر صورت گھنے نے دو :

آبِ رائے ہی بنے گی غالب  
 فاقہ سخت ہے اور جان عزیزہ

جولائی ۱۳۳۷ھ

پودھری، عبدالغفور متوڑ کے ہم ایک خط میں صاحبِ عالم سے خطاب کرتے ہوئے  
 لکھتے ہیں :

”حضرت! سچ تو یہ ہے کہ علم اسے بڑھانے کے لئے جو کوئی تیار ہے،  
 سامنے نہیں لے سکتا، اتنا تنگ کر دیا ہے۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں

آئی، ہر دل نے کسی طرح نسل نہ پائی۔ اب دو بائیں سو نہا ہوں۔ ایک تو ہے  
 کہ جب تک جیتا ہوں، یوں ہی دیا کروں گا، دوسری ہے، آخر ایک  
 نہ ایک دن مردوں گا۔ یہ صطری و کبریٰ دل نہیں ہے، نتیجہ اس کا نہیں ہے  
 ہیبت !

مختصر مرنے پہ ہر جس کی اُسید

آامیدی اس کی دیکھا چاہیے

ایک جگہ ناگب کہا چاہتے ہیں کہ ہم لوگ دکھ بڑے ہیں، پھر ہی اس نالے میں نصیبت  
 ہیں۔ جسکی کے شاعر و منتظر کا ایک شعر نقل کر کے بڑے دکھ انداز میں ہے۔ ات بھی ہے۔  
 لکھتے ہیں :

”میاں ! یہ ہم تم بڑے ہیں یا جانا ہیں۔ تو نا ہیں یا ناواں ہیں، بڑے

میش قیمت ہیں، امین، ہر حال نصیبت ہیں، کوئی بڑا سہا کہتا ہے :

بادگاہِ زمانہ ہیں ہم لوگ

بادگاہِ زمانہ ہیں ہم لوگ

بنام میر سر فرید حسین

تصور کیجیے سید شاہ کا کام انقلاب دہی نواں آٹامیوں کے ساتھ ناگب کی لگا ہوں  
 کے سامنے سے گزر کر چکا ہے۔ بے شمار عزیز دوست اور آٹاموت کی نندہ ہو چکے ہیں۔ ساتھ  
 ابھی تک سمول پہ نہیں آئے ہیں۔ ہر چیز غیر یقینی دکھائی دیتی ہے مستقبل کا کوئی نقشہ لکھوں  
 کے سامنے نہیں ہے۔ ناگب نے خود اپنے ایک شعر سے اس کیفیت کا کیا خوشرا نظم لکھا  
 ہے۔ لکھتے ہیں :

”تمہاری دالہ کا مڑنا میں کر مجھ کو بڑا علم ہوا۔ خدا تم کو صبر بڑے اور اُس

عفیض کو بخشے۔ میرا عقلی بھائی مرزا یوسف خاں دیوانہ بھی مڑ گیا۔ کیسا پسند اہ

کہاں اُس کا ملنا۔ یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ،  
 ہے موج زن اک قلم لوں ، کاش یہی ہو  
 آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا میرے آگے ۔

## مرقع نگاری

اگرچہ مخطوط قائب میں مرقع نگاری کے نمونے بہت کم ہیں ، لیکن جو دو چار نمونے ملنے ہیں ، وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ اردو میں خاکہ نگاری کے ابتدائی نقوش ہی مخطوط قائب ہی میں ملتے ہیں۔ قائب مختصر الفاظ سے ایسا مرقع پیش کرتے ہیں کہ پوری تصویر اور صاحب تصویر کا کردار چارے ساٹنے آجاتا ہے۔

قائب جب رام پور میں تھے تو قائب کتب علی عباس کی شخصیت نے انھیں بہت متاثر کیا۔ ملاتی کو اپنے آثارات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ،

”میں کی تصویر کھینچتا ہوں ، قد ، رنگ ، شکل ، شاہی ، بعینہ یہاں  
 ضیاء الدین عباس ، عکرا لڑی ، اور کچھ چہرہ اور لمبہ متفاوت۔ حلیم و حلیم ،  
 باذل ، کریم ، متواضع ، متشروع ، متوجع ، شعر فہم ، سینگڑوں شعر یاد۔ نظم کی  
 طرف توجہ نہیں ، شعر سمجھتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں۔ ہمارے طباطبائی کی طرح  
 برستے ہیں ، سنگت جہیں ایسے کہ اُن کے دیکھنے سے غم کو سوں بہاگ جاتے۔  
 فصیح بیان ایسے کہ اُن کی تقریر سن کر ایک اور نئی مدح قائب میں آئے۔  
 اَللّٰہُمَّ خَلِّمْ خَاتَمَ الْقَبَلَاءِ وَ زَاوِ اَہْلَہٗ لَہٗ“

بنام ملا ، الدین عباس ملاتی ، ۲ دسمبر ۱۹۳۷ء

اس مختصری تحریر میں قائب نے قائب کتب علی عباس کی پوری شخصیت ، چہرہ صبر و اخلاق ،  
 شعر فہم ، شعر نگاری اور تقریر طرز میں چرچہ سزا اس طرح بیان کی ہے کہ قائب صاحب کی



پوری شخصیت اور ان کا کردار ہمارے سامنے آگیا ہے۔

میر ہمدی مجروحہ کے ایک دوست حکیم میر اشرف علی پہلی بار غالب سے ملاقات کو آئے  
غالب کو حکیم صاحب بہت پسند آئے۔ ان سے اپنی ملاقات کا حال سب و کمال گزارش بیان  
کیا ہے اسے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

”کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اپنی، مانو لے ملوئے، ملازمین مشغول،  
بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے تھوڑا عرصہ، صرف ان کی ملاقات  
کی غرض میں تھا۔ بارے، ان سے آج تشریف پوچھا گیا، فرمایا، اشرف علی  
فوسیت کا استفادہ ہوا، مظلوم ہوا، سندیں، پیشہ پوچھا، حکیم نکلتے، میری حکیم  
میر اشرف علی، میں ان سے بی کر بہت لڑائی ہوا۔ خوب آدمی ہیں اور کام کے  
کوئی ہیں؟“

ہمام میر ہمدی مجروحہ

غالب کی ایک ملازمہ تھیں بی وفادار۔ بہت دلچسپ شخصیت کی ملک۔ ملاقات کے ہم ایک خط  
میں غالب نے ان کی شخصیت کا بہت و کمال ذکر کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں،

”بی وفادار، میں کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں، اب تمہاری بھواری نے  
انہیں ”وفادار بیگ“ بتا دیا ہے۔ پہنچ گئی ہیں، سو تو کیا لائیں گی مگر خلیق  
اور طبع ہیں، دوسرے چلتوں سے آئیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی  
نہیں انہیں کی طراوت انہر کی مسیرہ کریں گی، انہیں نہیں کہ وہ دوازے کے سہا ہیں  
سے آئیں نہ کریں گی، انہیں نہیں کہ بھول نہ توڑیں اور بی بی کو لے کر نہ  
دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ بھولی تھی چھلکے بیٹے کی کالی کی اینا، انہوں نے تمہارے  
چھلکے بیٹے کی کیا دی کے ہیں؟“

ہمام غلاب علامہ الدین شاہ ملاحی، ۲ اگست ۱۹۳۵ء

## ایک ذرا چھیڑے، پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

نائب کے مصائب و اہم کی داستان اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ وہ ابھی بچوں تھے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اُن کی مصیبتوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ جشن کے موقع پر اُن کی شکست، دو دفعہ کا جلاوطنی، اسیری، سرفراز کا کام انقلاب اور اُس میں بے شمار دوستوں، عزیزوں اور شاگردوں کا قتل، جو اتنی بے رحمی، اُن کی مفاد پرستی، زندگی بھر کی تنگدستی اور بڑھاپے کی مسلسل بیماریاں نائب جیسے حساس انسان کو ہاتھ کر دینے یا کم سے کم انہیں دنیا سے غمگین کر دینے اور قومی بنالے کے لیے کافی تھیں لیکن زندگی کے آخری دنوں تک نائب کے ہوش و حواس اس لیے قائم ہے کہ ان میں غیر معمولی قوت اداوی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے زندگی کے ساتھ مکمل طور پر مصافحت کر لی تھی۔ صورت اُن کا فہم ہی نہیں بلکہ عقیدہ تھا کہ زندگی کا پورا حقیقی معنوں میں غم اور خوشی کی دھوپ جہاں میں ہی ہے وہاں چھوٹا ہے اور ان میں بھی دھوپ یعنی غم کو ہی خوشی پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ نائب کا ایک شعر ہے،

دن سے غمگر ہوا انسان تو بیت جانا ہے رنج

مشکلیں آتی پڑی بھر پر کہ آساں ہر گشتیں

اس شعر میں کھنکھارے محزون نہیں اندھا گیا بلکہ یہ نائب کی زندگی کی تفسیر ہے۔ نائب زندگی اور اس کے مسائل کو کچک، اشور اور دانشور انسان کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، اسی لیے سلسلے یا پکسیوں اور ناکامیوں سے تنگ آنکرا انہوں نے زندگی سے غلامی حاصل نہیں کیا۔ زندگی کے مصائب و اہم نے اُن کی فکر میں بالیدگی پیدا کی اور اُن میں زندہ رہنے کا عزم اور حوصلہ بڑھا اور ان سبب تحمل اور استقلال پیدا کیا جو ہر کڑی سے کوئی مصیبت کو پس کر چیلنا سکھاتا ہے۔ ایسا ہی آدمی ہے شعر کہہ بھی سکتا تھا :

آپ اسے ہی بنے گی غالب

واقعہ صحت ہے اور جان عزیز

غالب نے "جان عزیز" کے لیے آرزو اور شکست آرزو، غوطی اور غم، کامیابی اور ناکامی کے دو پہاں زندہ رہنے کا سلیف سیکھ لیا تھا۔ اسی لیے تو وہ اپنے آپ کو "ہفت قسم اپنے دنگاز نہیں بکڑ" دیکھو "ہفت قسم اپنے دنگاز" کہتے ہیں۔ اس "ہفت قسم" سے دنگاز سے ان کی زندگی بڑھ چکی اور ان کی حس مزاج اور نہیں بڑھ چکی بلکہ اور بھی بڑھتی چلی گئی۔ ایک حسی مزاج کی طرح غالب زندگی کی اُن تمام باتوں اور کمزوریوں پر سے ہنستے ہوئے بہت بڑھ کر گزر جاتے ہیں، میں پہچانتے ہوئے پاؤں پہو پہاں ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے تضادات کا احساس اور عرفان ہی ان تضادات کی خیریت ہی ہے اور اس خیریت کا اندازہ غالب نے ہمیں اپنی تحریروں میں خوب خوب کرایا ہے۔ غالب کے مزاج میں چھکڑ پن نہیں بلکہ زندگی کی بصیرتوں کا اور اس کی تلخ اور شیریں حقیقتوں کا، تلخ زیادہ اور شیریں کم، عرصہ سندانہ اور بوسلا اظہار ہے۔ غالب کے طنز اور اُن کی شوخی طبع دونوں کا سرچشمہ زندگی کی محرومیاں اور غم و آلام ہیں۔ اسی لیے اُن کا مزاج توانا اور جاندار ہے۔

غالب غم نہ کھتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ اپنی صیغہ کے پہاں سے "دوسری کچھ بڑ" پریشان نہ کریں۔ وہ اپنے دکھ سے بڑے چھکے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ میر سولہ جیل کے ہم غم میں اپنی تنہائی کا غم کرتے ہیں، ان دونوں کا ذکر کرتے ہیں، جنہیں اشتیاق سندانہ لے لے سے جدا کر دیا۔ پھر ایک دم بات کا شعلہ بدلتے ہوئے کہتے ہیں،

"اشد اشتد اشتد، بیرونوں کا میں نام دار ہوں، میں مردوں کا توہم کو کون دنگاز

سنو غالب! دغا پہنٹا کیا، کچھ اٹکاؤ کی پائیں کرد؟

غالب کی ساری زندگی اپنی اُن کی نگہداشت میں گزری۔ لیکن مٹی زندگی میں جب غالب کی اُن باتوں کے خیریت سے کھاتی ہے تو غالب اپنا مذاق اڑانے سے بھی باز نہیں آتے۔

مہا قربان ملی بیگ خاں سالک کو اپنے اسے میں سمجھتے ہیں :

”یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں المخلوق کا کیا ذکر، کچھ بن نہیں آتی۔ یہاں آپ  
تعالیٰ بن گیا ہوں، دنیا دولت سے خوش ہونا ہوں، یعنی میں نے اپنے کو اپنا  
غیر تصور کیا ہے۔ جو دیکھے پہنچا ہے، کہا ہوں کہ تو، ناکب کے ایک اور جوان  
نگی بہت اڑا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں، آج دور دور تک

میرا جواب نہیں ملے، اب تو فرض داؤں کو جواب دے۔ سچ تو یہ ہے کہ  
ناکب کیا مرا، بڑا ملحد مرا، بڑا کافر مرا، ہم نے اذ نام العظیم، جیسا بادشاہوں  
کو بعد ان کے محبت تمام گاہ ”و خوش نصیبین“ خطاب دیتے ہیں، بچوں کہ  
ہے اپنے کو ”شاہ قلم و سخن“ جانتا تھا، ”سفر سفر“ اور ”اورے نادوے“ خطاب  
تجویز کر رکھا ہے۔

آئیے، نجم الدولہ بہادر ایک فرض دار کا گریبان میں داخل ایک فرض دار  
بھوک سنا رہا ہے۔ میں ان سے بڑھ چڑھا ہوں۔ اہی، حضرت نواب صاحب  
کہے، اور غلام صاحب : آپ بطوری اور انفراسابی ہیں، کیا ہے جتنی بھڑی  
ہے، کچھ تو افسوس، کچھ تو بڑا۔ بولے کیا ہے میا، بے غیرت، کوٹھی سے شراب،  
گندھی سے گلاب، برتن سے کپڑا، میری فروشی سے آم، صرافت سے دام  
فرض لیے جاتا ہے۔ یہ بھی تو سوچنا ہوتا، کہاں سے دوں گا :

نسط میں ناکب کی ان کے شیش محل کے چکنا چور بولنے کی جھنکار، صاف سنائی دے رہی  
ہے، مہنگا ہر ناکب نے اپنی مکر رہیوں، معاشی بدعالیوں اور محرومیوں کا مصلحتاً ادا پاس ہے  
لیکن اس ہڈا سلی اور شوخی بیان کی تہ میں ناقابل بیان ذہنی کرب اور محرومی کا شدید احساس  
ہے، یہ صرف ناکب کی داستان نہیں بلکہ مصلحت کے، کام انقلاب کے بعد کے، اس دور سے  
لیٹنے کی داستان ہے، جو کبھی مسکراؤ اختیار پر جلوہ افروز تھا، جسے بطوری اور انفراسابی ہونے

پر تلخ تھا، جسے اپنی ذہنی صلاحیتوں پر گھڑ تھا اور جو اب قرض پر زندگی بسر کر رہا تھا۔  
 کاسب قریب طنز دی ہے جس کا شکار طنز نگار کی اپنی ذات ہو۔ کوئی دوسرا شخص  
 ایسی بے رنگی سے ناگب کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا جیسا کہ اس خط میں خود ناگب نے کیا  
 مذاق اڑایا ہے۔

ناگب نے خواب علامہ ادریس خاں ملائی کے ہم ایک خط میں اپنی غربت اور  
 معاش بدعالی کا اس طرح مضحکہ اڑایا ہے :

”بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر مٹھرا داس سے  
 قرض لیا، ادھر روپائی ملی کو مارا، ادھر خوب چند بھین سکھ کی کوٹھی بھا لوٹی،  
 ہر ایک پاس تسک مہری موجود، شہد گدا، چالو، نہ بول نہ سو، اس سے  
 بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا فروغ بالکل بھرپوری کے سر بائی، ہر کسی خاں نے  
 کھ دے دیا، ابھی ادر سے کھ دلوایا، ابھی ہاں لے کھ آگے سے بھیج دیا۔  
 اب میں ادھر باٹھو روپے آٹھ آئے کلکٹری کے، سو روپے داس چر کے۔  
 قرض دے والا ایک میرا غلہ کار، وہ سو روپہ ہر ماہ لیا چاہے، سولہ میں  
 قسط اس کو دینی پڑے۔ آگم نیگیں جدا، پچ کی دار جدا، سوڑ جدا، میل جدا  
 بی بی جدا، بچے جدا، شاگرد ہمیشہ جدا، آمد وہی ایک سو یا سٹھ تنگ آگیا  
 غریب مشکل ہو گیا، روز مرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سونہا کہ کیا کروں کہہاں سے  
 غنیمت پیش نکالوں؟ قہر روٹی، یہاں روٹی، بیس کی تہریہ؟ متروک بہشت  
 کا گوشت، گوسا، سات کی شراب و گلاب بروقت میں پائیں روپہ مہینہ بھلا  
 روز مرہ کا خرچ چلا، یادوں نے پچھا تہریہ و شراب کب تک نہ بچ گے؟  
 کب لک کر بک ک وہ نہ پائیں گے، پچھا کہہ بچ گے تو کس طرح بچ گے؟  
 جواب داکر میں طرح وہ بتائیں گے، پچھے مہینہ پچھا نہیں گزرا تھا کہ

ہام پرست عاودہ دھم مفری اور روہے آگیا، قرض منقطع ادا ہو گیا، حقوق  
ملا، بھروسہ، صبح کی تہریج، رات کی شراب جلدی ہو گئی، گوشت چھڑا آئے لگا  
۲۵ جوانی حلاوت

حوت لے لے کر اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ذکر کرنے کے لیے بہت بڑا کچھا ہوا ہے لیکن  
اپنی استہنی، ذخیرہ محض کھینچے کے زخم بیان کر دینے سے نہیں پیدا ہو جاتی، اس کے لیے کچھا بچکر  
دکھا پڑتا ہے اور فاقب ہم کو اپنا طرف دلا جانے کے لیے ہی تو کرتے ہیں۔

فاقب کی صورت چھاپے کی تصویریں ہم تک پہنچی ہیں، ان تصویروں سے اندازہ  
منہ ہوتا ہے کہ جوانی میں وہ بہت وسیع اور خوبصورت آدمی رہے ہوں گے، فاقب  
کی جوانی کا حلیہ انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو :

”میرا قد بھی دھاری میں انگشت نصابہ... جب میں جینا تھا تو سیرانگ  
بچھٹی تھا اور دیدہ و رنگ اس کی سائیل کرتے تھے۔ اب جو کبھی وہ اپنا  
نگ یاد آتا ہے تو جوانی پر سانپ سا بھرجاتا ہے۔“

ہام مزامنام علی تہر لاج اپری ۱۹۵۷ء

چھاپے کا آواز بڑا نوجوانی کے ساتھ ساتھ چہرے اور جسم کا سن بھی وضاحت پر لے لگا،  
ڈاڑھی اور مونچھوں میں بھی سفید بال آئے تھے، دانت ٹوٹنے شروع ہو گئے، فاقب نے  
مزامنام علی تہر کے نام خطیں بدلتے بدلتے چلے کا درصوف صحت کا ادا ہے بلکہ اپنی شخصیت  
کی انفرادیت کا بھی اظہار کیا ہے۔ فاقب سمجھتے ہیں :

”جب ڈاڑھی مونچھوں میں سفید بال آگئے، تیسرے دن چوڑائی کے انڈے گاڑی  
پر نظر آئے تھے، اس سے جڑ کر ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔  
تاہر کسی بھی چھڑکی اور ڈاڑھی میں، مگر یہ یاد رکھیے کہ اس جوتے شہر  
میں ایک وردی ہے ہام، ۵، حافظ، ہاسٹی، نیچر ہڈ، دھولی، سٹا،

بجلیا، ۱ جولاء، ۱۹۶۱ء، منہرہ، قادیان سرے ہاں۔ فقیر نے میں دن قادیان کی اُسی دیں سر منڈواؤں :-

جنگ منہاجہا قاسم علی خیر

غائب کی ذاتی زندگی تو رنج و الم کی ایک داستان تھی ہی، ان کا پورا معاشرہ بھی غم اور افسردگی کا شکار تھا۔ قتل، لاپتہ گری، موت اور ان سب کا نتیجہ بربادی، دہرائی اور بے رونقی، مشعل کے کام انقلاب میں غائب موت کا شکار ہونے سے بچ گئے، لیکن انہیں موت سے بڑی سزا ملی، یعنی ان جیسے حساس انسان کو ان تمام غموں واقعات کا پہلا خاموش نمائندہ بننا پڑا اور سہرا جڑی ہوئی دلی کام نام وار بنا پڑا۔ اپنے احوال اور معاشرے کی بربادی اور تباہی پر غائب خون کے آنسو روتے ہیں لیکن انہوں نے صبر و ضبط سے بھی کام لیا ہے۔ حادثات کی ان تند و تیز آندھیوں میں بھی انہوں نے اپنی خوشی و غمراشت اور مسرت و مزاح کے چراغ کو بجھنے نہیں دیا۔ غائب اگر خون کے آنسو بہاتے ہیں تو اپنے نقیبوں سے دوسروں میں زہرہ رہنے کا حوصلہ بھی پیدا کرتے ہیں، مرزا ماسم علی ہسٹر نے غائب کے نام کئی غموں میں غم و احوال کا اظہار کیا۔ دیکھیے غائب کیسے دلچسپ انداز میں انہیں صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہیں۔

” بندہ پہلے آپ کا خط لکھ بیٹھا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ داد و ریاکتا خائب لکھتا ہوں۔ مطالبہ مندجہ کے جواب کا بھی وقت آنا ہے۔ پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطوں میں تم کو غم و افسوس کا شکوہ گزار رہا ہے۔ پس، اگر کسی بے ہوش پر دل آیا ہے، تو شکایت کی کیا گنتا بیش ہے، بلکہ یہ غم تو نصیب دوستوں و صحبہ افزائش ہے۔ یہ قول غالب علیہ الرحمۃ :

کسی کو بے سے دل کوئی تانہ بچھنٹاں کیوں ہو

نہ جو جب دل ہی پہلو میں تو پھر نہ میں پاؤں کیوں ہو

ہام مرزا مہتمم علی قلی خان

۱۰۸۵ھ

اس خط کے پہلے ہی فقرے سے قلی خان نے ثنوی و ملاقات کی اٹھایا بنا کر قلی خان کا علم لکھا کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر علم جاناں کے بارے میں ایک فلسفہ بیان کر کے ضبط اور حوصلے کی تعین کی ہے۔ ان کی بات میں کہیں سے سہیدگی کا شائبہ بھی نہ پیدا ہوا اس کے لیے خط کی عبارت کو بھی غلطی کر دیا۔

قالب خطی ظریف مطلع ہیں۔ وہ معمولی معمولی چیزوں میں چلتے اور ہنسائے کا موقع نکال لیتے ہیں۔ یوسف مرزا کے نام ایک خط میں قلی خان نے حافظ موسیٰ کے مقدمے کے واقعات اس طرح لکھے ہیں :

”ایک لطیفہ پر ہوں کا سنو حافظ موسیٰ نے گناہ ثابت ہو چکے۔ مہمانی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں، اٹاک اپنی مانگتے ہیں تبصرت و تصرف ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صورت حکم کی دیں۔ پر ہوں وہ حاضر ہیں، سنی پیش ہوئی۔ حاکم نے پوچھا حافظ محمد تقی کون ؟ عرض کیا کہ ”میں“۔ پھر پوچھا کہ حافظ کون کون ؟ عرض کیا کہ ”میں“۔ اصل نام میرا محمد تقی ہے۔ موسیٰ، موسیٰ، ہوں“ فرمایا : ”کہ بات نہیں، حافظ محمد تقی جس جی تم، حافظ موسیٰ جس تم، سدا جہاں جی تم“ جو کہ دنیا میں ہے، وہ بھی تم، ہم مکان کس کو دیں، بس داخل دفتر ہوتی میراں“  
مواپنے گھر چلے آئے۔“

ہام مرزا

۱۰۸۵ھ

ظرافت اور مکالمہ آرائی سے قلی خان نے ہم سے خارج کی بڑی دلچسپ تصویر کھینچ دی ہے۔ اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کے ظلم و ستم صورتِ مصلحت کے ناکام انقلاب تک محدود نہیں رہے بلکہ بعد میں بھی وہ پہلے بنا کر ہندوستانیوں پر ظلم کرتے رہے، بس داخل دفتر ہوئی، میراں مواپنے گھر چلے آئے۔“ ان دو جھوٹے چھوٹے فقرہوں میں



ہندوستانیوں کی ہے یہی اور ناچاری کا کیا خوبصورت اظہار کیا گیا ہے۔ نا اخصافیوں کی اس داستان کو لطیف بنا کر پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اس نط کے آغاز میں نقاب نے مرزا یوسف کے لڑکے کی وفات پر تعزیتی کلمات لکھے تھے۔ پھر نقاب نے یوسف مرزا کے اسی سید یوسف الدین مجدد کے حکم و احام میں اس کا ذکر کیا تھا۔ نقاب پر غصہ لڑکے کا کام انقلاب کے دوران بہادر مٹا، خطر کا سکر کہنے کا الزام تھا، نقاب نے نط میں اس الزام کا بھی ذکر کیا تھا۔ ان تینوں واقعات کے بیان سے یہ نط بہت علم انگیز ہو گیا تھا۔ ان واقعات کا اثر کم کرنے کے لیے نقاب نے ملاحظہ ہو کہ واقعہ بیان کرنے میں خوشی اور طرافت سے کام لیا۔ اس نط کے بعد اس نط میں نقاب ایک اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آدمی پہنے بغیر درہ سکے، خواجہ بخش وردی بہت موٹے آدمی تھے ان کے بے اچھی کا استعارہ کیسا چہرہ ہے، لکھتے ہیں :

”اں صاحب، خواجہ بخش وردی کل سر پہر کو میرے پاس آیا۔ میں نے جلا  
ایک اچھی کوٹھے پر چڑھ آیا۔“

نام یوسف مرزا جون، جولائی ۱۸۵۷ء

نقاب کے نط میں کہیں کہیں معمولی اور سطحی قسم کی طرافت بھی ملتی ہے جس کا مقصد محض ہنسنا ہے۔ مثال کے طور پر نقاب ایک نط میں لکھتے ہیں :

”روزہ رکھتا ہوں مگر روزے کو بھلائے رہتا ہوں کہیں پانی پانی لیا۔ کبھی مٹھ  
پیدا کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا کھا لیا۔ یہاں کے لوگ جب اہم اور طوطہ دوش  
رکھتے ہیں میں تو روزہ بھلا آ رہتا ہوں اور یہ صاحب فرماتے ہیں کہ تو روزہ  
نہیں رکھتا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بھلا اور

بات ہے۔“

نام نئی نئی خوش خبر ۲۲ جون ۱۸۵۷ء

علامہ الدین خاں علقانی کے نام ایک خط میں مہینوں کے نام سے فائدہ اٹھا کر مزاح پسندا کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

"نور صاحب، وہ مرزا رجب بیگ مرے، اُن کی تعزیت آپ نے نہ کی۔

شعبان بیگ پیدا ہو گئے، کھن اُن کی چٹنی ہو گئی۔ آپ شریک نہ ہوئے۔"

نام علامہ الدین خاں علقانی ۶ جنوری ۱۸۹۹ء

مرزا ہر گوبال تفتہ نے بہت دن سے خط نہیں لکھا۔ غالب اُن سے ظر لینا انداز میں خط نہ لکھنے کی شکایت اس طرح کرتے ہیں :

"کیوں صاحب! کیا یہ آئین جاری یہاں ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے

دلی کے خاک ٹیلیوں کو خط نہ لکھیں جہاں گھر حکم ہوا ہوتا، تو یہاں بھی تو شہار

ہوہا کہ زہار کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی خاک میں نہ جاوے۔"

نام مرزا ہر گوبال تفتہ ۱۳ نومبر ۱۸۹۹ء

تفتہ کو خط لکھا تو غالب کو شاید نہ مل ہی ہوا کہ خط کا وزن زیادہ ہو گیا ہے، کہیں بیڑنگ

نہ ہو ملے۔ غلطی ہو گئی، ٹکٹ لگا دیے اور خط میں اس کا اظہار اس طرح کیا :

"کیوں صاحب! یہ ذیل خط پوسٹ پہنچا بیڑنگ اور وہ بھی دلی سے سکندر آباد

کو۔ آیا امام کے سوا اور میرے سوا کسی نے کیا ہوگا۔"

نام مرزا ہر گوبال تفتہ ۲۱ اگست ۱۸۹۹ء

غالب اور بھڑوانے کے ایک دوست حکیم میرا خروست علی نے سر مشاوا ڈالا۔ غالب کو اُن کی

شکل دیکھ کر ہنس اُٹھی، بھڑوانے کو لکھتے ہیں :

"کلی حکیم میرا خروست علی آئے تھے۔ سر مشاوا ڈالا ہے۔" غازی علی نے لکھا۔

پہل کیا ہے، ہمد نے کہا کہ سر مشاوا لیا ہے تو دلا سی رکھو۔ کہنے لگے، حاسن

اذا کہا آدم کہ جاسر عارم۔ والٹر اُن کی صورت قابل دیکھنے کے ہے۔"

بنام میر ہند بخیر (۱۵) اکبر شاہ

قالب کو شاید بیکانیر کی مصری بہت پسند تھی۔ علاقے سے مصری کی فراہمی کرتے ہیں۔  
فراہمی کا انداز تو دیکھیے :

”میں نے کپڑوں کے گوشت کے قیلے، دو پلازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم  
کھا رہے ہو، مجھ کو خدا کی قسم اگر اس کا کچھ خیال ہی آتا ہو، خدا کرے  
بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ آیا ہو، ابھی یہ تصور کرتا ہوں کہ  
میر جان صاحب اس مصری کے ٹکڑے چہا رہے ہوں گے تو یہاں میں  
ڈنک سے اپنا کھیر چاہتے لگتا ہوں۔“

بنام محبوب شاہ الدین خاں علاقائی (۱۵) اکبر شاہ

میر احمد حسین بیکانیر سے فرہادی کی فراہمی کیسے دلچسپ اور پر لطافت انداز میں کرتے ہیں :

”بھائی بیکانیر، ہزار آفری، لگاتار لے مزا دیا۔ خدا جانے وہ خورے  
کس خورے کے ہوں گے، جن کی تکرار ایسی ہے۔ دیکھو صاحب :

قلند ہر چ گوید دیدہ گوید

تاریخ دیکھی۔ اس کی تعریف کے خورے کھا میں گئے، اس کی تعریف کریں گے  
کہیں یہ خورے خیال میں خدا سے کہ یہ من طلب ہے کہ حق تم دین محمد  
غریب کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی دفعے کر آیا ہے، ابھی اسے لے کر  
آؤ۔ ”فَاتَحْنِ ذَا قُوَّةٍ اِنَّ اَبْنَاءَ الْاَشْجَلِ اَشْكِلُ“ اگر یہ مرض حال تم پر ہی مل  
میں دوں گے اور یہاں دین محمد صاحب کے ساتھ خورے بھجواؤں گے، تو ہم بھی  
کہیں گے، ”آؤ شے بہتر اہل سے بہتر۔“

قالب کی ملاقات زندگی سے مفاہمت کے جذبے کے تحت پیدا ہوئی ہے۔ وہ  
اپنی ترناؤں اور اسیدوں کی آکاسی پر قہقہے لگانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی

مکڑہوں اور مسوئوں کا بے باکانہ اظہار کرنے میں بلکہ اُن کا مذاق اٹاتے ہیں، اُن پر ہنسنے ہیں اور یہ ہنسنے کی ترغیب دیتے ہیں شاعری میں عرش سے پہلے ایک مکان کا متنی خطوط میں ایک مام انسان نظر آتا ہے، ایک ایسا انسان جس کے ہر زمین پر مضبوطی سے جے ہوئے ہیں اور جو مصائب و آلام کی ہر کیچوں میں زندہ دلی اور گنگائی کی ہر گھڑیاں چھوڑا دکھائی دیتا ہے، خوشیوں کے ناکام انقلاب میں غالب کا سب کچھ لٹ گیا۔ وہ اس بحری دنیا میں تنہا رہ گئے۔ اس تباہی اور بربادی نے اُن کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اپنی زندہ دلی اور شوخی طبع کو ہتھیار بنا کر وہ ان مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مجروح کے نام ایک غلطی میں اپنی بربادی اور نہیں مالی کا ذکر کرتے کرتے اہانک بگ بگ خرافات پھڑک اٹھتی ہے اور وہ ایسی بات سمجھتے ہیں کہ میں سے کمزور الیہ کے ذہن کا بوجھ ہلکا ہو جاتے مجروح کو سمجھتے ہیں۔

”خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بھڑے ہوئے یاد رکھیں فیامت ہی کو جمع ہیں، سوداں کیا خاک جمع ہوں گے؟ سنی انگ، نصیر انگ، نیک جدا، بد جدا۔“

بنام میر جہدی مجروح

”یہ میرا حال سنو کہ بے مذاق جیسے کا ڈھب مجھ کو آگیا ہے۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا۔ آئندہ خدا مذاق ہے کھا کھا کھانے کو مذاق تو غم تو ہے۔ میں صاحب، سب ایک چیز کھانے کو ہوتی، اگرچہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے؟“

بنام میر جہدی مجروح

غالب اپنی مکڑہوں کا اپنی بد حالی کا بے باکانہ اظہار ہی نہیں کرتے بلکہ اُن کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ اس پر خود بھی ہنسنے ہیں اور یہی بھی ہنساتے ہیں۔

ایک صاحب ہیں، پیری۔ غالب اُن سے عہس مذاق کرتے رہتے ہیں، ایک دن اُن سے پیر گفتگو ہوئی، اُسے غالب نے مذاق کے نام ایک خط میں اس طرح لکھا ہے،

”پیری سے جب پوچھتا ہوں کہ تم خوب شخص ہو اور وہ کہتے ہیں، کیا کہا ہے؟ اور میں پوچھتا ہوں، کس کا؟ تو وہ فرماتے ہیں، میرا مثلاً کوئی رنگ کا۔ میں اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے؟ دیکھو، سو فی صد غلطی ہے، میرا رنگ موجود ہے۔ واہ صاحب میں کیا خوشامدی ہوں جو منہ دیکھی کہوں؟ میرا شیوہ حفظ الطیب ہے، غالب کی تعریف کرنی کیا واجب ہے؟ ہاں صاحب آپ ایسے ہی واضح وار ہیں، اس میں کیا ریب ہے؟

برنامہ علامہ مدنی عباسی ملائی ۱۰ ص ۱۰۰

غالب کبھی کبھی بڑے لطیف قصوں اور لطیفوں سے بھی اپنے خطوط کو دلچسپ بناتے ہیں۔ وہ عام طور پر غرضی لطیفے اور قصے نہیں سمجھتے۔ ہاں دو تین بار قاطع برہان اور نقیل کے سلسلے میں اُن کے قلم سے کچھ غیر مہذب الفاظ نکل گئے ہیں، میں کا ذکر آگے آنے لگا۔ غالب نے مجروح اور میرن صاحب کے تعلقات کے بارے میں ایسے مزاحیہ انداز میں گفتگو کی ہے کہ کہیں کہیں اس میں دھم کا پہلو بھی پیدا ہو گیا ہے لیکن غالب کا اس قسم کے مذاق کا رشتہ اپنے شاگردوں میں صرف میرمہدی مجروح سے ہے۔ غالب کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح بھی میرن صاحب کا ذکر مزے لے لے کر کرتے تھے۔ ایک دفعہ میرن صاحب کے چہرے پر مہاسا نکل آیا۔ مجروح نے غالب کے نام خط میں اس مہاسے کے بارے میں افشا پردازی کی ہوگی۔ غالب جواباً لکھتے ہیں،

”ایک غریب سید مظلوم کے چہرہ نورانی پر مہاسا نکلا ہے، تم کو سہرا ہے

آرامین گفتار بہم چہا ہے ۹

برنامہ میرمہدی مجروح ۲۰ ص ۱۰۰

مجرورج نے میرن صاحب کے بارے میں ناکب کو کچھ کہا۔ ناکب کا موز ٹھیک نہیں تھا، ناراض ہو کر نکلتے ہیں :

”میرن صاحب کی تھوڑی چوہا پانی کے نکلنے کا بھ میں دم نہیں۔ تم ہانو  
وہ جانیں۔“

نام میر مہدی مجرورج ۱۶ مئی ۱۹۵۵ء

دہلی میں میرن صاحب کی سسرال تھی۔ ان کی بیوی ولی آئی ہوئی تھیں۔ ناکب میرن صاحب کی بیوی کے بارے میں پوچھتے ہیں :

”اے وہ یوسف ہندو بھی، یوسف دھرم بھی، یوسف عیسائی بھی،  
یوسف کھنڈ بھی۔ ان کی دلچاسنے ستم بردار کر رکھا ہے۔“

نام میر مہدی مجرورج ۱۳ دسمبر ۱۹۵۵ء

ایک دفعہ ناکب نے کہا :

”میر مہدی نہیں کہ میرن پر مرن ہیں۔“

نام میر مہدی مجرورج ۲۹ جولائی ۱۹۵۵ء

ایک دفعہ میرن صاحب کی آنکھیں دھکنے آگئیں۔ مجرورج نے ناکب کو اس کی اطلاع دی  
ناکب کے اندر دل لگی کا ایک موقع آگیا۔ پوچھتے ہیں :

”سایا کیوں ناسپای و ناسی سنا سی کر کے ہو چشم بہار ایسی چیز ہے کہ  
جس کی کوئی شکایت کرے ؟ نہ سدا سنہ چشم بہار کے دلی کہاں ؟ چشم بہار  
میں کتنا تنہا آنکھ کو کہتے ہیں، میں کو اچھے اچھے عارف دیکھتے رہتے ہیں۔  
تم گنوار چشم بہار کو کیا ہانو؟“

نام میر مہدی مجرورج ۱۷ اگست ۱۹۵۵ء

ناکب نے ایک دفعہ میرن صاحب کو صاف کہا : ”انہوں نے جواب نہیں دیا۔“ ناکب نے

مختوج کے نام عطا میں جواب کا اتفاق کیا۔ غالباً مختوج یہ بات میرن صاحب سے کہنا بھول گئے۔ غالب نے مختوج کے نام عطا لکھا اور اس بھول جانے کی شکایت اس پھینچھاڑ کے ساتھ کی۔

• حسن بھی کیا چیز ہے، مادہ کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔  
 تم ان سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو، میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے۔

نام میر صاحب کی مختوج

صورت ایک بار غالب نے اپنے خط میں مختوج کو میرن صاحب کے بارے میں ایک غیر ثابت بات لکھی۔

• بھائی! تم نے مجدد کو کیوں آلے دیا۔ تب کو کہیں چڑھنے دیا؟ کیا ہمار  
 میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم اپنے ذمے آئے؟ کیا آپ حق  
 بن کر آئی تھی جو اس کو روک سکتے ہوئے شرمائے؟

نام میر صاحب کی مختوج

غالب انسان رشتوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ انھیں ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ ان سے کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اس طرح اگر کوئی ایسی بات کرنا جس سے غالب کو ذہنی تکلیف ہوتی تو وہ طنز و عداوت کے پردے میں اپنی دلچسپی یا ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ غالب مجھے دیکھ کر ہنس پڑے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوا ہے۔

مرزا ہرگوپال تھتہ نے "بروئے استادان ہنگ" کی مثال میں کسی استاد کا مصرع لکھ دیا۔ غالب کو یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے اپنے طنز کے تہرہ کا نقادہ تلفظ کو اس طرح بنایا:

”پہلے اگر آپ استاد کا مصروف نہ سمجھتے تو میں“ بروئے اس کا رنگ  
کو کہاں سے لیتا“

بنام مہرا ہر گواہی نقشہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۷ء  
نواب احمد الدور شفیق کو کسی نے نواب کے وفات کی غلط خبر دے دی۔ شفیق نے بہت  
دن سے نواب کو غلط نہیں سمجھا۔ جب یہ خبر لفظ ثابت ہو گئی تو نواب کو غلط سمجھا  
اور اس میں اس افواہ کا بھی ذکر کر دیا۔ اس واقعے پر نواب کا غصہ اظہار ملاحظہ کیجیے  
”آپ کی پرسیش کے کیوں نہ فرماں ہاؤں کہ جب تک میرا سر نہ دھستے  
میری خبر نہ لی“

بنام نواب احمد الدور شفیق  
ملک گجرات کے صدائیں شیخ موسیٰ علی دہلی آئے ہوئے تھے اور نواب سے ملے بغیر واپس  
چلے گئے۔ نواب کی انا کو اس سے غصہ نہیں پہنچی۔ فشی نہیں بخش حقیر کو سمجھتے ہیں  
”اگر آپ سے شیخ موسیٰ علی کی ملاقات ہو تو فرمائیے گا کہ اسد اللہ  
دوسیاہ بعد اسلام عرض کرتا ہے کہ وہ تیرے میرا تو کہاں کہ میں آپ سے  
شکوہ کروں کہ مجھ سے مل کر آپ نہ سمجھتے، مگر میں اس سے کہتا ہوں کہ مجھ کو  
خبر کیوں نہ ہوتی وہ تو دینا کو پہنچتا“

بنام شفیق لمی بخش حقیر

ماہنامہ یک شہر آرزو

ہندوستان کے چاروں سال ہمارے جاگیردار ہی نظام میں ایسا بار بار ہوا ہے کہ  
حکومتیں بدلی ہیں، کسی ایک فوجی نے اپنی ذمہ داری، انتہا مت اور جو توڑ سے اقتدار حاصل  
کرنا شروع کیا اور کچھ ہی عرصے میں حکومت کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں آگئی کچھ عرصے



تک حکومت اس کے خاندان میں رہی اور جب حکومت خاندان کے اُن لوگوں کے ہاتھ میں آئی جنہوں نے اقتدار اپنے قوت بازو کے بل پر حاصل نہیں کیا تھا بلکہ جنہیں یہ دہنے میں ملا تھا تو وہ دولت اور طاقت کے لئے کوئی اور دن برداشت نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ حکومت کسی اور خاندان میں منتقل ہو گئی۔ پھر کچھ عرصے بعد اُس خاندان کا بھی یہی خیر ہوا۔ غرض صدیوں تک یہ کہانی اسی طرح دہرائی جاتی رہی۔ اس کہانی کے کرداروں میں ہندوستانی نژاد بھی تھے اور وہ محل آور بھی جو بہت بڑی طاقت بن کر ہندوستان آئے تھے۔ حکومتوں کی اس تبدیلی کا اثر عام ہندوستان میں بہت کم ہوا تھا۔ صرف محلوں کے وقت ایک سیلاب خون آنا اور گزر جانا اور پھر کچھ اسی طرح معمول پر آ جانا۔ حکومتوں کی تبدیلیوں کا اثر ہندوستان کے تمدن اور معاشرت پر بالکل غماز تھا۔ اس وقت پڑا جب فاتح قوم مستقل طور پر ہندوستان ہی میں سکونت اختیار کر گئی۔ اس طرح کے حکمرانوں کے ساتھ جو علم اور جو فکر اور فلسفہ ہندوستان آیا ہے وہ ہندوستانی فکر میں کچھ اضافے اور تبدیلیاں تو ضرور کرتا رہا۔ لیکن وہ بنیادی خصوصیت جسے ہم ہندوستانییت کہہ سکتے ہیں، یہ ہر حال برقرار رہی۔ — انگریز ابتدا میں ہندوستان میں صرف تہذیب کی غرض سے آئے تھے۔ ہندوستان پر حکومت کرنے کا خیال قدم سے بعد میں آیا۔ انگریز اپنے ساتھ صنعتی نظام کی برکتیں لے کر آئے تھے، اس لیے انہوں نے غیر محسوس طریقے پر معاشرت، تہذیب، افکار و نظریات کی سطح پر ہندوستانی زندگی کو متاثر کرنا شروع کر دیا۔ انگریزوں کے ساتھ وہ جدید علوم بھی آئے جو نشاۃ ثانیہ میں مغرب نے حاصل کیے تھے انہیں علوم پر ترقی یافتہ صنعتی نظام کی بنیاد تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے ساتھ ساتھ مغربی فکر کے اثرات بھی ہندوستانی ذہن پر چڑھنے لگے۔

نائب نے جب ہوش منبہا تو مشرقی اور مغربی فکر یعنی نئی اور چاقی اقتدار میں کشش اور تصادم شروع ہو چکا تھا۔ کھلنے میں دپے تعلیم اور سے قائم ہو چکے تھے،

جہاں مغربی علوم کے ذریعے مشرقی نظم و فکر کی بنیادیں پانی جا رہی تھیں اور جدید ایجادات کا مظاہرہ کر کے ہندوستانی ذہن کو حیرت اور احساس کسٹری میں مبتلا کیا جا رہا تھا۔ سرحد کی مرتبہ انہیں انگریزی پر غالب کی تعریف مغرب سے متاثر ہونے والے اس ذہن کی نشان دہی کرتی ہے۔

غالب کے دیکھنے یا دیکھنے ایٹ انڈیا کمپنی نے ایک ذہن پرست اور طاق و بھلائی حکومت کی شکل اختیار کر لی۔ اس نئی حکومت کے سامنے ہندوستانی فکر نے ہتھیار ڈال دیے۔ ہندوستان کا آخری مغل شاہ بہادر شاہ ظفر مغل نام کا بادشاہ بن گیا تھا جو دراصل انگریزوں کا پیش خوار تھا۔ اہل علم طبقہ زندگی کے مثبت نظموں اور تصورات کی تلاشی اور توانائی سے محروم ہو چکا تھا۔ سماج پر ایک مکمل قسطنطنیہ اور محو کا عالم تھا۔ برطانوی سامراج کے بڑھتے ہوئے اقتدار نے ہندوستان کے باخبر طبقے کو یقین دلایا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب برائے نام مغل حکومت کا چراغ بھی گل چلیں گا۔ غالب اپنے ایک شاگرد قاضی عبدالجلیل جتوئی کے ہم ایک خط میں لکھتے ہیں :

”مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوا۔ قلعے میں شہزادگان تیسریہ جمع ہو کر بکھڑا ہوا کر رہے ہیں۔ وہاں کے مصروف طری کو کیا کہیں گے اور اُس پر غزل لکھ کر کہاں بڑھے گا۔ میں کہیں اس مغل میں مبتلا ہوں اور کہیں نہیں مبتلا اور یہ صحبت محض چند روزہ ہے، اس کو دوام کہاں؟ کیا معلوم ہے اب کے ہی نہ ہو۔ اب کے ہو تو آئندہ نہ ہو۔“

(مشاعرہ)

یہ گویا اس عہد کے ہر باشعور، احساس اور ذہین لیکن مجبور اور بے بس انسان کے دل کی آواز ہے، گویا صرف غالب کی انہیں جگہ پر سے سماج اور پورے عہد کی آواز ہے۔ غالب ایک طرف مغربی علوم، مغربی فکر اور مائٹس ایجادوں کا کھلے دل سے استقبال کرتے



وفا داری بھی منقسم تھی۔ وہ ایک طرف تو بادشاہ سے قربت حاصل کرنے کے لیے تمام فدا جی استعمال کرتے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف قصیدے لکھ لکھ کر انگریز انصوں کو بھی غوطی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض علماء کے ناکام انقلاب سے قبل غائب نے کوشش کی تھی کہ کلہ منظر سے براہ راست رابطہ قائم کریں۔ انھوں نے ۹ نومبر ۱۸۵۷ء کو ایک قصیدہ لکھا اور ان براہ کو بھیجا تھا تاکہ کلہ منظر کی خدمت میں پیش کیا جاسکے۔ قصیدے کے ساتھ غائب نے درخواست کی تھی کہ انھیں کلہ کی طرف سے خطاب عطا ہو اور ان کے موجودہ حالت اور پیش میں اضافہ کیا جائے۔ اسی خط و کتابت جاری تھی کہ ۱۸۵۷ء کا انقلاب رونما ہو گیا۔ جب تک ہندوستان کا پڑ بھاری رام غائب قلعے جاتے رہے اور جب ہندوستانیوں کو شکست ہو گئی تو غائب انگریزوں کے ساتھ ہو گئے۔

غائب نے "مستند" میں انقلابیوں کو بہت برا بھلا کہا ہے۔ یہ تو شیک ہے کہ اس وقت ہر شخص اپنی جان اور آبرو بھانے کی فکر میں تھا۔ غائب نے بھی یہی کیا۔ لیکن خطاب کے بعد غائب تقریباً بارہ برس اور زندہ رہے اور ان بارہ برسوں میں انھوں نے اپنے دوستوں، عزیزوں اور شاگردوں کو بہت بڑی تعداد میں خطوط لکھے، لیکن کسی بھی خط میں مثل حکومت کے زوال پر اظہارِ افسوس نہیں کیا۔ مثل حکومت کے آخری مامدار اور غائب کے مرثی اور حسن بہادر شاہ ظفر کا انتقال ہوا تو غائب نے مجروح کو لکھا،

" ۷ نومبر ۱۳ جمادی الاول سالِ مالِ جیسے کے دن اور ظفر سراج الدین  
بہادر شاہ قیدِ قریب و قیدِ ہم سے رہا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ "

بنام میر بہادی مجروح ۱۳ نومبر ۱۸۵۷ء

غائب کا یہ بیان کسی بھی جذبے اور احساس سے عاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ غائب کو

مغل حکومت کے خاتمے اور چارلسٹاف نظری کی گرفتاری کا پھر نیا وہ علم نہیں تھا، غرض  
 یہ قول ان کے علم تھا کہ سوشلسٹوں کے ناکام انقلاب میں جہاں حال وائوس و مسکن و  
 آسمان و زمین و آئینہ حق سرا سر ٹھٹھکے گا، غالب کو ہر اصل ولی، اہل ولی اور خود اپنی  
 تباہی کا علم تھا۔ سوشلسٹوں کا ناکام انقلاب قلمرو غوں سے کم نہیں تھا اور غالب اس کے  
 شاعر رہے تھے۔ اب غالب کی زبان اس قلمرو غوں کی داستان تھی:

”میرا حال سولے میرے لدا اور لدا وند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کفر سے  
 غم سے سوہا ئی بوجھاتے ہیں، عقل باقی رہتی ہے، اگر اس جہم غم میں میری  
 قرب منکرہ میں فرق آگیا ہو تو کیا عجب ہے، بلکہ اس کا باہر نہ کن محض  
 ہے، ہر چہ کہ غم کیا ہے، غم مرگ، غم فراق، غم بزدلی، غم عزت، غم مرگ۔  
 میں خلق نامبارک سے قطع نظر کر کے اہل شہر کو گنتا ہوں، منظر الدولہ،  
 میرزا صرا الدین، مرزا عاشور بیگ، میرزا سہا خاں، اس کا بیٹا احمد مرزا، انہیں ہر  
 کا بچہ، مصطفیٰ خاں، ابن اعظم الدولہ، اس کے دو بیٹے، رضی خاں اور  
 فرحی خاں، کا صلی فیض اللہ، کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں  
 جانتا تھا۔ اسے بوجھول گیا، انجیم جی الدین خاں، میرزا محمد حسین بیکٹی،  
 اشرف اللہ خان کو کہاں سے لاؤں، غم فراق حسین مرزا، دوست مرزا، میرزا ہدایت  
 بیگ، مرزا حسین، میرزا صاحب، لدا ان کو جیتا رکھے، کاش، ہو اگر جہاں  
 ہوتے وہی خوش ہوتے، گھر ان کے بے چراغ، وہ خود آوارہ، سہارا اور  
 اکبر کے محل کا جہاں تصور کن ہوں، کھینچا ٹکڑے ٹکڑے پڑا ہے، کہنے کو ہر  
 کوئی ایسا کہ سکتا ہے، مگر میں ملی کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے  
 غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میرزا نظریں تیرہ دیکھ رہے:

تمام دوست مرزا ۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء

عزیزوں، دوستوں اور سٹ گرووں کے قتل نے فاطمہ کے دل و دماغ کو اتنا متاثر کیا تھا کہ اگر وہ غیر معمولی توبہ و عبادت کے انسان نہ ہوتے تو پاگل ہو گئے ہوتے، انھیں اپنی بربادی کا علم تو تھا ہی لیکن دوستوں اور عزیزوں کے قتل اور تباہی نے ہی اُن کے دل و دماغ کو متاثر کیا تھا۔ مرزا میر گویاں تفتہ کے نام ایک خط میں فاطمہ لکھتے ہیں :

”یہ کوئی نہ کہے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مبتلا ہوں۔ جو وہ مجھ کو ہے، اُس کا بیان تو معلوم مگر اُس بہان کی طرف اشارہ کرنا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیہ کالوں کے ماتحت قتل ہوئے، اُس میں کوئی میرا سہارا نہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا راز اور کوئی میرا سٹ گرو۔ ہندوستان میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ مشوق، سو وہ سب کے سب ملک میں ہی گئے۔ ایک عزیز کا نام کتنا سخت ہوتا ہے، جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو۔ اُس کو ریت کیوں نہ ڈھلاد ہو، اسے ! اتنے پارہے کہ جو آب میں مروں گا، تو میرا کوئی بدلہ دلا بھی نہ ہوگا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ“

نام میر گویاں تفتہ جون۔ ہمدانی مدظلہ العالی

انگریز خاتمہ دہلی کی عظیم الشان عمارتیں ڈھارہے تھے۔ یہ کڑاں چھاؤں سے عمارتوں پر نہیں فاطمہ کے دل و دماغ پر چل رہے تھے۔ ان عمارتوں کے اُچائے ہالے پر فاطمہ کپ رہے تھے لیکن محض ہمشافی بنے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جامع مسجد سے حاج گھاٹ تک کی حالت فاطمہ کی زبان سے تھی :

”پہلوں میں سوار ہو کر کنوئوں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع ہونا چاہا مگر گھاٹ دروازے کو پہلا مسجد جامع سے حاج گھاٹ دروازے

نمک ہے مبالغہ ایک صحرائی دوق ہے۔ ریتوں کے وسیع پڑے ہیں،  
 وہ اگر اٹھ جائیں تو بچوں کا مکان ہو جائے۔ یاد کرو، مہا گوہر کے باغیچے کے  
 اس جانب کو کئی ہانس نشیب تھا، اٹھ باغیچے کے صحن کے برابر ہو گیا یہاں  
 نمک کے راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا، فصیل کے ننگے کھلے رہے یہاں  
 باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازے کا حال تم دیکھ گئے ہو، اب آہنی  
 شکر کے واسطے کلکتہ دروازے سے کالی دروازے تک میدان ہو گیا۔  
 پنجابی کشو، دھونی وارو، رام جی مٹی ، سعادت خاں کا کٹرہ، نرمل  
 کی بی بی کی حویلی، رام جی داس گوہر والے کے مکانات، اصحاب رام کا  
 باغ، حویلی، ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا، قصہ مختصر، شہر صحرا ہو گیا تھا، اب  
 جو کونہیں جاتے رہے اور باقی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرا سے کرجا  
 ہو جانے لگا۔ اللہ اللہ! وہی ندی وہی دلی والے اب نمک یہاں کی زبان  
 کو اچھا کہے جاتے ہیں؟

ہمام میر مہدی مخمورج

سلسلہ

خدا جان مسجد کا حال ملاحظہ ہو:

”مجاہد مسجد کے گرد کہیں کہیں فٹ گول میدان نکلتے گا، دکانیں، حویلیاں  
 ڈھائی جائیں گی۔“ دارالبقا“ فنا ہو جائے گا۔ یہ نام اللہ کا، خان چند  
 کا کوچہ، شاہ بولا کے جرنیک ڈسے گا۔ دونوں طرف سے پھاڑا ہوا ہے۔  
 باقی خیر و عافیت ہے؟

ہمام میر مہدی مخمورج

نمبر ۱۵۱

اگرچہ اس خط میں غائب نے بعض واقعات بیان کیے ہیں، لیکن ”رہے نام اللہ کا“ اور  
 ”باقی خیر و عافیت ہے“ لکھ کر غائب نے اپنے ذہنی کرب کا اعلیٰ اظہار کر دیا ہے۔

ایک اور سطا میں فاکب نے دلی کی ادلی اور تہذیبی زندگی کی برابری کا ذکر ایسے الفاظ میں کیا ہے کہ وہ خطا نظری عرض بن گیا ہے۔ مختصر سے سطا میں فاکب نے لکھا تھا نکال کر رکھ دیا ہے۔ سمجھتے ہیں :

”اور میاں سید دادا آزادہ، دلی کے عاشقِ دل دادہ، ڈھٹے ہوئے  
 اور بازار کے رہنے والے، صد سے گھنٹوں کو برا کہنے والے، نہ دل میں  
 بہرہ آرم، نہ انگور میں میاؤں شرم، نظام الدین مستون کہاں، ذوق کہاں،  
 مستون خاں کہاں، ایک آزادہ سوناموش، دوسرا فاکب، وہ بے لود،  
 بد چوٹی، نہ سخن نوری، ہی نہ سخن دانی، کس پرستے پر تنہا پانی ؟ اسے دلی !  
 واسے دلی ! بھاڑ میں مہاسے دلی !“

بنام میر مہدی مخبر کج ۲۳ مئی ۱۹۶۹ء

### عمر بھر کا تو نے پریمیانِ وفا باندھا لو کیا

فاکب کا نظم اور شروء و خوں میں اپنے اظہارِ یوں تو پوری قدرت حاصل تھی لیکن  
 اگر کبھی کسی کی وفات پر تعزیتی خط لکھا ہوا، تو انہیں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کا  
 سبب یہ ہے کہ فاکب موت کے ذکر سے بہت گھبرائے تھے اور شاید اسی لیے تعزیت کے  
 لیے انہیں مناسب الفاظ نہیں مل پاتے۔ اکثر فاکب بہت ترسوری انداز میں تعزیت  
 کرتے ہیں اگر کسی دوست یا شاگرد کو کسی کی موت کی خبر دیتے ہیں تو کم سے کم الفاظ  
 استعمل کرتے ہیں۔ پس، اندکھان کو تعزیتی خط لکھتے ہیں تو صبر و تحمل کی تلقین کر کے سہا پہلا  
 لیتے ہیں، اس طرح کے خطوں میں ایک اور بات اسی ضرور نکھ دیتے ہیں جس سے  
 متعلقین کے دل کا بوجھ ہلکا ہو سکے۔ فاکب کبھی کبھی ایسے خط میں بھی مزارع سے کام لیتے  
 ہوئے نظر آتے ہیں جو انہوں نے یا تو تعزیت کے طور پر لکھا ہے یا جس میں کسی کی موت کی



کسی کو اطلاع دی ہے، ایسے تصویر بنی خط چندی ہیں جو نقاب نے دل چاہی کے ساتھ لکھے ہیں۔

نقاب نے خاص طور پر عمرانی علی اس لیے ان کے بیشتر دوست اور عزیز ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ پھر سوشل وار کے ناکام انقلاب میں ان کے بہت سے دوست آشنا اور دشمن دار قتل ہوئے یا پھانسی کے تختے پر لٹکا دیے گئے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ نقاب موت کے ذکر سے گھبرانے لگے تھے۔ ہاں اپنی موت کی خواہش کا اظہار بار بار کیا ہے، بلکہ مزے لے لے کر کیا ہے۔ ایک خط میں اس خواہش کا اظہار خاصے دلچسپ انداز میں اس طرح کرتے ہیں :

”زندگی میری کب تک؟ سات بیٹھے یہ اور بارہ بیٹھے سال آج کے۔ اسی بیٹھے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچا ہوں۔ وہاں دروئی کی ٹکڑی پانی کی پیاس اندھا بننے کی شدت، اندگری کی حدت۔ نہ حکم کا خوف نہ حکم کا خطر۔ نہ مکان کا گریہ دینا پڑے اور نہ کپڑا خریدنا پڑے۔ نہ گوشت، گھی، سنگاؤں نہ روٹی پکوانوں، عالم نور اور سراسر مسرور !

یاد رہے : یہ آرزو ہے من چہ خوش است

تو بدیں آرزو سرا برسوں “

یام نقاب حسین مرزا ۳۱ دسمبر ۱۹۵۹ء

انسانی نفسیات کچھ اس طرح کی ہے کہ نئے کار خود اپنی موت کا ذکر تو بڑی آسانی سے کر سکتا ہے لیکن جب دوسروں کوئی الحقیقت مرنا ہوا دیکھتا ہے تو خاصا ناخوش نظر آتا ہے۔ نقاب ایک خط میں لکھتے ہیں :

”کثیر الاماہاب شخص ہوں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس پاسٹور میں ہیں مر گئے، مخصوصاً اس تختہ داغ خوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچا

ہوگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں، بہت عزیز ہیں۔ دلا بگلا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ رہے۔ کیا سنی کر جو میں ہوں تو کوئی میرا یاد کرنے والا اور مجھ پر رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔“

بنام حکیم غلام نبوت خاں اہل حق شناس۔

اس لیے غالب تعزیت نامہ لکھنے سے کتراتے ہیں، اس سلسلے میں انھوں نے اپنے جذبات کی صحیح و کساہی نواب کلب علی خاں کے ہم آہنگی میں کی ہے۔ لکھتے ہیں :

”جاہتا ہوں کہ کچھ نکھوں، مگر نہیں جانتا کہ کیا نکھوں، لازم تھا کہ تعزیت نامہ دہانیا فارسی و عبارت طبع نکھوں، آپ کے قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آمین گنہگار، ظلم و شر و واسطے تہنیت کہ ہے کہ دل کفرت نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے، طبیعت راہ دہا ہے، الفاظ ڈھونڈے جاتے ہیں سنی پیدا کیے جاتے ہیں، اب میں نیم مرده، دل پر مرده، محاصرہ مرده، جس باب میں غلط و معنی قرار ہم کیا ہا ہوں، وہ سزا سرطیع کے خلاف، جس بات کا قصور ناگوار ہو، اس کے تذکرے سے ہی کیوں نہ ہے قرار ہو۔“

بنام نواب کلب علی خاں صاحب سر قلم۔

چہ حقیقت ہے کہ غالب کو دو مسروں کی موت کا ذکر بہت ناگوار گزرا تھا، اسی لیے وہ عام طور سے تعزیتی کلمات منظر لکھتے ہیں۔ یہ منظر کلمات کبھی کبھی معنی رسمی الفاظ پر مشتمل ہوتے ہیں مثال کے طور پر مرزا قمران علی بیگ خاں سلطنت کے چچا کا انتقال ہوا ہے تو غالب ان الفاظ میں تعزیت کرتے ہیں :

”میری جان! کن اہل ام میں گرفتار ہے۔ جہاں آپ کو بیٹ چکا، اب چچا کو بھی رو، چچہ کو خدا بیتا رکھے اور میرے نیابت و استقامت کو صورت

2000

سنا ہر گویاں تفتہ، نقاب کے حوزہ تری شاد رخے، لیکن جب تفتہ کی پٹی کا انتقال ہوا  
تو نقاب نے سرسبز انداز میں صرف اس طرح تصویر کشی :

”تمہارا غلط بیچنا۔ مجھ کو بہت رنک ہوا۔ واقعی ان مجھے لوگوں کا انہایت

خدا، بھگوان، دیکھو میں تو اسی آفت میں گرفتار ہوں۔ میرا کوہِ صبر کدو کی طرح

وکیا کہہ سکتے ہیں کہ یہی اصل میں ہمارا مقصد ہے۔

اسی طرح نبوتِ خدا کی تواریخ کے احوال پر کتاب لکھتے ہیں :

حق تعالیٰ اس کی ہاں کو صبر و سہم سے اپنے لئے رکھے۔ میں یوں سمجھتا ہوں کہ

پنجوہری قسمت والی اور حوت والی مہینے۔

دھام دھیم دھام دھیم دھام ۱۸ جزوی ۱۹۵۵ء

میں اور اعلیٰ سیاح کے ہاں لوکا پیدا ہونے ہی مرگیا۔ اس خبر سے بظاہر خود کتاب کے

دشمن ہرے ہو گئے۔ فاتح کے ہی سات بچے پیدا ہوئے انکی پندہ بچپن سے زیادہ

کوئی عربی لکھ کر دے۔

”تمہارے ان لڑکے کا پیدا ہونا اس کامیاب اسلام کو کچھ کڑی غم ہوا۔“

کی حیثیت جو سترا ہو چکر اور ان پتھروں کی غلطک رات بکے پیدا ہوئے۔

لوگ کے سہی اور لڑکیاں بھی اور کسی کی طرف سے پہننے سے زیادہ بھی ہوتی تھا یہی

جہاں پر حق تعالیٰ نصیب فرماتا ہے۔

یہ تمام بیانیہ باتوں کا نتیجہ ہے کہ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء

”ہم غائب کے بارے میں قسم کے خطوط کی بعض ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں غائب نے

بہت مختصر نظروں میں تعزیت کی ہے، کسی کی موت کی اطلاع دیا ہے لیکن اسے مخصوص

اسلوب سے اظہار کو بغیر اصول حد تک نظر بنا دیا ہے۔ فنی بی بی انش تکمیر کی سیر چار دیواری تو

نائب کو عاصی شورش ہوئی کئی سطوں میں اُن کی صحت کے بارے میں دریافت کیا ایک دن خبر ملی کہ وہ اندر کو پہاڑی ہو گئیں۔ یہ خاتون نائب کے عزیز ترین دوست غنشی نبی بخش خٹہ کے صاحبزادے غنشی مہاراجپیت کی بیوی تھیں۔ خٹہ کے رہنے سے نائب کو غنشی مہاراجپیت اور اُن کی بیوی دونوں کا بہت مہال رہنا تھا۔ ان خاتون کی پہاڑی کے دوران نائب خٹہ سے اُن کی میریت معلوم کرنے رہتے تھے ایک دن جب ان کی وفات کی خبر غنشی کو نائب کو ملی صدمہ ہوا۔ چنانچہ انتہائی غم و غمزدگی سے اُمیر انداز میں اس طرح تصریت کرتے ہیں :

”اے اے سو نیک بہت مذہبی۔ واقعی ہے کہ تم پر اور اس کی ساس پر کیا گزری ہوگی۔ لڑکی تو مہنتی ہی نہ ہوگی کہ بھر پور کیا گزری۔ کوا کا شاید یاد کرے گا اور بچے گا کہ اہل کہاں ہیں۔ یہ اس کا پوچھنا اور تم کو ملانے گا۔ یہ ہر حال پہلا جو صبر نہیں ہے۔ غم کو، اہم رکھو۔ روتو بیٹا، آخر خون بگڑ کھا کے چپ رہنا پڑے گا۔ حق تعالیٰ عہد الطیف کو اور تم کو اور قسیموں کی دادی اور پچھریوں کو راست رکھے اور تمہارے دامن مطوفت و آغوشِ راحت میں اُن کو پالے“

ہام غنشی نبی بخش خٹہ - اکوڑ پٹھان

نائب کے ایک دوست میر تقی حسین خاں کا انتقال ہو گیا۔ نائب کو بہت صدمہ ہوا۔ ایک خط میں ان کی وفات کا ذکر صرف ایک جملے اور ایک شعر کے ساتھ کیا ہے لیکن بعد ٹوٹر انداز میں :

اے اے میر تقی حسین خاں اے اے :

دینی و مرا خیر نہ کردی

بدیگی ام نظر نہ کردی

ہمام مرزا ہر گوبال تختہ ۳۳ خودی ۱۳۵۵ھ

مرزا ہر گوبال تختہ کے جہاں عمر اور ڈٹے بیٹے پنہر سنگھ کی موت کی خبر نواب فتنش  
نی پٹن تھیر کر اس طرح دیتے ہیں :

”مے تو سب کچھ ہے، مگر تم کو تختہ کی بھی کچھ خبر ہے۔ پنہر سنگھ اس کا لڑکا بیٹا،  
مرگیا۔ اے اس غریب کے دل پر کیا گزری ہوگی :

چہ کند بندہ کہ گردن نہ بند لہراں ما  
چہ کند گوی کہ تن در بند چو گان ما

ہمام فتنش نی پٹن مقرر ۳۴ جولائی ۱۳۵۵ھ

تغزیت ہوں ہی، عام طور پر جن کی اتفاق کا استعمال کیا جاتا ہے، نواب نے ان  
اصناف سے حق امکان گزیر کر کے نیا انداز اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ نواب امین الدین  
احمد خاں کی داد کا انتقال ہو گیا۔ نواب صاحب، نواب کے رشتے دار بھی تھے اور دوست  
بھی تھے۔ یہی تغزیت نامے سے بات نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیے نواب ایک انوکھا انداز  
استہد کرتے ہیں اور انتہائی جدت سے کام لیتے ہوئے لکھتے ہیں :

”بھائی صاحب ! آج تک سوچنا نہ آ کر بیگم صاحبہ قبلہ کے انتقال کے باب  
میں تم کو کیا لکھوں، تغزیت کے واسطے میں دانتیں ہیں، اظہار غم، تلقین، صبر  
و دعاے مغفرت، سو بھائی، اظہار غم، تکلف، محض ہے۔ جو غم تم کو ہوتا ہے،  
تمہیں نہیں کہ دوسرے کو بھو ہو، تلقین، صبر، اے دے دی ہے، یہ سائنہ عظیم  
ایسا ہے جس نے غم، حسرت، نواب، غم کو تازہ کیا۔ ہیں، ایسے موقع پر صبر  
کی تلقین کیا کی جانتے۔ یہی دعاے مغفرت، میں کیا اور میری دعا کیا، مگر  
چل کہ وہ میری مرتبہ اور محض نصیب، اول سے دعا لکھتی ہے :

ہمام نواب امین الدین احمد خاں ۳۵ نومبر ۱۳۵۵ھ

یوسف مرزا کے ہم خالق کے کل بارہ خطوط ملتے ہیں۔ ان چند خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ خالق کو یوسف مرزا سے بہت محبت تھی۔ پہلے ان کے بیٹے کی وفات ہوئی اور پھر بڑے بعد والد کا انتقال ہو گیا۔ خالق کو دوسرے حادثے کا دل صدمہ ہوا۔ انھوں نے اس موقع پر یوسف مرزا کو جو تعزیت لکھی ہے، اس سے پتہ تعزیت نامہ اسی کی یاد میں نہیں چھپا۔ اس تعزیت اسے میں اظہارِ ہمدردی بھی ہے اور صبر و تحمل کی تلقین بھی اور فکر و اسلوب کی ہدایت بھی۔ لکھتے ہیں :

”یوسف مرزا! کہیں کریم کو کھوں کہ میرا باپ مر گیا اور اگر کھوں تو میرے لئے کیا کھوں کہ اب کیا کرو مگر صبر و یک خیمہ فرمودہ اپنے لئے رہنما رہا ہے تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں کہ صبر کرو۔ ہاں ایک کا کلیہ کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ توبہ بھلا کہوں کہ نہ کہے گا؟ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں، دعا کا نکلنا نہیں۔ پہلے یہ صبر بھرا پورا۔ پھر سے اگر کوئی بوجھ کہے سر دبا کسی کو کہتے ہیں تو میں کہوں گا یوسف مرزا کو“

تمام یوسف مرزا ۱۹ مئی سنہ ۱۳۳۷ھ

لواب یوسف علی خاں آگم کہ اللہ فرخ النسا عجم کا انتقال ہوا تو خالق کے لئے ضروری تھا کہ یہی تعزیت نامہ لکھیں مگر اُن کے بس کی بات کہاں تھی۔ دیکھیے کسے لائقِ غفلتوں میں یہاں کام نکالنے میں :

”کل اُس دم مرزا دارغ اسے از مدے غلط آمد و نام پورا حضرت جہاں علی کے انتقال کی خبر سنانی۔ کیا کہوں، کیا لکھ دو اللہ کا جہم ہوا حضرت کے عقین ہونے کا تصور کر کر اور زیادہ غموم ہوا، بیدار نہیں ہوں کہ ایسے مقام میں ہرگز انشا پر لازمی عبارت آسانی کروں۔ نادان نہیں ہوں کہ آپ

جیسے دلا دل دیدہ در کو تھیں صبر و شکیبائی کروں :

از دست ہو گئے ہے نوا تاپہ پہنچ

جزاں کہ ہ صدقِ دل دھائے بکد

ہام یوسف علی خاں ناظم

اس خط میں غالب نے تعزیت نامے کے تمام رسمی الفاظ سے گریز کیا ہے۔ جس انداز کے لیے صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائی کی دعا آگئی، نہ مرحوم کے اوصاف جمیل پر اس کیجاؤ نہ اُن کے خرقِ رحمت ہونے کا تذکرہ کیا۔ یہ غالب کا خاص انداز تھا کہ جب کسی تعزیت نامہ قلم سے طویل ہوتا۔ تو اس میں باتیں ایسی ہوتیں، جو تعزیت نامے کا حصہ نہ جانے کے باوجود ہامِ راست تعزیت سے تعلق نہ رکھتیں۔ نواب یوسف علی خاں ناظم کے نام خط میں اُن کی والدہ کی وفات کے بارے میں چند الفاظ ہیں، باقی باتیں باوجود صبر و حوصلہ کی ہیں۔

شاید ہی دنیا میں ایسے خطوط لکھے گئے ہوں جو تعزیت نامے ہوں یا میں کسی کی موت کی اطلاع دی گئی ہو اور میں طنز و مزاح سے کام لیا گیا ہو۔ غالب جب اس طرح کے خطوط لکھتے ہیں تو کسی کسی ان کی شوخی طبع اور ذہنی برتری برقرار رہتی ہے۔ اُن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ "علم آگاہی مضامین سے اُن کے خطوط زیادہ پرمکمل نہ ہو جائیں۔ علی بن خاں، غالب کے سسرال رشتے دار اور عزیز دوست تھے۔ مگر انہیں کہ غالب کو اُن کی وفات کا صدمہ نہ ہوا ہو، عذائی کے نام خط میں اُن کی وفات کا ذکر ایک فقرے میں کرتے ہیں اور پھر اس صدمے کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے مرحوم کا ایک ایسا دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں، جسے نہ کہ مکتوب الیہ چلنے بغیر ذرا نہ سکے۔ لکھتے ہیں :

"علی بن خاں مرحوم میرے چار برس چھوٹا تھا۔ میں مسئلہ میں پہنچا

ہوا ہوں۔ اب کے جب کے چھینے سے ان شروہاں برس خصوصاً ہوا ہے۔

اس نے چھ ماہ برس کی عمر پائی۔ نئی تقریر و تحریر کا آدمی تھا، اکبر آباد میں میوہ صاحب سے ملے۔ اثنائے مکالمات میں کہنے لگے کہ میں بچا جان کے ساتھ جنرل وارڈ ایک صاحب کے لشکر میں موجود تھا اور ہو کر سے جو محلات ہوتے ہیں، اس میں شامل رہا ہوں۔ بے اولیٰ ہوتا ہے۔ وہ اگر قہر و پیر بن امار کو دکھائوں تو سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے، جابجا تلوار اور برگی کے زخم ہیں۔ وہ ایک بیدار سفر اور دیدہ و آدی، اُن کو دیکھو دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں ہادیا پانچ برس کے ہو گئے۔ یہ سنی کر آپ نے کہا کہ دوست! ہمارا اشلاد چلتا ہے۔ خدائے بیامرزاد و بدین مدد! اسے بے شک گیراؤ۔

بنام نواب علامہ الدین خاں عتائی ۱۰ یونی ۱۲۸۷ھ

مرزا حاتم علی خیر کی مہربانی کا انتقال ہو گیا۔ نواب نے تعزیت نامہ لکھ کر دوسرے اہلکاروں کو اس میں غم و اندوہ کا اظہار بھی ہو گیا اور کچھ چیزیں بھی۔ مقصد نواب کا یہ کہ خیر کا غم کچھ بکا ہو اور ان میں مصروف ضبط کا حوصلہ پیدا ہو۔ نواب سمجھتے ہیں،

”ہم کو یہ باتیں پسند نہیں، پیشہ برس کی عمر ہے یہ پاس برس عالم جنگ و کی سیر کی، ابتداء سے شہاب میں ایک مرشد کمال نے یہ نصیحت کی ہے کہ ہم کو ذہن و روح منظم نہیں، ہم بالکل لسن و فہم نہیں، یہ وہ کیا تو، مرے لڑائی، شکر یہ یاد رہے کہ مصری کی تھکی ہو، شہد کی تھکی نہ ہو، سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔ کبھی کے مرے کا وہ علم کہے جواب دہ مرے، ابھی ایک نشان، کہاں کی مرثیہ خوانی؟ آزادی کا شکر بجاؤ، غم نہ کیاؤ اور اگر ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو تو، چٹا بیان، مذہبی، منافقانہ ہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مصیبت ہو گئی اور ایک ضرر



اور ایک مرد لی : اقامت ہاروانی ہے اور اسی ایک ایک بہت کے ساتھ  
 زندگانی ہے ، اس تصور سے ہی گھبراتی ہے اور کچھ منہ کو آتا ہے ، ہے ہے  
 وہ مرد اچھریں ہو جائے گی ، طبیعت کیوں نہ گھبرائے گی ، وہی زمرہ کی کلا  
 اور وہی طرح کی ایک شاعری چشم بد دور ، وہی ایک مرد ، بھائی ، ہوش میں  
 آئی کہیں اور دل لگاؤ :

ہم مذاہم علی ہیگ تیر جون سن ۱۹۹۹ء

غالب کے خطوط







# مرزا ہرگوپال تفتہ

(۱)

صاحب!

دوسرا پڑسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے، پہنچا۔ نہ اس طرح کو ٹکڑا نہ  
تقریباً سطور کا بچہ کتاب کھدی آتا ہے، تم نے الگ الگ دو دوسرے پڑکیوں نہ لکھا اور چھپوا  
چھپوا کیوں نہ لکھا؟۔ ایک آدھ دو ورق زیادہ ہو جاتا تو سچ ہوتا، بہ ہر حال اب مجھے چٹنے  
پڑے ہیں سوالات، اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور نہ جانے تو سطور کی موڑ توڑ گاں،  
سمجھنا میرا قصور نہ جانتا۔

”جائزہ ہے“ اس میں تاثر کیا ہے؟ لفظ صحیح اور لہجہ تو یہی ہے،  
”شکر“ اس کا مختلف ہے :

خدا ہاں را ہنر افشا نم کر چوں خواہد شدی

بہت خوب اور معقول۔ میں اُس وقت خدا جاننے کس خیال میں تھا: چوں خواہد شدی

وہ گنواں خواہد شدی تو روایت و کافی سمجھا تھا۔

لفظ ”بے پیر“ تو دانی پچہ داسے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے۔ جب میں اشعار اُردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعرِ فارسی میں کیوں کر اجازت دے گا؟ مرزا جمال احتیر علی الرحمۃ حجاز میں اوردن کا کام سنبھالے۔ میری کیا مجال ہے کہ اُن کے باندھے ہوئے لفظ کو لفظ کہوں لیکن تعجب ہے اورد بہت تعجب ہے کہ اورد نژاد ایران ایسا لفظ لکھے۔

”مشقتِ بستی“ جب فہموری کے ہاں ہے تو باندھے۔ یہ دوز مر ہے اورد ہم دوز مرے میں اُن کے پیر دیں۔ ”بے پیر“ ایک لفظ نکال باہر ہے دوز صاحبِ زبان ہونے میں احتیر بھی فہموری سے کم نہیں :

نامہٴ این سخت ہرزہ کر گفتی، چہ سندی  
حق غفورست، گنا ہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے نامہ سے یہ سوال غلط کہ ”چہ سندی“ تراچہ شدہ سوال ہو سکتا ہے پھر گنا ہے شدہ ام تو جواب مہل۔ ”گنا ہے کردہ ام“ جواب ہو سکتا ہے۔ یہاں تم کہو گے کہ نہ تو تن عناہ ”یا“ ”سرا گناہ“ یا ”سرا سر گناہ“ شدہ ام۔ یہ جواب اُس جواب سے سراسر بے ربط ہے۔ جب تک ”ہر تن گناہ“ نہ ہو ”سنی نہیں بنتے ہرگز ہرگز۔ اصلاح دیے ہوئے شعر میں مضمون تھا اراہی رہا اور نکال کے موافق ہو گیا۔ جب ہے تم سے کہ صرف ”شدہ ام“ اورد تراچہ شود کے پیوند میں الجھ کر حقیقتِ سنی سے غافل ہے :

باز آرد دل خود از چہنیں کار

آورد چہ می کنی بدلم را

آجی نے زبردستی کی ہے مگر ہاں اُس نے ایک وجہ بظہار کی ہے، یعنی ”آوردن“

مصدر اور آزار، مضارع اورد آزار اورد اورد معنی اُسم جاند آتا ہے اورد اسمِ جاند

”کردن“ کے ساتھ چم نہ پاتا ہے۔ خیر رہنے دو

کندہاں آہوے وحشی زہرم فروارم

شعر مزید میرے کلام کا ہے۔ براہدم و "زردارم" و "سروارم" و "فسروارم" یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں، لفظ صحت کہیں نہیں رہاں "بودارم" و "قددارم" و "فرودارم" تمہارے حقیقے کی تائید کرتا ہے۔ مگر یہ شعرا ستاد کا نہیں۔ مثلاًح میں سے ایک بزرگ تھے مولانا غلام الدین: مامقناں کہے دلدارم

یہ ترجیح ہذا انھیں کا ہے۔ اُن کو فخر و فناء و سیر و سلوک میں کھتا چاہیے، نہ انوار و کلام میں! ہر سودا ست غمشیر کہ ہر سوے میان دارد

بھائی خدا کی قسم یہ مصرعہ تمہار کی ناز کی کی سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے "کمر" "سور" و "تلوار" پر سور۔ و میر تشبیب: علاؤ پر سور یا سور، مانند ملاقہ، شمشیر یا میان۔ نزاکت و میر تشبیب کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہے، "تلوار کی خوبی" تیزی ہے یا ناز کی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ بانڈھو۔ "خو" میں اور "تلوار" میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانے وہ شعر سے ہاتھ اکھاڑ۔

میانہ خمیدہ بھی صحیح اور خمیدن بھی صحیح۔ اس میں کسی کو تردد ہے؟ مگر لغت اور محاورہ سے اس اصطلاح میں تپا س پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے بالوٹی لوگوں کو "خم درم" بولتے سنا ہے۔ آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔ نظر پڑا، مجھ کو بھی پسند، مگر کیا کریں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اس کو کیوں کر صحیح جانوں؟۔ "خمیدہ" خمیدہ، "خمی" کا ہے "خمیدن" سے اور "خمیدن" ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔ "خمیدہ" مصدر۔ "خم" امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے؟ کلام "خم درم" میں ہے۔

سوالت و حذو و حذو کر اُن کا جواب لکھ دیا، اب اشعار کو دیکھتا ہوں خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اور انی غلطی کو دیکھو



کو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح کبھی نہ ٹھکانا میں بہت گھبراتا ہوں۔

”حمیدیت“ و ”سیدیت“ میں ”زنی دست“ یہ تافہ درست ہے۔ مگر ”است“ کا نصف سب جگہ اٹھو اور یاد رہے کہ سونے میں تافہ کافی ہے اٹھتے ہوئے نہیں۔

غالب

شکریہ اس سے قبل

(۲۱)

بہادر!

آپ کا مہربانی نامہ سہیا۔ دل میں اگرچہ خوش نہ ہوا لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ یہ ہر حال مجھ کو، کو نا اہل و ذلیل ترین مخلوق ہیں، اپنا دعا گو سمجھتے رہو کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاؤں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قہر کے دیکھو، قہر کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے شعر کم تر ہوں بھی۔ یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ علی کے تذکرے کی تقریب کو ملاحظہ کرو کہ ان کی مدح کتنی ہے۔ مزار رحمہ الدین بہادر صاحب تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریب دیوان ملاحظہ کی، وہ موجب فخر و کمال جانی جاوے بہادر کے علمی ہے، اُس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں اُس کا نام اہل ان کی مدح آئی ہے اور باقی ساری غزلیں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں۔ واللہ بالہ! اگر کسی شہر کے یا میرزا کے دیوان کا دیباچہ لکھا تو اُس کی اتنی مدح نہ کرنا کہ تمنا تمہاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر، تمہاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر، اُس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیتے۔ اس سے زیادہ تجبٹی میری روش نہیں، ظاہر تم خود مگر نہیں کرتے، اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیش تر اس نظم و نثر کو

جہل کیسے لگے، اُس دواسطے کہ اُن کے کان اس کو ان سے آشنا نہیں۔ جہل کے تھیلے کو  
 اچھے دیکھنے والوں میں جانیئے لے، وہ لقمہ دنگ کی خوبی کو کیلہ پہچانیئے لے؟  
 ہمارے چشتی شہنشاہ بخش صاحب کو کیا مار رہے کہ جس کو تم لکھتے ہو، ادا الجھن سے بھی  
 دگیا؟ ایک نوز طلبہ محمد حسین خان میں لکھا ہے، ادا وہ بہت بے ضرر اور بہت سود مند ہے  
 مگر اُس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے، وہ نسخہ ہے کہ پان سات سیر پانی پیو، اُس  
 میں سیر پیچھے تولد بھرچ، پچھلی کوٹ کر ملادی، ادا اُس کو جوش کریں، اس قدر کہ جام  
 پانی ابل جاوے۔ پھر اُس پانی کو چپان کر، کوری ٹھلیا میں بھر رکھیں اور جب ادا  
 ہو جاوے، اُس کو پئیں۔ جو غذا لکھا یا کرتے ہیں، کھا یا کریں۔ پانی دن رات، جب پیاس  
 لگے، پھی پیئیں۔ تھریک کا حاجت پڑے، ادا پانی میں پیئیں۔ مدد جوش کر، کر، چھوکر  
 رکھ چھوڑیں۔ برس دن میں اُس کا خاندان مظلوم ہو گا، میرا سلام کہ کرے، نوز عرض کر دے۔  
 آگے اُن کو اختیار ہے۔

مکی مشاعرہ

(۲)

بھائی!

یہ مصرع جو تم کو بھی پہنچا ہے، فن و تاریخ گوئی میں اس کو کرامت اور اعجاز کہتے  
 ہیں۔ یہ مصرع سلمان سادھی و ظہیر کا سا ہے۔ چار لفظ اور چاروں واقعے کے مناسب۔  
 یہ مصرع کہ کر اور مصرع کی فکر کرنی کس واسطے؟ واہ واہ! سبحان اللہ!  
 اور یہ جو تم کو "فرس کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سو گنا سہا شعر طہری کا لکھا بڑا  
 تعجب ہے۔ یہ لفظ میرے ہاں پہنچ آجگت میں دس ہزار جنگ کیا ہو گا۔ "فر" اور "زہ"  
 لفظ فارسی ہے۔ مراد "باہ" کے۔ پس "باہ" کو اور اس کو کس نے کہا ہے کہ بغیر  
 ترکیب دیے نہ لکھے؟ "مائی باہ" اور "مسکند باہ" اور "مظفر" اور

”فریدوں فر“ یوں بھی درست اور صرف ”ہاوا“ اور ”فر“ یوں بھی درست اور ایک بات تم کو معلوم رہے کہ اس پورے خطاب کو ”خطاب بہادری“ کہا جاتا ہے۔ سنو، خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب ہے اور یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے، ”میر محمد علی“ یا ”شیخ محمد علی“ یا ”محمد علی بیگ“ اور اس کو خاندانی بھی ”خانی“ نہیں حاصل۔ پس جب اس کو بادشاہ وقت ”محمد علی خاں“ کہہ دے تو گویا اس کو خانی کا خطاب ملا اور جو شخص اس کا نام اصلی ”محمد علی خاں“ ہے یا تو وہ قوم افغان ہے یا ”خانی“ اس کی خاندانی ہے۔ بادشاہ نے اس کو ”محمد علی خاں بہادر“ کہا۔ پس یہ خطاب ”بہادری“ کا ہے، اس کو ”بہادری“ کا خطاب کہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خطاب ”دو لگی“ کا ہے۔ یعنی مثلاً ”محمد علی خاں بہادر“ اس کو ”میرالدولہ محمد علی خاں بہادر“ کہا۔ اب یہ خطاب ”دو لگی“ کا ہے، اس کو ”بہادری کا خطاب“ نہیں کہتے۔ اب اس خطاب پر ازادیش ”جنگ“ کی ہوتی ہے۔ ”میرالدولہ محمد علی خاں بہادر شوکت جنگ“ ابھی خطاب پیدا نہیں۔ پورا جب ہوگا کہ جب ”جنگ“ بھی ہو پس پورے خطاب کو ”خطاب بہادری“ لکھا جاتا ہے۔ یہ واسطے تھارے معلوم رہنے کے لکھا گیا ہے۔

اب آپ اس سات بیت کے قلمے کو اپنے دیوان میں داخل اور شاعری کو دیکھیں، یعنی قلموں میں لکھ دیجیے۔ جب تھارادیاں چھاپا جاوے گا، یہ قلم بھی چھپ جاوے گا مگر ہاں ”منشی صاحب کے سامنے اس کو پڑھے اور ان سے استدعا کیے کہ اس کو اگر سے بھیجیے تاکہ چھاپا ہو جاوے اسدہ اخبار میں اور ترجمہ اخبار میں لکھیں ہے کہ وہ تھارے کہنے سے مل میں لا دیں گے۔ مجھ کو کیا ضرور ہے کہ میں انھوں نے بیان صادق الاخبار میں چھپا دیا ہے۔

### کیوں مہاراج ؟

کول میں آنا اور جناب منشی خبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی کرنی اور جم کو یاد نہ لانا ! مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیوں کر جانا کہ تم مجھ کو بھٹول گئے۔ کول میں آئے اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا کہ میں کیوں کر آیا ہوں اور کب آیا ہوں اور کب جگ رہوں گا اور کب جاؤں گا اور بابو صاحب سے کہاں یا معلوم کیا۔ خیر اب جو میں نے بے حیائی کر کے تم کو خط لکھا ہے، لازم ہے کہ میرا قصور مٹان کر دو اور مجھ کو ساری اپنی حقیقت لکھو۔

تھوڑے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں، بابو صاحب کی 'میر سے پاس موجود ہیں اور اصلاح پا چکی ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ کہاں کیسوں؟ ہر چند انھوں نے لکھا ہے کہ گھر آؤ، مٹم علی خاں کو بھیج دو لیکن میں نہ بھڑکوں گا۔ اب وہ اجیران بھرت پر پہنچ کر مجھ کو خط لکھیں گے تو میں ان کو وہ اورانی ارسال کروں گا یا تم جو لکھو گے، اس پر عمل کروں گا۔

بھائی ایک دن شراب منہ پر لاکھ پیو اور ہم کو دو چار سطریں لکھ بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے۔

رقم زندہ کی ششہ چارم جنوری ۱۳۵۷ھ

اسد اللہ

شہیق با تحقیق منشی ہر گوپال لعلؒ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آپ کا وہ خط سچا پ نے لاپتہ سے بھیجا تھا، پہنچا۔ بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپ کا لکھنا مانا اور دہلی کے شہر سے ملنا سب معلوم ہوا۔ اشعار جناب زندہ کے پہنچنے کے ایک ہفتے کے بعد سلامت ہو گئے اور اصلاح اور ناشائے اور فوائد بھیجا کہ میرا شہید ہے، عمل میں

آیا۔ جب تک کہ اُن کا یہ تھاڑا خط نہ آوے اور آفاتِ عبادِ معلوم نہ ہو، میں وہ کو اخذِ ضروری کہاں دیکھوں اور کیوں کر دیکھوں اور کیوں نہ دیکھوں؟ اب جو تھاڑے کھنسنے سے جانا کہ انہیں ضروری تک اکیر آباد آؤ گے تو میں نے یہ خط تھاڑے نام لکھ کر غاذ کر رکھا ہے۔ آج انیسویں ہے، پڑھوں اکیسویں کو غاذ آگرے کو روانہ ہوگا۔ بابو صاحب کو میں نے خط اس واسطے نہیں لکھا کہ جو کچھ لکھنا چاہیے تھا، وہ خاندانِ اہلِ اشراف پر لکھ دیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ اُن کی خدمت میں میرا سلام پہنچاؤ اور سفر کے انجام اور حصولِ مرام کی مبارکباد دو اور اہلِ اشراف گزاراؤ اور چلنی کرو کہ جو صہارت خلتے پر مرقوم ہے اُن کو فور سے پڑھیے اور اپنا دستور اصل گروائیے! نہ یہ کہ سرسری دیکھیے اور بھول جائیے۔ میں اتنا مہوا دوں گا کہ جو بابو صاحب کی خدمت میں تھا۔

اب پھر تم سے کہا ہوں کہ وہ جو تم نے اُس شخص "کوئی" کا حال لکھا تھا، معلوم ہوا۔ ہر چند اعتراض اُن کا لغو اور پرستش اُن کی بے مزہ ہو مگر ہمارے منصب نہیں کہ سفر میں کو جواب نہ دیں، اس سائل سے بات ذکر یہ تھاڑے شعر پر اعتراض، اس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہوا ہے، گویا ہم پر ہے۔ اس سے ہمیں کام نہیں کہ وہ انہیں یاد مانیں۔ کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول استوار ہے۔ جو زبانِ داں ہوگا، وہ سمجھ لے گا۔ غلط فہم کی اندیشہ لوگ نہ سمجھیں، نہ سمجھیں۔ ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تعلیم سے کیا علاوہ؟ تعلیم و تحقیق واسطے دوستوں کے اور یاروں کے ہے، نہ واسطے انبیاء کے، جنہیں یاد ہوگا کہ میں نے جنہیں یاد کیا ہے کہ خود غلطی پر نہ رہو اور غیر کی غلطی سے کام نہ لکھو۔ آج تھاڑا کلام وہ نہیں کہ کوئی اُس پر گرفت کر سکے مگر ہاں، حضورِ اچھ کم کہ خود برجی درست و اسلام و انکرام۔



ہر طرح سے غمزدار نہ ہو کہ جس کی جگہ کو اور نہ کہ جس کی صورت و رنگ کا غم  
 غمزدار خفی کہ انتقال کے بعد اپنے مزاج سے سب طرح کے غمزدار غم  
 ہر طرح سے کہ جس کا شمار ہو کہ چنانچہ اپنے سب سے سب سے غمزدار غمزدار غمزدار  
 نقاب بیرونی اگر وہ ہر روز ہر روز ہر روز غمزدار غمزدار غمزدار  
 آج بھی آج ہر روز ہر روز ہر روز غمزدار غمزدار غمزدار  
 غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار  
 غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار  
 غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار  
 غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار  
 غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار غمزدار

ہم پروردگار

"بیش از ہمیش و کم از کم" یہ ترکیب بہت فصیح ہے "اس کو کون منی  
 کرتا ہے؟ اور جہاں اس کی بہت بہت پاکیزہ اور خوب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ  
 "وہ ذاتی من ہر ہمیش از ہمیش شدہ ذاتی تو وہ کم از کم شدہ اس کو کیا کہے جہاں  
 میں تو تین ٹکڑے کا لفظ و شعر ہے: "من اور تو" مہر اور وفا، "بیش از ہمیش اور  
 کم از کم" یاد رہے کہ بیشتر از ہمیش اور کمتر از کم اگرچہ یہ حسب معنی جائز ہے لیکن  
 فصاحت اس میں کم ہے۔ "بیش از ہمیش و کم از کم" فصیح ہے وہ شعر قصداً خوب  
 ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے:

تھیں! از تو نہ از کم کم، وے صبر ہمیش است ترا کم است مارا  
 لیکن ہاں پہلے مصرع میں اگر "کمتر" ہوتا تو اور اچھا تھا۔ یہ ہر حال میں خرابی ہے کہ  
 ایسی جگہ "تر" کا لفظ فصیح ہے چنانچہ میرا شعر ہے:

جلوہ کن، سنت منہ از قندہ کمتر نیست  
من داری تا بنای آفتابے پیش نیست

”وہ چشم توچہ از روزنہ رولار کم است“ یہاں بہت ہی اور پر ہی معلوم ہوتا ہے اور فراموشی کا ترجمہ وہ جاتا ہے ”نارسیت نہیں رہتی۔“ پہلے شمار زندگانی: ”مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے:

ما یگان است زندگانی با  
می توں کرد جانفشانی با

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو زندہ کیا اور خود اس زمیں میں غزل نگہوں مگر پھر میں نے غصت نہ کی اور تم کو دے دیا۔ حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا! یہ خط جو آپ نے مجھے لکھا ہے، شراب کے نشے میں لکھا ہے، اور وہ اصلا ہی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں۔ اب صحو تاکہ زندگانی با اس کو موقوف کیجئے اور وہ مطلع رہنے دیجئے کہ وہ بہت خوب ہے، بعینہ مولانا ظہوری کا معلوم ہو سکے۔ بھائی! ہمارے اوراق اسلامی کو خود سے دیکھا کرو، جاری محنت تو ضائع نہ جاوے۔

”ایسے چند“ میں مجھے الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے، اگر فیض کے نزدیک جیسا مجھے ہی نہیں ہے، مثلاً ”مالی چند“ اور ”احکام چند“ اور ”اسرار چند“ یہ کوئی کچھ سکتا ہے مگر ہاں ”آمال با“ یہ کھلی سورت ہے خطائے بزرگان اگر ضمن خطاست ہم کو اپنی جذبہ سے کام ہے۔ - افلاطون میں سند کیوں ڈھونڈتے پھر رہا۔ مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے:

صلاح کار کہا دمن خراب کہا  
بہین تفاوت و روزگار کہا



نیری سہاں ایسے موقع میں ہے چاہے کہ بزرگوں کے کام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں اور خود اس کی پیروی نہ کریں۔ بغیر گوارا نہیں رکھنے کا صحیح الجمع کو اور برائے کہے کا حضرت صاحب کو۔

شہرت غلامے شخص کے افعال کی ۔ غلط ، البتہ میرا بھی موجب غلام ہے مگر یہ کون واقتداعظیم ہونا گ ہے کہ صاحبان اخبار اس کو چھاپیں۔ آپ اس دن اتنا افسانہ فرمائیے :

گرماہ و آفتاب بھرد ، عزائمگیر  
در تیر و نہرہ کشہ شوز فوجہ خواں خواہ

میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ فی مادیوں کے محلے میں ایک حویلی کو اپنے کو لے کر آس بیٹا رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا، تحفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا، صرف کالے صاحب کی محبت سے رہنا تھا۔ واسطے اطلاع کے تم کو لکھا ہے۔ اگرچہ میرے خط پر حاجت مکان کے نشان کی نہیں ہے مگر وہی ہوا سدا اللہ برکت کافی ہے، مگر اب مال کنواں نہ تھا کرو، ملائی مادیوں لکھا کرو۔ اور ہاں صاحب، ہمارے شفیق بابو صاحب کا حال نکھو۔ مسہل سے خدمت ہوئی ہے اور ملا کیا ہے؟ اور اب امیر اور و اں سے آج پھاڑ کو کب جائیں گے، میرا سلام بھی کہہ دیجئے عفو۔ والسلام۔

محرمہ دوشنبہ بہت ویزم مارچ ۱۳۱۲ھ

اسد اللہ

(۱۷)

سہاڑا دول کے بارہ ہفتہ منشی برگو پال لکھتا : خیر میں کیا کیا سحر تزاویاں کرتے ہیں۔ اب غزوہ رانچا ہے کہ ہم بھی جواب اسی انداز سے لکھیں رہنما صاحب !

یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خاں مرحوم میرا فرزند تھا اور اب اُس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں، میرے پاس آ رہے ہیں اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمہارے نتائج طبع، میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب اُن عالم صورت کے پوتوں سے، کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجھ کو وہ پیر کو سونے نہیں دیتے، منگے منگے پاؤں میرے پیٹ پر رکھتے ہیں، کہیں پانی لڑھکتے ہیں، ہمیں خاک اڑاتے ہیں، میں نہیں تنگ آتا تو اُن معنوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں، کیوں گھبراؤں گا؟ آپ اُن کو حملہ میرے پاس بے سبیل شک بھیج دیجئے کہ میں اُن کو دیکھوں۔ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر بلداُن کو تمہارے پاس بے سبیل ذاک بھیج دوں گا۔ حق تعالیٰ تمہارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے اور اُن کو دولت و اقتبال دے اور تم کو اُن کے سر پر سلامت رکھے اور تمہارے معنوی بچوں، یعنی نتائج طبع کو فروغ شہرت اور صحیح قبول عطا فرما دے۔

بابو صاحب کے نام کا خط اُن کے خط کے جواب میں پہنچا ہے، اُن کو دے دیجئے گا۔ اور ہاں صاحب، بابو صاحب اور تم آج کو جانے لگو تو مجھ کو اطلاع کرنا اور تاریخ دعا لگی لکھ بھیجنا تاکہ میں بے خیر نہ رہوں۔ واللہ۔

نگاشتہ محمود جون مرشد

اسلام آباد

(۸۱)

کل تمہارا خط آیا، راز نہانی مجھ پر آشکارا ہوا۔ میں سمجھا ہوا تھا کہ تم لیا لگی اور شورش کر رہے ہو، اب معلوم ہوا کہ حق بجانب تمہارے ہے۔ میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے دل!

تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر فسور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا تو اس  
 جگہ میں گرفتار ہوتا، تو کیا کرتا؟ غیاً ڈا بلانڈ ! اب میں تم کو کیوں کر کہوں کہ  
 یہ بے حسرتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو بلکہ یہ بھی زائد ہے جو دوست سے  
 کہیے کہ تو ہمارے واسطے اس کو ترک کر۔ بہر حال دوست کی دوستی سے کام  
 ہے، اس کے افعال سے کیا فرض جو محبت و اخلاص ان میں تم میں ہے یہ دستور بلکہ  
 روز افزوں رہے۔ ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی !

دیکھئے کہ دراصل سلطان ہاشم

بھرا ہے ازل وصال ہاشم

کدوم بر سر جعداء، تنہا کی دلسے ہم کو اس باب میں پسند۔ محبوب طرح کا بیچ پڑا کہ  
 نکل نہیں سکتا۔ نہ تم کو کہہا سکتا ہوں اور نہ ان کو کہہ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اس موقع  
 میں سوائے اس کے کہ تم ٹانگی بیڑنگر قضا و قدر بنا رہی ہو، کچھ ہی نہیں آتی :

بہ بینم کہ تا کردگار جہاں

دریں آشکارا چو دارو نہاں

جے پور کا آخر صحن اتفاقی ہے بے قصود بے فکر در پیش آیا ہے۔ پہناؤ  
 ادھر منوجہ ہوا ہوں۔ ہر لحاظ ہو گیا ہوں، میرا ہو گیا ہوں۔ سرکار انگریزی میں بڑا پاؤ  
 رکھتا تھا ارٹیں زراوں میں گنا جاتا تھا، پہلا غلط چاہتا تھا، اب بدنام ہو گیا  
 ہوں اور ایک بہت بڑا احباب گھیا ہے۔ کسی ریاست میں دخل کر نہیں سکتا تھا مگر  
 ہاں، استاد یا پیر یا مداح بن کر اور رسم پیدا کر دیں، کچھ آپ فائدہ اٹھا لی کچھ اپنے  
 کسی عزیز کو دواں داخل کر دیں۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے :

تا نہال دوستی کے بروہ

حایار قسیم و تحفے کا مشیم

صاف بکے ہاں سے دیوان ابھی نہیں آیا، آج کل آجائے خواہ پھر اس کے  
 جیوان کی تیاری کر کے روز کر دیں گا۔ ابھی کول میں آرام کرو، اپنے بچوں میں اپنا  
 دل بھلاؤ۔ اگرچی چاہے تو اکبر آباد چلے جائیو، وہاں اپنا دل بھلائیو۔ دیکھو اس خودی کی  
 میں اُدھر سے کیا ہوتا ہے اور وہ کیا کرتے ہیں۔ والسلام۔

جمودیم وصبر علیہ

اسد اللہ

(۹)

صاحب!

دیکھو پھر تم دننگا کرتے ہو وہی ہمیشہ و بیشتر "کا قصہ نکلا۔ غلطی میں جمود  
 کی پردہ کیا فرض ہے؟ یاد رکھو، یاسے تھنائی تین طرح پر ہے: جزو کتب:  
 مصرعہ: ہمارے بر سر مرغان ازاں شرف دارد  
 مصرعہ: اے سرناور نام تو قتل گرو کھائے را  
 یہ ساری غزل اور غزل اس کے جہاں یاسے تھنائی ہے، جزو کتب ہے۔ اس پر ہمزہ  
 نکھنا، گویا قتل کو گالی دینا ہے۔

دوسرے تھنائی مضاف ہے۔ صرف اضافت کا کسر ہے، ہمزہ وہاں بھی قتل  
 ہے، جیسے: آسیاے چرخ یا آشناے قدیم۔ تو معنی 'انسانی'، بیانی کسی طرح  
 کا کسر ہو، ہمزہ نہیں چاہتا۔ "قلے تو شوم"۔ رہنے تو شوم" یہ بھی اسی قبیل  
 کے ہے۔

تیسرے دو طرح پر ہے: یاسے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسرے طرح:  
 توحید و تکبر۔ وہ مجہول ہوگی۔ مثلاً مصدری: "آشنائی"۔ یہاں ہمزہ مراد ہوگی  
 ہمزہ نہ نکھنا قتل کا قصور۔ توحیدی: "آشنائی" یعنی ایک آشنا کوئی آشنا  
 یہاں جب تک ہمزہ نہ نکھوئے، دنا نہ کہا جائے



باہر گوبند سنگھ تعظیم میں گول گئے ہوں گے جو آپ کے خط میں ان کی  
ہندگی ٹھکی آئی۔ کیوں انھوں نے تعظیم کی؟ یہ سوجھ بھٹ واد سو قدم پر میرے گھر  
سے ان کا مکان اور وہ جاتے وقت بھر سے رخصت نہ ہو گئے، اب ہندگی سلام  
کیا ضرور؟

ہاں صاحب، یہ تم نے اور باج صاحب نے کیا سمجھا ہے کہ میرے خط کے  
سر کے پر الٹی کے محلے کا پتا لکھتے ہو۔ میں اپنی ماریوں میں رہتا ہوں۔ الٹی کا محلہ  
یہاں سے بے سبب آجہ کوں ہے۔ وہ تو ڈاک کے ہر کارے مجھ کو مانتے ہیں،  
وہ نہ خط ہرزہ پھر کرے۔ آگے کالے صاحب کے مکان میں رہتا تھا، اب اپنی ماریوں  
میں کالے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ الٹی کا محلہ کہاں اور میں کہاں۔

منشی جی کو لکھتے ہو کہ حاکم کے ساتھ گئے ہیں اور پھر لکھتے ہو کہ نہ دور سے  
ہیں، بلکہ اپنے کام کو بہر صورت اب آگے ہوں گے، میرا سلام کیجے گا اور اپنا خیر و  
عافیت کے ساتھ ان کی سعادت کی خبر بھیجے گا۔ وہ نہ مجھ کو خط لکھنے میں دل نہ لگا۔  
"نظر کلفتی" و "گوش کلفتی" ہم نہیں جانتے، اگرچہ منشی ہر گوبال بھٹ اور  
سوانا نور الدین ظہوری نے لکھا ہو:

نظارہ مار خوشی و لم گل در آستیں

خوش ہو، بلکہ کہ زہتم میں چکبد

یہ نہ سمجھنا کہ جن از چشم چکیدن۔ "کلفتی گوش و نظر" کی مانند عزت رکھنا

ہے۔ "خوشی از چشم" کا استعارہ ہے اور "خوشی" "صفت چشم ہو سکتی ہے۔ اگر

"نظر کا خوش ہونا" اور "کان کا شاد ہونا" جائز ہوتا تو ہم اُس کا استعارہ "کلفتی

کر لیتے۔ "خوش ہونا" جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں؟

یاد رہے یہ نکات سوائے تمہارے اور کو میں نہیں بتا ہوں۔ میری بات

کو فور کر کے سمجھ دیا کرو۔ میں پوچھنے سے اور تکرار سے غلط نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں مگر بال ایسی تکرار جیسی "میش اور بیشتر" کے باب میں کی تھی، ناگوار گزرتی ہے کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر۔ جو میں آپ لکھوں چھاتم کو اس کے لکھنے کو کیوں منع کروں گا؟

اے صد ہزار راز ہنساں اندر میں سخن  
گر کم سخن توئی، انگشت کم سخن مباد  
ہرچ باغفس خود کنم ز بدی  
چیکیش نام می توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں، رہنے دو:

سزا کا بیم سلامت باد  
کام و کام می توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے؟

ز ترکازی آن ناز میں سوار ہنوز

ز سبزہ مید مد انگشت زینہار ہنوز

حزقی کے اس مطلع میں واقعی ایک "ہنوز" نامزد اور بے ہودہ ہے؛ صحت کے واسطے سند نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط محض ہے، یہ سقم ہے، یہ عیب ہے، اس کی کون پیروی کرے گا؟ حزقی تو آدمی تھا، یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہو تو اس کو سند نہ جاتا اور اس کی پیروی نہ کرو۔

بہانہ تھا کہ مصرع اس قبیل سے نہیں ہے۔ اس میں تو "سکنید" ختم معنی ہے، "سکنید" نام نہیں ہے۔ مگر اگر نام ہی رہنے دو تو اور اگر

ہندی کر تو، مصرع پہلی اور بے معنی ہے :

چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسترین ملکینہ

کیا غلاب کا پھول، کیا لالہ، کیا موتیا، کیا چنپارہ کرو، زہار نہ کرو، یعنی کیا نہ کرو؟  
اب جب تمہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو، غیب کوئی جانے وہ نہ کبھی جانا نہیں  
جانا کہ ذکر نہ کرو، اسے تم نے کہا بھی کہ چار مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو، حضرت !  
”ذکر“ معنی کہیں کر ہو سکتا ہے عمل و فکر و نسرین و نسترین کی طرف؟ کہو گے کہ  
”ذکر“ کا لفظ نہیں، ”بیان“ کا لفظ اور یہ کہ مصرع میں ہے ”وہ“ ”بیان“ کا لفظ  
دستوں سے اور زنجیروں سے ان چار لفظوں سے ربط نہیں پایا۔ مطلع لکھو، قلکو  
لکھو، ترجیح بند لکھو یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں، پہلی محض ہے، والسلام۔

اسد اللہ

(۱۱)

بھائی !

پرسوں شام کو ڈاک کا ہرکارہ آیا اور ایک خط تھا اور ایک خط ہائی  
جی کا لایا۔ تمہارے خط میں اور اقبیٰ اشعار اور بابو صاحب کے خط میں سے چونکہ  
اختیار دو دن سے مجھ کو وضع السعد ہے اور میں بہت بے چین ہوں، ابھی اشعار  
کو دیکھ نہیں سکتا۔ بابو صاحب کے بھیجے ہوئے کو اخذ تم کو بھیجتا ہوں، اشعار بعد  
دو چار روز کے بھیجے جائیں گے۔

اسد اللہ

مرزا محمد ۲۵ فروری سنہ ۱۳۱۵

(۱۲)

بھائی !

آج مجھ کو بڑی تشویش ہے اور یہ خط میں تم کو کہاں سرا سبلی میں لکھتا ہوں۔  
جس دن میرا خط پہنچے، اگر وقت ڈاک کا ہو تو اُسی وقت جواب لکھ کر روانہ کرو  
اور اگر وقت نہ ملے تو تا چار دوسرے دن جواب لکھو۔ منشا تشویش و اضطراب



کاح ہے کہ کئی دن سے رہا بھرت پور کی بیماری کی خبر سنی جاتی تھی۔ کس سے اور بڑی حیرت میں مشہور ہے۔ تم بھرت پور سے قریب ہو، یقین ہے کہ تم کو تحقیق حال معلوم ہو گا۔ جلد لکھو کہ کیا صورت ہے؟ رہا کا بچہ کو تم نہیں، بچہ کو فکر جانی جی کی ہے کہ اُسی علاقے میں تم بھی شامل ہو۔ صاحبان انگریزوں نے ریاستوں کے باب میں ایک قانون وضع کیا ہے۔ یعنی جو رئیس مرہاٹا ہے، سرکار اس ریاست پر قابض و تصرف ہو کر رئیس زادے کے تابع ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے۔ سرکاری بندوبست میں کوئی قیدیم خدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے، مگر یہ دلیل ہے، معلوم نہیں مختار کون ہے اور چارے باجو صاحب میں اور اُس مختار میں صحت کیسی ہے؟ رانی سے ان کی کیا صورت ہے؟ تم اگرچہ باجو صاحب کی صحت کا علاقہ رکھتے ہو لیکن انھوں نے ازراہ ویرانہ یعنی تم کو متوسل اُس سرکار کا کر رکھا ہے اور تم مستغنیانہ اور لالہ لایانہ زندگی کرتے تھے، زہار اب وہ روکش نہ رکھتا۔ اب تم کو بھی لازم آچکا ہے جانی جی کے ساتھ روشتہ اس حکام والا تمام ہونا۔ پس چاہیے کول کی آرامش کا ترک کرنا اور خواہی خواہی باجو صاحب کے ہمراہ رہنا۔ میری رائے میں یوں آیا ہے اور میں نہیں لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے اور مصلحت کیا ہے؟

جانی جی بھرت پور آئے ہیں یا حیدر میں ہیں، کس نگر میں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ واسطے خدا کے، نہ مختار نہ سرسری، بلکہ مفصل اور منہج جو کچھ واقع ہوا ہو اور جو صورت ہو، مجھ کو لکھو اور جلد لکھو کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے کلام کو میں نے سنا، آج صبح تھکے نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر ازراہ احتیاط بیرون گزرا دیا گیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرون گزرا دیا۔ آج رانی ایسی بڑی چیز نہیں ملے

کے لوگ بیرون خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں اور پوسٹ ہینڈ پڑا رہتا ہے۔ جب اُس محلے میں جانا ہوتا ہے تو اُس کو بھی لے جاتے ہیں۔ زیادہ سمجھا لکھوں کہ پریشان ہوں۔

نور محمد، چاشت گاہ، دوشنبہ ۲۵ مارچ ۱۹۵۵ء

ضروری، جواب طلب۔

(۱۴)

پرسوں تمہارا خط آیا۔ حال جو معلوم تھا، وہ پھر معلوم ہوا۔ غزلیں دیکھ رہا تھا، آج شام کو دیکھنا تمام ہوا تھا۔ غزلوں کو رکھ دیا تھا؛ چاہتا تھا کہ ان کو بند کر کے رہنے دوں، کل نو بجے دس بجے ڈاک میں بھیج دوں، خط کچھ ضرور نہیں؛ میں اسی خیال میں تھا کہ ڈاک کا ہر کارہ آیا، جانی جی کا خط آیا۔ اُس کو پڑھا۔ اب مجھ کو ضرور ہوا کہ غلام اُس کا تم کو لکھوں، یہ رقم لکھا، غلام بطریق ایجاز یہ ہے کہ جانی گزری دیا ہی گزرا، راول جی کے نام کا خط گزرا، رام صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے۔ جانی جی نے جو ایک مستند اپنا سدا شدہ خاں وکیل کے ساتھ کر دیا ہے، وہ مختصر جواب کا ہے۔ راول جی نے جسٹس کے استقبال کو گئے ہیں اور اب اجنٹ، علاقہ بھر پور کی راہ سے نہیں آتا، آگرے اور گوالیار کر دی ہوتا ہوا اجمیر آئے گا اور اس راہ میں سب پور کا مل نہیں۔ پس چاہیے کہ راول جی آئے پھر تو رہا۔ ان کے آئے پر جانی کو جواب ملے گا اور اُس میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔ جانی، جانی جی تم کو بہت ڈھونڈتے ہیں اور تمہارے بغیر بہت سہ چہیں ہیں، میں تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں، ان کو کچھ سمجھا سکتا ہوں، تم وہ کرنا جس میں سانپ مرے اور اٹھ نہ ٹوٹے۔ ان پر بھی جانی جی نے لکھا تھا کہ کل بہت دن کے بعد منشی جی کا خط آیا ہے۔

(۱۴)

آج مسئلہ کے دن پانچویں اپریل کو تین گھنٹہ کی دیر سے ڈاک کا ہر کار آیا۔ ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تھا اور ایک خط بابو صاحب کا آیا۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے، مگر ایک امر میں حیران ہوں کہ کیا کروں یعنی انہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا، میرے پاس بھیجا ہے اور مجھ کو یہ لکھا ہے کہ اُس کو اُنٹا میرے پاس بھیج دینا۔ حال اُن کو خود سمجھتے ہیں کہ میں اپریل کی چوتھی کو پالو یا آجرو ہاؤس کا اور آج پانچویں ہے۔ پس 'تو وہ کل روانہ ہو گئے' اب میں یہ خط کس کے پاس بھیجوں؟ ناچار تم کو لکھتا ہوں کہ میں خط کو اپنے پاس رکھنے دوں گا جب وہ آکر مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع دیں گے، تب وہ خط ان کو بھیجوں گا۔ تم کو ترغیب ہو کہ یہ خط ہے، خط نہیں، سینڈی سوال کا بیٹھ غماز کی عرضی تھی۔ نام مبارک با بیکٹو باشی، سہایت بابو صاحب پر مشتمل کہ اُس نے لکھا تھا کہ ہر دیو سنگھ ہائیڈری کا دیوان اور ایک خاں دہلی کا دیوان مبارک ہے پورے کے پاس لایا ہے اور جانی کی درستی مددگار رہے پورے سرکار میں کر رہا ہے، اور اس کے بیٹھنے کی یہ وجہ کہ پہلے اُن کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا کہ کسی نے ایسا لکھا ہے، میں نے اُن کو لکھا تھا کہ تم کو میرے سرکار میں اب ہر دیو سنگھ کو بواؤ۔ میں امر جزی کے واسطے امر لکھ کا لکھا نہیں چاہتا۔ اُس کے جواب میں انہوں نے وہ عرضی بھیجی اور مجھ بھیجا کہ راجا ہرنے والا ایسا تھا کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا، اُس نے یہ عرضی گزرنے ہی میرے پاس بھیج دی تھی۔

بارے، اس خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی مگر اپنی فکر پڑی یعنی بابو صاحب آج ہوں گے، اگر ہر دیو سنگھ پھر کرائے کا تو وہ بغیر اُن کے ملے اور اُن کے کہنے، مجھ تک کا ہے کو آنے والا۔ خیر وہ بھی لکھتا ہے

کہ رولول کہیں گیا ہوا ہے، اس کے آنے پر رخصت ہوگی۔ دیکھیے وہ کب آوے  
اور کیا فرمے گا کہ اس کے آنے ہی رخصت ہو بھی جائے۔  
تھوڑی غزل پہنچی، یہ البتہ کچھ دیر سے پہنچے گی تھا تو اسے پاس لکھنا نہیں  
والقعا۔

دھماکتے سرخسے روز بروز نام

وہ سدا چار شہر مشہور اہل شہر

جواب طلب۔ از اسد اللہ

(۵)

بھائی!

ہاں میں نے ذبذبہ اخبار میں دیکھا کہ رانی صاحبہ مر گئیں۔ کئی ایک دوست  
کا خط اکبر آباد سے آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ راجا مولیٰ رانی نہیں مری۔ ابھی ریاست کا کوئی  
رنگ قرار نہیں پایا۔ صورتِ اختتام جانی بیچنا تھوڑے آنے پر موقوف ہے۔ یہاں  
تک اس دوست کی تحریر ہے۔ ظاہر اس کو بالواسطہ کا نام نہیں معلوم، ان  
کے بھائی کا نام یاد ہو گیا۔ صرف اس دوست نے بہ طریق اخبار لکھا ہے۔ اس کو  
میری اور جانی کی دوستی کا بھی حال معلوم نہیں۔ حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر  
یہ خبر سچ ہے تو ہمارے تھوڑے دوست کا کام بنارہے گا۔ آمین یا رب العالمین۔  
صاحب اسے پورے مقدمہ میں لائن اس کے نہیں ہے کہ ہم اس کا خیال  
کریں۔ ایک بنا ڈالی تھی، وہ نہ اٹھی۔ راجا مولیٰ کا ہے اور چھوڑا ہے۔ راول جی اور  
سدا اللہ حال سے رہنے تو کوئی صورت نکل آئی، اور یہ جواب لکھتے ہیں کہ راجا  
تیرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے اور ہمیشہ نظر رکھتا ہے، یہ بھی تو آپ از دوسرے  
تحریر منشی ہر دیو سنگھ کہتے ہیں۔ ان کا بیان کیوں کر دل نشیں ہو؟ وہ بھی جو

بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانچ سو روپے نقد اور غلت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے؛ ہولی ہو چکی اور میں نے کر چلا۔ بھاگن، چیت، بیاکھ، نہیں معلوم ہولی کس جینے میں ہوتی ہے؟ آگے تو بھاگن میں ہوتی تھی۔

ہندہ بدور! بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈویاں بھیجی تھیں سو سو روپے کی۔ ایک تو میرا احمد حسین میگنیش کے واسطے، راجا صاحب کی طرف سے، تاریخ تولد کنیز صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو، پہلی تولد شاگردی۔ بعد اُن کے دو ہنڈویاں سو سو روپے کی بلند چار چار پانچ پانچ بیٹے کے آئیں، میرا احمد حسین کے محلے کے مدیعوں کے چار سو اور اُن سے علاوہ تین سو، اور یہ کہ چار سو آئیں سو کتنے دن میں آئے؛ (اس کا حساب کنیز صاحب کی طرف سے ہوا ہے، اگر وہ دوسرے کے ہیں، تو دوسری میں اور اگر وہ تین برس کے ہیں تو تین برس میں۔

باب صاحب! یہ وہی میرا تمام علی صاحب ہیں جو میرے پھلنے دوست ہیں۔ پرسوں یا اتر سوں جو ڈاک کا ہرکارہ تھا، خط لیا تھا، وہ ایک خط میرا صاحب کے نام کا، کوئی میاں حکمت اللہ ہیں اُن کا، میرے مکان کے پتے سے لیا تھا، وہ میں نے کر رکھ لیا ہے۔ جب میرا صاحب آجائیں تو تم ان کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ حضرت اگر میرے واسطے نہیں تو اس خط کے واسطے آپ دینی آئیے۔

مئی ۱۸۵۵ء

(۱۶)

بھائی!

تم نے مجھے کون سا دو چار سو روپے کا نوکر یا بیٹن دار قرار دیا ہے جو دس میں روپیہ مینا قسط آندہ رکھتے ہو؟ تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنسی آتی ہے۔

اگر احیا قائم رہی کے ڈپٹی کلکٹر باوکیل مکتبی ہوتے تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی۔ بہر حال خوش رہا اور شکر نہ ہو۔ پانچ روپیہ مینا پنشن انگریزی میں سے قسط مقرر ہو گیا تھا اسے زندہ ابتداء جون ۱۸۵۳ء یعنی ماہ آئینہ سے یہ قسط جاری ہو گئی۔

بابو صاحب کا خط قصارے نام کا پہنچا۔ عجب تماشا ہے، وہ ورنگ کے ہونے سے نکل جاتے ہیں اور میں ان کے حقد چاہنے سے مراجعتا ہوں۔ اسے اتفاق! آج میں نے ان کو لکھا اور کل راجا کے مرنے کی خبر سنی۔ واللہ بالہ! اگر دو دن پہلے خبر سن جیتا تو اگر میری جان پر آفتی، تو بھی ان کو نہ لکھتا۔

بے پور کے آئے ہوئے روپیے کی ہنڈوی اس وقت تک نہیں آئی شاید آج شام تک یا کل تک آ جاوے۔ خدا کرے، وہ آلو پہاڑ پر سے ہنڈوی روانہ کر دیں، ورنہ پھر خدا جلنے کہاں کہاں بائیں گے اور روپیہ پیسے میں کتنی دیر سو ہائے گی۔ خدا کرے زبردست ہر دیو سنگھ اسی میں سے بھرا میں، میری کہاں خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو ہمیں ہر دیو سنگھ کو میری طرف سے ضرور دیں۔

منشی صاحب کا ایک خط ہاترس سے آیا تھا، کل اُس کا جواب ہاترس کو روانہ کر چکا ہوں۔ واللہ ما۔

محرمہ دوشنبہ ۱۰ مئی ۱۲۵۵ھ

از اسد اللہ

(۱۷)

عجب تماشا ہے! بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ ہر دیو سنگھ آگیا اور پانچ روپیے کی ہنڈوی لایا، مگر اُس کے مصارف کی بہت اقسیمیں روپیے کئی آئے اُس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ہیں، سو میں اپنے پاس سے ماکر پوسے پانچویں ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں۔ میں نے ان کو لکھا کہ مصارف ہر دیو سنگھ کے میں مجرا دہل کا، تکلیف نہ کرو، تجھیں یہ میری طرف سے ہر دیو سنگھ کو اور

دے دو اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو۔ سوہانی! آج تک ہنڈوی نہیں آئی۔ میں حیران ہوں۔ وجہ حیرانی کی یہ کہ اس ہنڈوی کے بھروسے پر قرض وادوں سے وعدہ جون کے ادا کیل کیا تھا۔ آج جون کی پانچویں ہے؛ وہ آغاضا کرتے ہیں اور میں آج کل کر رہا ہوں۔ شرم کے مارے ابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا۔ جانتا ہوں کہ وہ سیکڑا پودا کرنے کی غرض میں ہیں گے۔ پھر وہ کیوں اتنا تکلف کریں۔ تیس روپیے کی کون سی ایسی بات ہے۔ اگر مصارف ہر روز سنگے میرے ہاں سے بھرا ہوئے تو کیا غضب ہوا؟ اُنہیں اور بیچیں سچوتن روپیے نکال ڈالیں اور باقی در سال کریں۔

لفظی خطوط کے جو میں نے بھیجے تھے، وہ بھی ابھی نہیں گئے۔ ایں ہمد یہ کیسی بات ہے کہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ابو صاحب کہاں ہیں؟ پیٹ پر ہیں یا بھرت پھائے ہیں؟ اجیر کرنے کی تو ظاہر کوئی وجہ نہیں ہے تا چار کڑتہ اختصار سے عاجز آکر آج تم کو لکھا ہے۔ تم اس کا جواب مجھ کو لکھو اور اپنی رائے لکھو کہ جو روزگ کی کیا ہے؟ زیادہ زیارہ۔

مقررہ پنجم جون ستمبر روز یکشنبہ

اسد اللہ

جواب طلب۔

(۱۸)

تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ غزل نے محنت کم لی۔ بھائی کا اترس سے آنا معلوم ہوا۔ آؤں تو میرا سلام کہہ دیتا۔

یہ تمہارا دعا گو اگرچہ اور امور میں پایہ عالی نہیں رکھتا مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے، یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو دوسو میں میری پیاس نہیں بجھتی، تمہاری بہت پر سوچاؤں۔ بے پردے مجھ کو اگر دو ہزار مانگو آجائے تو میرا





بھائی صاحب آگئے ہوں تو میرا سہم علی خاں کا خط اُن کو دے دو اور میرا  
سلام کہو اور پھر مجھ کو لکھو تاکہ میں اُن کو خط لکھوں : بابو صاحب بھرت پور آجائیں  
تو آپ کا ہل نہ کیجئے گا اور اُن کے پاس جائیے گا کہ وہ تمہارے جو اسے دیدار ہیں۔  
سرخسہ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

(۱۲۵)

بھائی!

میں نے ماما تھاری شاعری کو۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی دم تم کو فکر  
سخن سے فرحت نہ ہوگی۔ یہ جو تم نے التزام کیا ہے ترمیم کی صفت کا اور وہ لغت  
شعر کے ساتھ اس میں مزور نشست معنی بھی طعنا رکھا کرو۔ ہر جگہ لکھنا اس کو دوبارہ مبارک  
دیکھا کرو۔

میںوں صاحب یہ ذیل خط پوسٹ پیڈ بھیجا اور وہ بھی دلی سے سکندر آباد کو  
آیا ماما کے سوا اور میرے سوا کسی نے کیا ہوا؟ کیا ہنسی آتی ہے تھاری باتوں پر  
خدا تم کو جیتا رکھے اور جو کچھ تم جا بہ تم کو ملے۔

جانی جی کی بڑی فکر ہے۔ میں تم کو لکھا چاہتا تھا کہ اُن کا حال لکھو۔ تمہارے  
خط سے معلوم ہوا کہ تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔ یقیناً ہے کہ اجیر میں  
ہوں گے؛ مگر خط نہیں بھیجا ہانا کہ وہ وہاں مقیم نہیں ہیں۔ خدا جانتے کب چل  
نکلیں۔ یہ ہر حال تم بھرت پور سے قریب ہو اور اُن کے متوسلوں کو جلتے ہو!  
اگر ہو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگواؤ اور جو کچھ تم کو معلوم ہو وہ مجھ کو بھی لکھو۔  
منشی صاحب مع منشی عبداللطیف کول میں آگئے۔ کل اُن کا خط مجھ کو آیا تھا  
آج اُس کا جواب بھی روانہ کر دیا۔

اسد اللہ

یکشنبہ ۲۱ ماہ اگست ۱۹۳۷ء

(۲۱)

میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہنچا ہو گا۔ کل ایک رقعہ میرے پاس آیا۔ کوئی صاحب میں عطار اللہ خاں اور تاقی تخلص کرتے ہیں۔ خدا جلے کہاں ہیں اور کون ہیں۔ ایک دوست نے وہ رقعہ میرے پاس بھیجا۔ میں نے اُس کا جواب لکھ کر اسی دوست کے پاس بھیج دیا۔ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں، پڑھ کر حال معلوم کر دو گے۔ تمہارے شعر میں جو ترقہ تھا، اُس کا جواب میں نے یہ لکھا ہے، تم کو بھی معلوم رہے :

رفت آنچہ بہ منصور مستنیدی تو دمن ہم

اے دل، سخنے ہست نگہدار زباں را

ترقہ یہ کہ "آنچہ بہ منصور رفت" نہیں دیکھا۔ "آنچہ بہ منصور رفت" درست ہے۔ جواب: "اے موصدہ" علی کے معنی بھی دیتا ہے۔ پس "جو کچھ ہر سے مراد تھی" وہ "اے موصدہ سے حاصل ہو گئی" اور اگر "اے موصدہ کے معنی دوست کے ہیں تو بھی درست ہے۔ نظیر ہی کہتا ہے :

شادی کر غنیمت میکشی و دم نمی زنی

در شہر این سالار با ہر گدا مرد

اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں "سالار" ہے اور اُس شعر میں "سالار" کا لفظ نہیں جواب اس کا یہ ہے کہ سراسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیر ہی کے ہاں "سالار" مذکور ہے اور آفت کے ہاں مقدم ہے۔ "رفت" کا اصل اور لغت یہ "اے موصدہ کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔" درستہ۔

اسد اللہ

اکتوبر ۱۹۵۷ء

(۲۲)

”ویدست“ یہ خطایا بنایا ہے۔ مقصود قصدا میں نے تو سمجھ لیا، مگر زبان اور کوئی نہ سمجھے گا۔ ”المعنی فی فعلی الثانی“ کے یہی معنی ہیں۔

”چشمائی پر چٹا“ وہ چشمائی بے حیا۔ ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ اب سب اشار میں نہ عیب نہ لکھتے۔

دیکھو صاحب، غلام میں تم پھر وہی ”بیش و بیشتر“ کا قصہ لائے ہو۔  
”چہ خرم“ و ”چہ سب“ و ”چہ گنا“ پر جو سند لاتے ہو:

عشق است و صد سزا کرتا مرا چہ خرم

اس کی حاجت کہلے؟ ”جاناں مددے“ ”یاراں مددے“ یہ تمام غزل کرسی طریح کی ہے۔ اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ ہٹاتا۔  
دیکھو رفیع اسود کہتا ہے:

نہ منزل کو نہ دین کو نقبیاں مجھ سے

باصط و دشمنی لے گز مسلمان مجھ سے؟

غالب کہتا ہے:

مجھ تک کب تھی کی بزم میں آتا تھا دو چہا

ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یعنی ”اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں“ یہ جملہ سارا مقدر ہے۔ میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا، وہ جانے گا کہ جملے کے جملے مقدر چھوڑا جاتا ہوں، مگر:

ہر سخن و حق و ہر نکتہ مکانے دان

یہ فرق الہ وجدانی ہے، بیانی نہیں،

لگروں پہ فتنی برداشت بوس  
وگر غافل شعی، امنوس، امنوس !

از اسد اللہ

روزِ جمعہ ۳ جنوری ۱۹۵۷ء

(۲۳)

بندہ پرور !

ایک مہربانی چہرہ سکندر تبار سے اور ایک علی گڑھ سے پہنچا۔ یقین ہے کہ باجو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حافی نکھیں گے اور تم موافق اپنے وعدے کے قہر کو کھوس گے۔ اب جب اس خط کا جواب تمہارے پاس سے آئے گا، تب تمہارے اشارہ تم کو پہنچیں گے۔ اے اے میرے تفضل حسین خاں ! اے اے !

رفیق و مرا خیر نہ کر دی

بر کجی ہم نظر نہ کر دی

یہاں یہ سنا گیا ہے کہ میر احمد حسین، بڑا بیٹا لکی کا، لکی کے کام پر مقرر ہوا اور میر احمد حسین بہ دستور نائب رہے۔

اسد اللہ

۲۳ جنوری ۱۹۵۷ء

(۲۴)

منشی صاحب !

تمہارا خط اُس دن یمنی کل بُد کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں اور لرزہ ہے کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے، کھانا مطلق میں لے نہیں کھایا۔ آج ہمشیر پہنچاں دن ہے کہ نہ کھانا دن کو بیسر ہے اور نہ رات کو شراب جرات مزاج میں بہت ہے، ناچار احترام کرتا ہوں۔ سہائی ! اس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے، ہرگز بھوک نہیں لگی اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

بابر صاحب دلاک مناقب کا خط تھمارے نام کا دیکھا۔ اب اس ارسال میں دو آسانی نہ  
 رہی اور بندہ دشواری سے بھاگتا ہے؛ کیوں تکلیف کریں، اور اگر بہر حال ان کی  
 مرضی ہے تو خیر میں فرماں پذیر ہوں۔ اٹھارہ سالوں و حال میرے پاس امانت ہیں۔ بعد  
 اچھے ہونے کے، ان کو دیکھوں گا اور تم کو بھیج دوں گا۔ اتنی سطر یہ مجھ سے بہ ہزار خوشی  
 لکھی گئی ہیں۔

روز پنجشنبہ ۲ مارچ ۱۰۰۰ھ

اسد اللہ

(۲۵)

شفیق میرے اہل ہرگوپال تھے میرا قصور معاف کریں اور مجھ کو اپنا نیازمند تصور  
 فرماویں۔ آپ کا پارسل ادا آپ کا خط ساقی دعایت نامہ مال پہنچا۔ جواب نہ لکھنے  
 کی وجہ: ایک تو یہ کہ میں بیمار چار مہینے سے تہ لڑنے میں گرفتار۔ دم لینے کی  
 طاقت نہیں، خط لکھنا کیا۔ دوسرے اب فرست ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ کوئی تو معلوم، مگر مکان آپ کا نہیں معلوم، خط لکھوں تو کس  
 پتے سے لکھوں؟ ہاں، آپ نے سرنامے پر چار گرام "لکھا" میں یہ جیس لکھ سکتا؟ کس  
 واسطے کہ یہ "سہام کے کنویں" کی مٹی خراب کر کے اس کو تپاؤ گواہ لکھا ہے۔ اس واسطے کہ  
 ترجمہ فارسی میں کہ "یہ غلاب دستور خرم ہے۔ بعد اس شہر میں ایک محل آبادی ماروا کہ ہے؟  
 اب ہم اس کو گڑ بنگاں کہیں کر لکھیں؟ یا اسی کے محلے کو "کوثر ہندی" کس طرح لکھیں؟  
 بہر حال، پاپار تھاری خاطر سے الحق بنا قبول کیا اور یہی لفظ اصل لکھ کر خط بھیج دیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ بھائی! میرا دل اب شہر و سخن و ملازمت و ریاست و دنیا و اورنگ  
 و زینت کو تو اسلام سے سزا ہو گیا ہے، مگر تھاری خاطر، سو بہ خوب یاد ہے کہ جتنا دیر میں  
 تم ایک نئی فریل لکھ سکتے ہو، مجھ سے اتنے دیر میں آپ کی ایک فریل کو صلح نہیں دی  
 جاتی۔ جلدی نہ کرو اور میرے طبع پر رہنے دو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس قدر تھاری جگر از قسم

فریات ہیں۔ وہ سب دیکھ کر بھیج دیں گا۔ نصف دیوان سابق دیکھ چکا ہوں، نصف باقی ہے؛ مگر اب خدا کے واسطے، حبِ ناک و آپ کا کلام نہ پہنچے اور کلام نہ بھیجے، کہ میں گھبراہٹا ہوا ہوں۔

اسد اللہ خاں

جون سنہ ۱۲۸۰ھ

(۲۶)

میر اسلام پہنچے، خط اور کاغذ اشعار پہنچا۔ سابق دیوان ابھی سب یوں ہی دھرے رہیں گے، اگرچہ گری مٹ ہو گئی، مینہ برسنے لگے، ہولے سو چلنے لگی، مگر دل ہلکا ہے اور حواس ٹھکانے نہیں۔

بادشاہ کا قصیدہ سارا اور دلی عید کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہ رکھا تھا، اس کا خاتمہ بہ ہزار مشقت رمضان میں کہ لیا اور عید کو دو لونی پڑھ دیے۔  
بھائی منشی نبی بخش صاحب کو پرسوں یا تڑسوں بھیجوں گا، اُنکا سے لے کر تم بھی دیکھو۔  
میاں سال کو نکھ بھیجا ہے کہ منشی بر گوالا صاحب کو بھی دینا کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو منشی لے لیں، اس کے سوا اور جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا، وہ جواب طلب نہیں، اور یوں کہ ہے جو تم سمجھتے ہو۔

اسد اللہ

جون سنہ ۱۲۸۰ھ

(۲۷)

صاحب!

دیا ہے و تقریر کا لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جیسا تم کو دیوان کا لکھ لینا۔  
کیوں مدد سے غریب کرتے ہو اور کیوں چھوڑتے ہو؟ اور اگر یوں ہی چاہتا ہے تو ابھی کہے جاؤ، آگے چل کر دیکھ لینا۔ اب یہ دیوان چھپا کر اور تیسرے دیوان کی فکر میں پڑو گے، تم تو دو چار برس میں ایک دیوان کہ ہو گے، میں کہاں تک

دوسرا چہ نکھا کروں گا؟ مدعا یہ ہے کہ اس دیوان کو اس دیوان کے برابر سو لینے دو۔  
اب کچھ قصیدہ و رباعی کی ٹکڑ کیا کرو۔ وہ چار برس ہیں اس قسم سے جو کچھ فراہم ہو جائے  
دوسرے دیوان میں اس کو بھی درج کرو۔

صاحب! جہاں تطبیع میں الف تہ سہلے وہاں کیوں نکھو؟

اپریل ۱۸۸۷ء

اسد

(۲۸)

تھکرا خط پہنچا۔ مجھ کو بہت رنج ہوا، واقعی اُن چھوٹے لوگوں کا پانا بہت  
مستور ہو گا۔ دیکھو میں بھی تو اسی آفت میں گرفتار ہوں، صبر کرو اور صبر کرو گے  
تو کیا کرو گے۔ کچھ بن نہیں آتی۔ میں سہل میں ہوں، نہ سمجھا کہ چار ہوں، حفا محنت  
کے واسطے سہل لیا ہے۔ تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر عباتی سنتی بنی غنیمت صاحب  
کے پاس نفاذ تمہارے نام کا بھیج دیا ہے، جب تم آؤ گے، تب وہ تم کو دیں گے۔  
جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی، وہ ظاہر کر دی ہے اور باقی سب اشعار بہ دستور  
رہنے دیے ہیں۔ اب تم کو یہ چاہیے کہ کول بیچ کر مجھ کو خط لکھو۔ اس قلعے کی  
رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو۔ اس میں تساہل نہ کرو۔ بابو صاحب کے خط کا  
جواب اجیر کو روانہ کر دیا جائے گا، آپ کی خاطر جمع رہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں  
قبل ۱۸۸۷ء

اسد

(۲۹)

صاحب!

تم مانتے ہو کہ یہ سادہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا؟ وہ ایک جنم تھا کہ جس میں  
ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات بہر و محبت درپیش  
آئے۔ شمر کے دیوان جمع کیے۔ اسی زمانے میں ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے

تھارے دوست دل تھے اور منشی بھی بخش اُن کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ نام کا مذہب  
 زمانہ، مذہب انخاص، مذہب معاشرت، مذہب اعتقاد، مذہب انبساط۔ بعد چند مدت  
 کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہ مثل پہلے جنم کے ہے، یعنی  
 ایک خطا میں نے منشی بھی بخش صاحب کو بھیجا، اُس کا جواب مجھ کو آیا۔ اور  
 ایک خط تھا کہ تم بھی موسوم بہ منشی میر گوبال و متخلص بہ نقذ ہو، آج آیا اور یہی  
 جس شہر میں ہوں، اُس کا نام بھی دلی اور اُس محلے کا نام بھی ماروں کا محلہ ہے؛  
 لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا۔ دلی ڈھونڈنے  
 کو مسلمان، اس شہر میں نہیں ملتا، کیا امیر کیا غریب، کیا اہل حرفہ، اگر کچھ میں تو  
 باہر کے ہیں، ہندو البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

اب پوچھو کہ تو کیوں کر سکونِ قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ! میں حکیم محمد  
 حسن خاں مرحوم کے مکان میں نو دس برس سے کرلیے کو رہتا ہوں اور یہاں قریب  
 کیا بگ دیوار بہ دیوار ہیں گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں راجا زندر سنگھ پابھ والی پٹیار  
 کے۔ راجا نے صاحبانِ عالی شان سے عہدے لیا تھا کہ بروقت غارت دلی، یہ لوگ  
 چنگ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجا کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کچھ محض فارم وندہ میں  
 کہاں اور یہ شہر کہاں بہرہ مند ہاتا، امیر قریب سب نکل گئے۔ جوہ گئے تھے، وہ  
 نکالے گئے۔ جاگیر دار، پنشن دار، دولت مند، اہل حرفہ، کوئی بھی نہیں ہے، متصل حال  
 تھے ہوئے ڈرتا ہوں۔ سلطانِ ملکو پر شدت ہے اور باہر برس اور دھندلہ گرمی بہنکا  
 رہی، مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر پہنچے ہیں اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں  
 میں قریب شاہو دس دس برس سے تاریخ تھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا  
 ہوں، خواہی اُس کو نوکری سمجھ، خواہی منوہی جانو، اس نقذ و آشوب میں کی حکومت  
 میں نے دھل نہیں دیا۔ موتِ اشعار کی خدمت بجا آتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی



پڑا شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے؛ مگر چونکہ میری طرف بلو شاہی دفتر میں سے یا محضوں کے بیان سے کوئی بات پائی نہیں گئی، لہذا غلطی نہیں ہوئی۔ جہاں جہاں بڑے بڑے جاگیردار لگائے ہوئے یا کچڑے ہوئے آئے ہیں، میری کیا حقیقت تھی۔ غرض کہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں، دوا دے سے باہر نکل نہیں سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ مگر یہ کہ کوئی میرے پاس آوے اس شہر میں ہے کون جو کہے؟ گھر کے گھر بند چراغ بڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنی بندوبست یا زہم مٹی سے آج نکلا، یعنی ششہ خیم و سیر و مریہ تک بہ دستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر بحث کے آنے جاتے نہیں پاتا۔ تم زنجار یہاں کا ارادہ ذکر کرنا۔ ابھی دیکھا پاسیے، مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔ بہر حال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا۔ اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارے کو دیا۔

شنبہ ۵ دسمبر ۱۲۸۵ھ

اسد اللہ

(۲۰)

آج سینچر بار کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا اور تمہارا خط دیا۔ میں نے پڑھا اور جواب لکھا اور حکیمان کو دیا، وہ ڈاک کو لے گیا۔ خدا چاہے تو کئی پہنچ جائے۔

میں تم کو پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کہیں کرو اور یہاں آکر کیا کر گے؟ جنگ گھر میں سے خدا کو ہے، تمہارا رد یہی مل جائے۔  
بھائی! میرا حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا، کسی

بیزنس بہ نسبت میرے کوئی خبر نہ خواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت میرا ہوتا شہر میں جاتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں، روپوش نہیں ہوں، بلایا نہیں گیا، وارنٹر سے ٹھنڈا ہوں، کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر اس جیسا کہ بلایا نہیں گیا، خود بھی روئے کار نہیں آیا، کسی حاکم سے نہیں ملا، خط کسی کو نہیں لکھا، کسی سے دھڑکتا ملاقات نہیں کی۔ میٹھا سے چس نہیں پایا، کہو، نو دس چھپے کیوں کر گزرے ہوں گے۔ انجام کچھ نظر آتا نہیں کہ کیا ہوگا، زندہ ہوں مگر زندگی وہاں ہے ہر گونہ منگھ رہا ہوں آئے ہوئے زندہ ایک بار میرے پاس بھی آئے تھے۔ والہا۔

روز مشنبہ ۳۱ ام جنوری ۱۹۴۷ء  
وقت نیم روز

(۳۱)

از غرور دولت پر خوردار باشند۔

بعد کا دن، تیسری تاریخ فروری کی، ٹریڈ پیر دن باقی رہے ڈاک کا ہڑوا آیا اور خط مع رجسٹری لایا۔ خط کھولا۔ سو روپے کی ہندوی، نو، جو کچھ کہیے، وہ ملا۔ ایک آدمی دسید مہری لے کر نیل کے کڑے چلا گیا۔ سو روپے چھوٹا شاہی لے آیا، آئے ہلنے کی دیر ہوئی اور بس۔ چوبیس روپے دارو غدی معرفت آگئے تھے، وہ دسے گئے۔ پچاس روپے کل میں بھیج دیے۔ چوبیس روپے باقی رہا وہ بکسوں میں رکھ لیے۔ روپے کے رکھنے کے واسطے کیس کھولا تھا، سونا یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ سکھیاں سودا لینے بازار گیا ہوا ہے، اگر جلد آگیا تو آج دراصل یہ خط ڈاک میں بھیج دوں گا۔ خدائے کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ سبحان! میری آنکھ سے انجام اچھا نظر نہیں آتا، قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا۔

چار مشنبہ ۳ فروری ۱۹۴۷ء وقت دو پہر

غالب

تم نے لکھا تھا کہ میں مہلہ آگرے جاؤں گا، تمہارے اس خط کا جواب نہ لکھ سکا۔ جواب تو لکھ سکتا تھا، مگر کلیان کا پاگل سوچ گیا تھا، وہ چل نہیں سکتا تھا۔ مسلمان کوئی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا، ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔ بعد چند روز کے جو کھارا چھا ہوا تو میں تم کو آگرے میں سمجھ کر سکند آباد خط نہ بھیج سکا۔ مولوی قمر الدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل ان کا خط آیا، وہ لکھتے ہیں کہ مرزا آقے ابھی یہاں نہیں آئے اس واسطے آج یہ رقم تم کو بھیجتا ہوں۔

میرا حال بدستور ہے۔ دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے، حاکم اکبر نے آکر کوئی سزا بندوبست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنا سے قدیم میں ملزم مل نہیں سکتا، خط بھیج دیا ہے، ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم کھو کر اکبر آباد ک جاؤ گے۔ واللہ تعالیٰ۔

جمہور ہرچ شہرہ غالب

کل میں نے تم کو سکند آباد میں سمجھ کر خط بھیجا، شام کو تمہارا خط آیا، معلوم ہوا کہ تم اکبر آباد پہنچے، خیر، وہ خط پوسٹ پیڈ گیا ہے۔ شاید آٹا پھرتے، اگرچہ آئے تھے تو خیر۔ آج یہ خط تم کو اکبر آباد بھیجتا ہوں، پسینے پر جواب لکھنا۔

تقلیع راجی کی بہت خوب! مگر خیر ہر ایک بات کا ایک وقت ہے۔ ہم کو ہر طرح لطف صحبت اور لطف شعرا ملتا رہتا۔

بھائی منشی نجی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر ان کو دے دینا اور اس کا

مضمون معلوم کر لیا۔ جس ماکم کو میں نے خط اور قطعہ بھیجا ہے، اُس کے سرپرست و سرکاری صاحب ہی، من پھول اُن کا نام ہے، مجھ سے نا آشنائے محض ہیں۔ مگر لغات ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو ہمیشہ کیجے۔ کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تم ہی اور اوپر خط لکھ کر اُن کو بھیج دیتے کہ غائب ایک غیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب الرحم ہے! اُس کے حصولِ مطالب میں سعی سے دریغ نہ کرنا:

ہی تو ان آورد استغنا سفار شتائے

چرخ کجی رورا اگر دایم کنی از ان کسیت

باقی حوالہ ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں کچھ چکا ہوں۔ تم پڑھ

لو گے، دوبارہ لکھنا کیا ضرور۔

منشب ۶ مارچ ۱۳۵۵ھ

جواب طلب۔

(۳۴)

صاحب!

تمہاری سعادت مندی کو ہزار ہزار آفریں۔ تم کو یوں ہی چاہیے تھا لیکن میں نے تو ایک بات بطریقِ قنا لکھی تھی، "بیا کہ عربی میں" "لیت" اور فارسی میں "کاشکے" اب تم رد و استغنا عربی میری سر جان لارنس چین کشتر بہادر کو گوری، اُس پر دھمکا ہوئے کہ یہ عربی مع کو اندھ منہ سائی کے پاس بھیج دی جائے اور یہ لکھا جائے کہ سعادت صاحب کشتر دہلی کے پیش کردہ اب سرپرست و سرکار کو لازم تھا کہ میرے نام سوائق دستور کے خط لکھا۔ بیٹہ ہوا وہ عربی حکم پڑھی ہوئی میرے پاس آگئی۔ میں

نے خط صاحب کشرہ بنی چارلس سائڈزس کو لکھا اور وہ عرصی حکم چڑھا ہوا اس میں ملفون کر کے بھیج دی۔ صاحب کشرہ نے صاحب ٹکڑے کے پاس یہ حکم چڑھا لکھی کہ سائی کے پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب ٹکڑے کے ہاں آیا ہے۔ ابھی صاحب ٹکڑے نے تعمیل اس حکم کی نہیں کی۔ یہ سوں تو ان کے ہاں یہ رد بکری نکلا ہے۔ دیکھیے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بیٹھتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے جو اس کو دیکھیں گے۔

ہر حال، یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا۔ اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے۔ اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے، یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا۔ مولوی قمر الدین خاں کا کوئی نہ جانا اور ماہ سے پھر آنا، معلوم ہوا، حتیٰ کہ ان کو زمرہ اور تہذیب دست رکھے۔ میرا سلام کہنا اور یہ خط پڑھا دینا۔ مہمانی منشی نبی بخش صاحب کو سلام اور ان کے بچوں کو داکہنا اور یہ خط منقولہ منقولہ پڑھا دینا اور کہنا، مہمانی بدایت تو اچھی ہے، نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط و ضبط جو ہم نہیں کر سکتے، ساتھ ساتھ اب کہاں اردو کا ٹکڑا ایسی جہانے تو ضمیمہ ہے۔

محمد نری ٹکڑے اور گھڑی آگرہ اور اجنبی و گھڑی و دیوانی و نو جہادی و گھڑی دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرصی پر ہوا ہے، شکل اس حکم پر خطا میرے نام آیا ہے، حاکم نے اب بھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو۔ خط نہ لکھا، سوچ وہ عرصی حکم چڑھا ہوا ہے، بھیج دی خیر:

ہرچہ از دوست می رسد، نیکوست

سنو مرزا آقہ: اب میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں، وہ تم میرے مہمان کو اور مولوی قمر الدین خاں کو لکھا دیا کرو۔ تمیں میں جگہ ایک بات کو کہیں لکھوں؟

صاحب :

کیوں مجھے یاد کیا؟ کیوں خط لکھنے کی تکلیف اٹھائی؟ پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو بہتار کئے کہ تمہارے خط میں مولوی قمر الدین خاں کا سلام بھی آیا اور بھائی غنشی نیا بخش کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوئی۔ وہ تو پیش کے فکر میں تھے، غافل ہیں صاحب دیکھا ہوگا کہ نوکری کی خواہش کی۔ حق تعالیٰ ان کی جو مروت پر دوسے ان کو میرا سلام کہہ دینا بلکہ دفتر پر صواب دینا مولوی قمر الدین خاں صاحب کو بھی سلام کہتا۔

تم اپنے کلام کے بیچنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو؟ چار جزو ہیں تو میں جزو ہیں تو بے تکلف بھیج دو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا، صرف سخن فہم رہ گیا ہوں، بڑے پہلو ان کی طرح پیچ جانے کی گوی ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھا، شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اٹھا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ میں نے کیوں کر کہا تھا۔ دفتر منظر وہ اجزا جلد بھیج دو۔

بکشتہ ۲ ہر نیا مشاعرہ

غالب

مرزا تقی :

عجب اتفاق ہوا، چٹخنے کے چند عین بدلی کو عیان خط ڈاک میں ڈال کر آکر اُس کے صاحب پادریل کا ہرکارہ آیا اور تمہارا بھیجا ہوا پاگل لایا۔ دسپہ قصفی میں نے رائد بھی اور اُس کا دیکھا شروع کیا۔ بے کار محض ہو رہا ہوں، پانچ ہرکارہ میری جڑی دل لگی ہو گئی۔ خوب دیکھا۔ پنج تو ہیں ہے کہ ان اشعار میں۔ تمہارے بہت حفا اٹھا یا۔ جتنے رہا، تمہارا دم نصیحت ہے۔

بھائی کا حال معصن لکھو، پنشن کے ملاپ ہیں یا نوکری کے؟ منشی مرزا تقی

کہاں ہے اور کس طرح ہے؟ علاقہ بنا ہوا ہے یا جاتا رہا؟ صاحب احسن گفتار کا ٹھکرہ بالکل الہ آباد کو گھیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے؟ منشی نظام خٹک صاحب کہاں ہیں؟ نوکر ہیں یا مستحق؟ صداقت دیوانی کا ٹھکرہ ہیں سبے کا یا الہ آباد بلئے گا؟ اس کا اور گورنری کے ٹھکرے کا ساتھ ہے، چاہے یہ بھی دڑ رہا ہو۔

آج تمہارے اشارہ کا غز پمفلٹ پاکٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے، یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پا پنے چاروں میں پہنچ جائے۔

یکشنبہ ۲۵ اپریل ۱۹۵۷ء

(۳۷)

صاحب:

بچپن میں ہی کو ایک خط اور ایک پارسل ڈاک میں درساں کر چکا ہوں، آج تمیں ہے، یقین ہے کہ خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہوں گے۔

ایک امر مزوری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اس وقت روانہ کرنا ہوں، ایک میرا دوست اور تمہارا بھندو ہے، اُس نے اپنے حقیقی بچپن کو بٹا کر لیا تھا، اٹھارہ انیس برس کی عمر، قوم کا کھتری، خوب صورت، وسیع دماغ، نوجوان، مستعد میں چار بڑے گرم گیارہ اب اُس کا باپ مجھ سے آمد کو تلبے کر رہا ایک تاریخ اُس کے مرنے کی ٹھکوں ایسی کہ وہ فقط تاریخ نہ ہو بلکہ مرنے ہو کر وہ اُس کو پڑھ پڑھ کر دیا کرے۔ سو بھائی، اُس سائی کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شرف نزدیک۔ معذرا یہ واقعہ تمہارے حسب حال ہے، جو مرنے والے شہر تہہ کھولے وہ مجھ سے کہاں نکلیں گے؟ بہ طریق مشورہ میں تمیں شہر لکھنؤ، مسعود آخر میں ملنے تاریخ ڈال دو۔ نام اُس کا برج موہن تھا اور اُس کو بابو بابو کہتے

تھے۔ چنانچہ میں بحرِ ہند میں ایک شہرِ تم کو دکھاتا ہوں؛ چاہے اس کو  
 آکاہ میں رہنے دو اور آئندہ (اسی بحر میں اور اشعار لکھ لو؛ چاہے کوئی اور طرح  
 نکالو، لیکن یہ خیال میں ہے کہ سائل کو مستوفی کے نام کا درس ہونا منظور ہے اور  
 ”بابِ برجِ موسیٰ“ سوائے اس بحر کے یا بحرِ دل کے اور بحر میں نہیں آسکتا۔  
 وہ شعر یہ ہے:

برم چوں نامِ بابِ برجِ موسیٰ  
 بچکد خوبی دلِ ریشِ اربابِ امن

تلاشتہ روزِ حمد سی ام اپریل ۱۳۵۵ء

غالب

(۳۸)

سہیلی!

وہ خط پہلا تم کو نہ بھیج چکا تھا کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا، توقعِ زیست  
 کی نہ رہی۔ تو بچ اور پھر کیا شدید کہ پانچ پہر مرثیہ نیم بسمل کی طرح تر پائی آخر  
 عصارہِ ریند اور ارٹھی کا تیل پیا۔ اُس وقت تو بچ گیا مگر قصہ قطع نہ ہوا مگر  
 کہا ہوں میری غذا تم جانتے ہو کہ تندستی میں کیا ہے۔ دس دن میں دوبار لگی  
 آدھی غذا کھائی۔ گویا دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ غلاب اور اعلیٰ کا پٹا  
 اور آلو بخارے کا انشورہ، اس پر مدارِ رب۔ کل سے خوب مرگ گیا ہے اور  
 صورتِ زیست کی نظر آئی ہے۔ آج صبح کو بعد دعا پینے کے تم کو یہ خط لکھا  
 ہے۔ یقین تو ہے کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔

صاحب! وہ جو میں نے بائیس شعر مرثیے کے لکھ کر تم کو بھیجے، اُنس سے  
 مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتمِ زندہ کو دے دو۔ کس واسطے کہ



تصاریفِ خضر سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی اور بھی فلکِ زرد ہے اور جو تم لکھتے ہو کہ کچھ اوپر اتنی شعر میں سے ایک شعر بھی تو لے نہ لیا، اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب دست و گریباں تھے، ایک کو ایک سے ربط، ایک یا دو شعر اس میں سے کیوں کر لیے جاتے، اشد سب میرؔ پسند ہے ستم ہے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو کہ حرفِ بالہ برجِ موسیٰ کی زخم اور اس کا دوسرا مصرع میں بھول گیا ہوں، مگر قافیہ میں "من" ہے، یہ شعر غالب کو برا معلوم ہوا ہو گا۔ واللہ باللہ! جب تک کہ تم اتنے نہیں لکھا، میرے خیال میں بھی یہ بات نہ تھی۔ بہر حال بات وہی ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔

اے اب کیے بھائی منشی نبی بخش صاحب اور مولوی قمر الدین خاں صاحب دونوں کے متوالے، پوشش میں آئے یا نہیں آئے؟ آج اس سوال کی ہے بے شک عید کا بھی زمانہ گزر گیا۔ خدا کے واسطے، اُن کی خیر و مانیت لکھو اور عبارتِ بھائی صاحب کی نظر فور سے گراؤ، بے شک وہ مجھ کو خط لکھیں۔  
محرمہ و مریلا و دوشنبہ ۲۲ مئی ۱۳۵۷ء  
غالب

(۲۴)

کیوں صاحب!

مجھ سے کیوں خفا ہو؟ آج مہینا بھر ہو گیا ہو گا یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ الفاظِ کروہ کن کا کثیر صاحب تو می تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاد دل میں ایک مشیو جی رام برہن اور بال مکند اس کا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ بگاہ آتے ہیں۔ اس سے غزیر کر لکھو اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوات آتے

رہتے تھے۔ لیکن دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں ؟ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کے خط آنے کی توقع ؛ اُس میں وہ دونوں صاحب نگاہ نگاہ ملے ایک تم کہ ہر مہینے میں ایک دو بار ہسپتالی کرتے ہیں۔

سفو صاحب ! اپنے پر لازم کرو ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا۔ اگر کچھ کام آئے تو دو خط تین خط ؛ درمذ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیج دی۔

بھائی صاحب کا بھی خط دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا، اُس کا جواب بھیج دیا گیا۔ مولوی قمر الدین خاں یقین ہے کہ اگر آباد گئے ہوں، کس واسطے کہ مجھ کو مئی میں لکھا تھا کہ ادائل جون میں جاؤں گا۔

ہر حال، اگر آپ آئندہ نہیں، تو جس دن میرا خط پہنچے، اُس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھیے، اپنی خیر و عافیت، صحتی صاحب کی خیر و عافیت، مولوی صاحب کا احوال۔ اس سے سوا، گویا اسکے فتنے و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ الفاظ حاسب وقت میں ضرور لکھیں۔ راجا جو وہاں آیا ہوا ہے، اُس کی حقیقت وصول پور کارنگ، صاحبان مالی شان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح پر ہے ؟ اگر سہ کا حال کیا ہے ؟ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں ؟

لکھا سید مشتاق احمد جون مئی ۱۹۰۱ء

غائب

(۱۰۴)

بیچتے رہو اور خوش رہو !

اسے وقت تو خوشیوں کے وقت، خوشی کر دی

زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پیراز سے دیا تھا۔ اگر یہ جھگڑا  
الطباع وروان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں۔ جنگ لگے گا روپیہ صرف کاغذ  
کا پیسہ ہے۔ خداتم کو سلامت رکھے، مقدمات سے ہو۔ رجب علی بیگ سرحد نے  
جو قضاہ بمحاسبہ لکھا ہے؛ آغازاً مستان کا شعراب مجھ کو بہت مرہ دیتا ہے:

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ

یاد رکھنا، فساد ہیں ہم لوگ

مصرع ثانی کتنا گرم ہے، اور یاد رکھنا "فلان" کے واسطے کتنا مناسب۔  
منشی عبد العظیم کے لکھ میں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھ کو پہنچا ہے۔  
اور تہنیت میں بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو ان سے ملو تو میرا سلام کہ کر،  
اُس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی منشی جب کانپور سے معاودت  
فرمائیں، مجھ کو اطلاع دینا۔ میرا حال بدستور:

یہاں پہنچو، یہاں بستر، یہاں درد

مشہد ۲۶ جون ۱۲۷۵ھ روزہ وردنامہ

(۴۱)

مرزا آفتخ کو دعا پہنچنے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا؛ آگے میں ہو  
یا نہیں، مرزا اقام علی صاحب کا شفقت نامہ آیا، یہاں سے اُس کا جواب بھیجا  
گیا، وہاں سے اُس کا جواب آگیا۔ میر محرم حسین صاحب کا خط پرسوں آیا، وہ  
چار دن میں اُس کا جواب لکھوں گا۔ میرا حال بدستور ہے:

نہ نویر کامیابی نہ نصیب نا اُمید کی

بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے اور وہ میرے خط کے جواب

میں ہے۔ دو ایک دن کے بعد جب بھی باتیں کرنے کو چاہے گا، تب اُن کو خط لکھوں گا۔ تم اگر ملو تو اُن سے کہہ دینا کہ بھائی میرا اسم علی خاں کے شہر نے مجھ کو بڑا مزہ دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن پہلے تھے جو میں نے ایک دلاتی چھڑ اور ایک مثالی روال ڈھائی گز اداں کو دیا تھا اور وہ اُس وقت روپیہ لے کر آیا تھا۔ میں روپیہ لے کر اور خط پڑھ کر خوب ہنساکر خط اچھے وقت آیا۔

۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء

غالب

(۴۲)

میرزا قاسم!

کل قریب دو پہر کے ڈاک کا ہرکارہ، وہ جو خط باٹا کرتا ہے، آیا اور اُس نے پارسل موم جلے میں پٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا کہ پاکٹ غلوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے، جب اُس کی تحریر دیکھی، تو تھوڑے لمحوں کا پینٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگے ہوئے، مگر اُس کے آگے کافی ہرکارہ کچھ انگریزی لکھا ہوا۔ ہرکارے نے کہا کہ ایک روپیہ دس آنے دلو ایسے۔ دلو ایسے اور پارسل لے دیا۔ مگر حیران کہہ کیا بیچ پڑا؟ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک لکھ گیا، اُس کو غلوں کے بجائے میں ڈال دیا۔ ڈاک کے کار پرانوں نے غور نہ کی اور اُس کو بیڑنگ غلوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔

وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں، یعنی منشی بھگوان پرشاد مسل خواں میرا سلام قبول کریں۔

۲۰ جولائی ۱۸۵۷ء

غالب

(۴۴)

رکھیں غلاب مجھے اس تلخ لڑائی میں معاف  
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور !

تم کو پہلے یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میرٹھ میں حسین صاحب  
کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا  
حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ مرزا عاتق علی صاحب مہتر کی جناب میں میرا سلام کہنا  
اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا :

شرط اسلام بود و رہش ایماں بالغیب  
لئے تو غائب نہ نظر مہر تو ایماں منست

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اُس کے دو دن یا تین دن کے بعد  
دوسرا خط پہنچا۔

سودا سب ! میں شخص کو جس شکل کا ذوق تھا اور وہ اُس میں بے تکلف  
عمل کرے، اس کا نام پیش ہے۔ تمہاری توجہ مغرب طرٹ شعرو سخن کے،  
تمہاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل ہے۔ اور بھائی ! یہ جو تمہاری سخن  
گسٹری ہے، اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے۔ میرا حال اس فن میں  
اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی رکش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا ؛  
مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرعہ یاد  
گیا ہے ؛ سو گوارا گوارا جب دل اُلٹے نکلتا ہے، تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان  
پر آ جاتا ہے :

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزرتی تھی  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر سب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں :  
اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنا بے رونق اور تنہا ہی کے غم میں مرتا ہوں ؛ جو دیکھ لے  
کو ہے اُس کا بیان تو معلوم ، مگر اُس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں ؛ انگریز کی قوم  
میں سے ، جو ان روسیاد کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ، اُس میں کوئی میرا امید  
علا تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد  
ہندوستان میں کچھ عزیز کچھ دوست ، کچھ شاگرد ، کچھ معشوق ؛ سو وہ سب  
کے سب خاک میں مل گئے ۔ ایک عزیز کا نام تھا صحت چنچل جو اتنے عزیزوں کا  
ماتم دار ہوا ، اُس کو زلیت کیوں کرنے کو خواہاں ہو ۔ اے ! اتنے یار مرے کہ جواب  
میں مروں گا ، تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔  
وَاللّٰهُمَّ وَاِنَّا اَتِیْعًا جَوْنًا۔

جون ۱۵ جولائی ۱۸۵۵ء

(۱۴۴)

مرزا قاسم !

تمہارے اوراقِ مشنوی کا پینٹل پاکٹ پر سون پندرہ اگست کو اوپر لکھا  
یہاں ماتم علی صاحب کی غرض شاید آغاز اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اُس سفر  
کی رسید نہیں پائی اور نہیں معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدم کے مقبول طے  
ہوئی یا نہیں۔ نہیں معلوم بھائی نبی بخش صاحب کہاں ہیں اور کس طرف ہیں  
اور کس خیال میں ہیں ؛ نہیں معلوم مولوی قمر الدین خاں الہ آباد سے آگئے یا نہیں  
اگر نہیں آئے تو وہ وہاں کیوں متوقف ہیں ؛ میری منشی قدیم وہاں پہنچ گئے ؛  
لہذا کام کر لے گئے ؛ یہ کیا کر رہے ہیں ۔

آپ کو بتا کر دکھاتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ ملے اور جملہ لکھے۔ اس خط کے پہنچنے تک اغلب ہے کہ پارسل پہنچ جائے، اس کے پہنچنے کی بھی اطلاع دیئے گا۔

اب ایک امر سنو: میں نے آغازِ یازدہم مئی ۱۹۵۷ء سے سی ویکم جولائی ۱۹۵۷ء تک روم اور شہر اور اپنی سرگشت یعنی پندرہ مہینے کو حالِ نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ سوائیز کی عبادت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے۔ وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں، اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے۔ وہ عربی، انگریزی، ہندی جو ہیں وہ لکھ دیے ہیں۔ مثلاً تمھارا نام منشی ہرگوپال؛ منشی "لفظ عربی ہے" نہیں لکھا گیا؛ اس کی بجائے شیعہ ازبان لکھ دیا ہے۔ یہی میرا خط جیسا اس رقعے میں ہے، یعنی "چھوڑنا گنگان" اور "بے مسل" براس طرح کہ کسی صفے میں میں مسطر اور کسی میں بائیں بلکہ کسی میں انیس مسطر بھی آئے۔ چالیس صفے یعنی میں درج ہیں۔ اگر انیس مسطر کے مسطر کوئی گنگان لکھے تو شاید دوجز میں آجائے۔ یہاں کوئی مطلع نہیں ہے۔ سننا ہوں کہ ایک ہے، اس میں کوئی نگار خوش نویس نہیں ہے۔ اگر آگے میں اس کا چھاپا ہو سکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہی دستی اور بے نواہی میں پیچیں کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں، لیکن صاحبِ مطلع اتنے ہ کیوں ملے گا؛ اور البتہ چاہیے کہ اگر ہزار نہ ہوں تو پانچ سو ملے تو چھاپائی جائے۔ یقین ہے کہ پانچ سو سات سو ملے چھاپنے کی صورت میں تین آئے چار آئے قیمت پڑے۔ کوئی تو ایک ہی ہوگی؛ رہا کاغذ وہ بھی بہت خفٹے گا۔ لکھائی "منش" کا تو آپ کو معلوم ہوگئی۔ حاشیے پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے۔ بہ ہر حال، اگر ممکن ہو تو اس کا ٹکڑہ کر دو اور حساب معلوم کر کے مجھ کو لکھو۔ اگر منشی قمر الدین خاں آگئے ہوں تو ان کو

بھی شریکِ مصلحت کریں۔ ان تینوں باتوں کا جواب اردو پرائی کی جیسا کہ اس مطلب خاص کا جواب، یہ سب ایک خط میں پاؤں، ضرور ضرور ضرور۔

دھاکشتہ ورداں داشتہ سر شمشہ ہندیم آگست مشہور

جواب طلب۔ واسطے تاکید کے بیزنگ بھیجا گیا۔

غلاب

(۳۵)

صاحب!

عجب اتفاق ہے، آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط، جاگیر کے محلوں کی تنہیت میں اپنے شفیق کو ڈاک میں بھیج چکا تھا کہ دوپہر کو رضی الدین نیشا پور کا کلام ایک شخص درجہ ہوا لایا۔ میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں، مول نہیں لیتا۔ تمہارا جب میں نے اُس کو کھولا، اُسی ورق میں یہ شعر نکلا:

اگر بگنچ گھرِ سلیم اوفتاد، چہ پاک

کعبِ جوادِ سرا از برائے آں دارم

چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ نامہ گاہ تمہارا خط آیا، مجھ کو لکھنا ضرور ہوا۔ آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں، ایک تو صبح کو پوسٹ ہوا، اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیزنگ اُس شعر کو اب چاہو مہنے دو۔

ہے ہے دتم بھائی سے ملے تقیاتی اللغات کھولائی، "جواد" کا لغت دیکھا، سنگمیر اور ذکر کیا کہ وہ تمہارا جو یا ہے حال ہے، دوستوں! اس کے جھاپے کا ذکر کیا، البتہ اگر تم ذکر کرتے، تو وہ دونوں باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کو دیتے۔ چوں کہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا، اس سے معلوم ہوا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ اگر انہوں نے کچھ نہیں کہا تو اُن کا ستم



ابھرا اگر اُن کا کہا ہوا تم نے نہیں نکھا تو تمہارا کرم۔ یہ ہر حال، خوب مصروفِ حالۃ  
کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے !

یارِ باب ! مباد کس را مفردوم ہے عنایت

خواہی تم، خواہی منشی نجی، بخش سزا اللہ تعالیٰ ۔ یہ یاد رہے یہ مصروف اگر مجھ پر بندہ  
سے باز ہو گئے تو بھی نہیں بندھے گا۔

اگر تو سنتو گور سرِ سرِ غود سے دیکھو گئے تو اپنا ہم پاؤ گئے اور یہ بھی جانے لگے  
وہ تھوڑا تمہاری اس تقریر سے سو برس پہلے کا ہے ۔

آخر بروزِ دو شنبہ ۲۳ اگست ۱۹۵۷ء

(۴۶)

نہ نظر و لغت جگر مرزِ افتاد !

تم کو معلوم ہے کہ رائے صاحب مکرم و معظّم رائے امید سنگھ بہادر یہ  
رفتہ تم کو بھیجیں گے۔ تم اس رتنے کو دیکھتے ہی اُن کے پاس حاضر ہونا خود جب تک  
وہاں رہیں، تب تک حاضر ہو کرنا اور دستِ بند کے باب میں جو اُن کا حکم ہو، کیا کرنا۔  
اُن کو پڑھا بھی دینا اور نئی جلد کا حساب کھانا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت  
کریں گے، وہ لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے، دس جلدیں رائے صاحب کے  
پاس امانت بھیج دینا اور چالیس جلدیں بد موجب اُن کے حکم کے، میرے پاس واپس  
کرنا۔ اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرائش کے باب میں تم کو لکھا ہے، اُس  
کا حال مجھ کو مزور لکھنا۔

ہاں صاحب، ایک رہائی میرے ہوسے رہ گئی ہے ؛ اُس رہائی کو بھیجا  
ہونے سے پہلے حاشیے پر لکھ دینا، جہاں یہ فقرہ ہے : ”نے نے آخرِ بخت

خسرو در بلندی بھائے رسید کہ رخ اوز خاکیاں نہفت؟  
 جاییکہ ستارہ شونخ چمنی ورنہ  
 اسرار خداداد و گریز اوزن ارنہ  
 خورشید ز اندیشہ ہا در گردش  
 بر چرخ نہ بینی کہ چہاں می لرزد  
 چنگ عاشقہ معنی لذات سے بھرا ہوا ہے تو تم اس نعرے کے آگے نشان  
 بنا کر لوہر کے طشے پر رہائی لکھ دینا اور عاشقہ یہیں پر جہاں اور معنی لکھے  
 ہوئے ہیں وہاں رہائی کے لذات کے معنی ضمنی قلم سے لکھ دینا: "اسرار" "افزار"  
 "گرز" "ہر و نقو" "باد و گردش" ہا  
 نگار مستدام اگست ۱۹۵۷ء

غالب

(۴۷)

سہاگ!

تمہارا وہ خط، جس میں اوراقی مثنوی ملفوف تھے، پہنچا۔ اوراقی مثنوی  
 اوراقی "دستبنو" کے ساتھ پہنچیں گے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب مجداً جدا  
 لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا۔

صاحب! تمہارے مرزا ماسقم علی صاحب سے کیوں کہا؟ بات اتنی تھی کہ مجھ  
 کو کچھ بھیجے کہ نثر آئی اور مرزا صاحب نے پسند کیا۔ اب ان سے میرا سلام کہو  
 اور یہ کہو کہ آپ کے شکر بجاؤں نے کا شکر بجاؤں ہوں۔

تمہارے آپ کے باب میں جو آپ نے لکھا، وہ معلوم ہوا۔ اس تقریر کو جب  
 دیکھ گئے، تب ہانکے۔ اہتمام اور محبت اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے

کہ اس میں سے ایک جلد خواب گداز جزلی بہادری نذر مجھوں گا اور ایک جلد  
بندہ بے لک کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کروں گا۔ اب کچھ لا طرز  
تقریر کیا ہوگی اور صاحبانِ مطبع کو اس کا انطباع کیوں نامطوع ہوگا۔

جیتے رہو، اس نعمِ زندگی میں مجھ کو ہنسایا۔ وہ کون ملا تھا جس نے تم کو بڑھایا۔

گرچہ عملِ کار، خرد مند نیست

ملاکار! اہلکار۔ یہ شعر شیخ سدی کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے :

جز بخرد مند مغرما عمل

یعنی خدمت و اعمالِ سوائے طرا اور عقل کے، اور کے تو یقیناً ذکر پھر خود کہتا ہے :

گرچہ عملِ کار، خرد مند نیست

یعنی اگرچہ نصیحت و احتیاطِ سلطانی کا قبول کرنا خرد مندوں کا کام نہیں اور عقل سے

بعید ہے کہ آدمی اپنے کو خطر میں ڈالے۔ ”عمل“ الگ ہے اور ”کار“ معائن ہے بہین

”خرد مند“ کے ؛ ورنہ دوبارہ خدا کی ”عمل کار“ ”اہل کار“ کے معنی پر نہیں آتا مگر عقل

اور واقفیت یا اور چہد باب کے ٹکٹیوں کی غارتی۔

اگست ۱۹۵۵ء

(۲۸)

صاحب !

عجب حماسہ شاعر ہے۔ تمہارے کچے سے مٹتی شیونِ زانی صاحب کو

خط لکھا تھا سوال توں کا خط آیا اور انھوں نے دستِ بوی کی رسید بھیجی۔ ٹوک کا ہر کارہ تو

تو کے پاس لے نہ گیا ہوگا، آخر انھیں نے سمجھا ہوگا۔ یہ کیا کہ تم نے مجھ کو اس کی

رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا۔

اگر وہ ان کو کیا جانے کہ تم نے اسے اُمیدِ سنگھ کی ملاقات پہنچنے پر خط لکھا

لکھنا منسوخ رکھا ہے تو وہ بھی ہو چکی ہوگی۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے کہ گویا تم الگ ہو گئے ہو۔ کتاب مطبع میں حوالے کر دی، اب اُس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں۔ پس اگر یوں ہے تو میں اس الطباع سے درگزر، بیکریوں، کتاب و مقاصد وہ جائیں گے اور پھر اس وحشت کی وجہ کیا؟ اگر کہا جائے کہ وحشت نہیں ہے تو اُس کتاب اور مشنری کی رسید نہ لکھنے کی وجہ کیا؟ بے تکلف قیام چاہتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو، خدا کے واسطے، غفلت کی وجہ لکھو۔ صبح کو میں نے یہ خط روانہ کیا ہے، جلد کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ، اگر شام تک تمھارا خط آیا تو خیر، ورنہ تمھاری رہنمائی کا بالکل یقین ہو جائے گا اور یہ سبب وجہ معلوم ہونے کے، جی گہرا ہے گا۔ میں تو اپنے نزدیک کوئی سبب ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے، خط جلد لکھو، اگر خفا ہو تو غفلت کا سبب لکھو۔

جانا ہوں کہ تم رے اسید سنگھ سے بھی نہ ملے ہو گے۔ میاؤ آباد! میں اُن سے شرمندہ رہا کہ میں نے کہا تھا کہ اُن، مرزا قاضی کو مستبد تم کو اچھی طرح پرہیزا دیں گے۔

اگرچہ ایسے حال میں کہ مجھ کو تم پر الگ ہونے اور پہونچا کرنے کا گمان گزرا ہے، کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہیے مگر ضرورت کو کیا کروں، ناچار لکھتا ہوں۔ صاحب مطبع نے خط کے لکھنے پر تمھارا ہے، مرزا دوست، صاحب فاکٹ، بلفورڈ کر، یہ کتاب ہے جوڑ جلد ہے۔ خدا ہوں کہ کہیں مسخراول کتاب پر بھی نہ لکھ دیں، یا "فارسی کا دیوان یا اردو یا پہنچ آجنگ" یا "ہر خبر" چھاپے گی، یہ کوئی کتاب کسی شہر میں نہیں پہنچی جو وہ میرا نام لکھ دیتے؟ تم نے بھی اُن کو میرا نام نہیں بتایا۔ صرف اپنی لذت عرف سے، وجہ اس داغ کی نہیں ہے۔ مگر سبب یہ ہے کہ مئی کے حکام کو تو عرف معلوم ہے۔ مگر نکلنے سے وایت تک، یعنی

دروا کے چلنے میں ہرزہ لگا، مالہ کے حضور میں کوئی اس بخلی عرف کو نہیں جانتا۔  
پس اگر صاحبِ مطبع نے ”مرزا نوشہ صاحب غائب“ لکھ دیا تو میں غارت ہو گیا  
کھوایا، میری عزت رائیگاں گئی، گویا کتاب کسی اور کی ہو گئی۔ لکھتا ہوں اور پھر  
سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں۔  
بہ کا دل ستمبر کی پہلی تاریخ ۱۳۵۵ھ

(۴۹)

لکھنا لکھنا تمھارا خط آیا اور خطِ سوداوند نے آرام پایا۔ تم میرا خط ابھی طرح پڑھا  
خیر کرتے، میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت ”دوجز میں آجائے“ میں نے یہ لکھا  
تھا کہ عبارت اس قدر ہے کہ دوجز میں آجائے لیکن میں جانتا ہوں کہ تم دوبارہ جوہر چلنا  
اس نمونے کی قطع اور عاصیہ بطور ہے۔ لغات کے معنی حاشیے پر چڑھیں، اس  
کی روشنی و آئینہ اور نسیم نظر فریب ہو۔ رابعی حاشیے پر لکھ دی، اچھا کیا۔ سہائی  
منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے، جس محل پر کہ ان کو بتائے ہیں  
منور لکھو دینا۔ میں نے جو تم کو ”مرزائی“ کا خطاب دیا ہے، ان فقرہ میں اس  
کا اظہار کیا ہے۔

بہت عزیز کی یہ امر ہے اور میں منشی شیخ زائن صاحب کو آج صبح کو لکھ چکا  
ہوں، تیسرے صفحے کے آخر یا چوتھے صفحے کے قول یہ جملہ ہے: ”لکھو دم دگر“  
نبیب را شیخ ہم زندہ“ ”نبیب کی جگہ“ ”فوائے بنا دینا“ ”بہ فوائے مباشرت ہم زندہ“  
”نبیب“ لفظ عربی ہے اگر وہ جانے گا تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے، تیر جا  
کی ترک سے ”نبیب“ کا لفظ چھپا جانے اور اسی جگہ ”فوائے“ لکھ دیا جائے۔

راے اسید سنگھ نے مجھ پر عزایت اور مطیع کی اعانت کی، حق تعالیٰ اُن کو  
 اس کار سازی اور فیکر نواری کا اجر دے۔ صاحب! کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے  
 آپڑا ہے اور پھر کام کیا کہ جس میں میری جان اُلجھی ہوئی ہے اور میں نے اُس کے  
 اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے پہلو تہی نہ  
 کرو اور بدل تو یہ فراڈ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ نبھائی کا ہو گیا ہے۔ چھ جلدوں کی  
 آرا مٹائی کا ذمہ پر خوردار عبداللطیف کا کرو۔ میری طرف سے دعا کہ وہ کہو اور کہو کہ میں  
 تمہارا پڑھنا اور مٹنا چھا ہوں۔ تصحیح نبھائی کریں، تزئین تم کرو۔ کہا ہوں، مگر  
 نہیں جانتا کہ تزئین کیوں کر کیا جاسیے۔ سُنا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حروف  
 پر سیاہی کی تم پھیر دیتے ہیں تاکہ حرف روشن ہو جائیں۔ سیاہی تم سے بدل بھی  
 بدھ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی بڑے تکلف بن سکتی ہے۔ جینے کی دستکاری اور جانی  
 اور ہوشیاری اُن کی ہیرے کس دن کام آئے گی؟

مرزا آقا! تم بڑے بے درد ہو، دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ اگر  
 تم اُس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نیچے بند تو میر نہیں، صحافت اور تھامس کہاں!  
 شہر آباد ہوتا تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا؟ یہیں سب دوستی میری آنکھوں  
 کے سامنے ہو جاتی۔ قصہ مختصر، عبارت منشی عبداللطیف کو پڑھا دو۔ میں تو ان  
 کے باپ کو اپنا حقیقی نبھائی جانتا ہوں؛ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چھا جائیں اور  
 میرا کام کریں تو کیا عجب ہے۔ دو روپیہ فی جلد، اس سے زیادہ کا مقدور نہیں۔  
 جب مجھ کو لکھو گے، ہندوئی بھیج دوں گا۔ چھ روپیے، آٹھ روپیے، دس روپیے  
 حد درجہ روپیے۔ میاں کو سمجھا دینا، کئی گاہ طرف نہ غریب، پیرا چھاپے، نہایت  
 بارہ میں چھ جلدیں تیار ہوں۔

منشی مشیر زمان کو سمجھا دینا کہ زہار عورت نہ لکھیں، نام اور تخلص ایس۔

اجزائے خطابی کا لکھنا نامناسب، بلکہ سحر ہے۔ مگر ہاں، نام کے بعد لفظ ”بہادر“ کا اور ”بہادر“ کے لفظ کے بعد تخلص ”اسد اللہ خاں بہادر“ غالب۔

بھائی! تم نے اور اپنی مشنوی کی رسید نہ لکھی کہیں وہ پارسل میں سے گر تو نہ گئے ہوں؟ دیکھو، کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اردو کے چھاپے کی ممانعت ضرور ہے مگر میں اس کی ممانعت کیا بناؤں؟ صاحبِ مطبع اس امر کو، اردو میں، آخر کتاب لکھ دیں۔ منشی جی سے نشر لکھو، منشی عبداللطیف کو یہ خط پڑھاؤ، ”نبی“ کی جگہ ”نواسے“ بناؤ، صاحبِ مطبع کو میرا نام بناؤ، خانے پر ممانعت کا حکم صاحبِ مطبع سے لکھو، اور ضرور عبداللطیف سے مقدار روپیہ لی دریافت کر کے لکھ کو لکھ بھیجو، اپنی مشنوی کی رسید لکھو، اپنے بہ جان و دلی معروف ہونے کا اقرار کرو، میں سب امر کی مجھے خبر ہو۔

جمہور ستمبر ۱۳۲۷ء بمقام نیروز غالب

(۵۰)

مرزاقت کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتائے ہیں اعلیٰ ہے پر لکھ دیے ہوں گے۔ ”نبی“ کے لفظ کو چھیل کر ”نواسے“ بنا لیا ہوگا۔ بر خمداد منشی عبداللطیف کو میرا خط اپنے نام لکھا دیا ہوگا، ان کی سادات مندی سے یقین ہے کہ میری التماس قبول کریں اور اوھر منوج ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہو گیا ہوگا، اگر پتھر بڑا ہے تو چاہیے آٹھ آٹھ صفے بلکہ بارہ بارہ صفے چھاپے جائیں اور کتاب جلد مطبع ہو جائے۔ بھائی! منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں، مجھ پر ہریان اور حسن کلام کے قصیدے ہیں، اس کی تصحیح میں بے پردائی کریں گے تو کیا میری تصحیح کے ردا دار ہوں گے؟ بھائی! تم نے بھی لکھا اور منشی شبیر رائے

ماسب نے بھی لکھا؛ میں ایک عبارت لکھتا ہوں، اگر پسند آئے تو خاتمہ عبارت میں چھاپ دو، ”نامزد نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے کہ یہ جو میری سرگذشت کی داستان ہے، اس کو میں نے مطبع معینہ خلائق میں چھپوایا ہے۔ اور میری داسے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے کہ اور صاحبان مطالب جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں، اپنے مطبع میں اس کے چھاپنے پر جرأت نہ کریں۔ اس کے سوا اگر کوئی طرح کی تحریر منظور ہو تو منشی سفیہ نرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں۔ یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب دو امر ضروری الاظہار تھے، اس واسطے یہ خط لکھا ہے؛ ایک تو اردو عبارت دوسرے یہ کہ میرے شفیع مکرّم سید مکرّم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اور انھوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے، اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں۔ تم کو چاہیے کہ ان سے کہ دو، بلکہ یہ عبارت ان کو دکھا دو؛

بندہ پرورد، ثواب عطا اللہ حال میرے بڑے دوست اور شفیع ہیں۔ ان کے فرزند رشید میر غلام عباس القاطب بہ سیف الدولہ، یہ دونوں صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوں پر کوئی گلاں ہے، وہاں رہتے ہیں شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور ان کے مکالمات قرق ہیں؛ ضبط ہو گئے ہیں، نہ دلگذاشت کا حکم ہے۔

۲۰ ستمبر ۱۸۸۱ء

(۱۵)

مشفق میرے، کرم فرما میرے!

تھرا خط بعد تین دو دو تھے چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے



کے واسطے بھیجے گئے ہیں۔ ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحے پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں اور دوسرے صفحے پر لوح سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ (اس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔ غرض کہ قطعیں اور شمارِ سطور اور کاپی کا حسنِ خط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسندِ صحتِ الفاظ کا کیا کہنا ہے! واللہ! بے مبالغہ کہتا ہوں؛ اگر چھائی منشی نبی بخش صاحب بہ دل متوجہ ہوں تو اگر امیہ یا اصل نسخے میں سہو کا تب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دیں گے۔ تم میری طرف سے اُن کو سلام کہنا، بلکہ خط دکھا دینا۔ خدا کرے! انجام تک یہی قلم اور یہی خط اور یہی طرزِ تصحیح چلی جائے۔ جلدوں بھی مطبوعہ ہے۔ پہلے صفحے کی صورت اور دوسرے صفحے کی لوح بھی خدا چاہے تو دل پسند اور نظر فریب ہوگی۔

کاغذ کے باب میں یہ عرض ہے کہ فرنیچ کاغذ اچھا ہے۔ چھ جلدیں ہوندر حکام ہیں، وہ اس کاغذ پر ہوں اور باقی چار ہوشیورام پور کی پر اور چار ہوشیے کاغذ پر چھاپو اور یہ بات کہ وہ جلدیں جو دلایت ہالے والی ہیں، وہ اس کاغذ پر چھاپی جائیں اور باقی ہوشیورام پور کی پر یا ہوشیے کاغذ پر۔ یہ تکلف محض ہے۔ یہاں کے مالکوں نے کیا کیا ہے کہ اُن کی نذر کی کتاب میں اچھے کاغذ پر نہ ہوں، اگر جو ایسا ہی صرف اور خرچ نہ اندہ پڑتا ہو تو خیر، وہ جلدیں اس کاغذ پر اور چار جلدیں ہوشیورام پور کی پر ہوں؛ باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے۔ ہاں صاحب! اگر ہو سکے تو سہی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور خوشنود ہو اور آخر تک رنگ نہ بدلے۔ آگے اس سے میں نے بر غور دار منشی عبداللطیف کو لکھا تھا کہ ان چھ کتابوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی فکر کریں۔ معلوم نہیں، تم نے وہ پیام اُن کو پہنچایا یا نہیں۔ آپ اور منشی عبداللطیف اور مرزا حاتم علی صاحب ہتر

یہ ہم صلاح کریں اور کوئی بات خیال میں آوے تو بہتر ”وہ ان سچے نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ ”دو دو روپے کی فاکٹ کی بنوادینا اور اس کا روپیہ تیار کی سے پہلے مجھ سے منگوالینا:

”آں کہ حمد را در یکم ، نوید بشود یہ آورو اگر در دم و غیر ، نہیب  
مباشش بہم زندہ بخ:

اس میں نہیب کا لفظ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے۔ اس کو تیز جا کو سے پھیل کر ”بہ نوے“ لکھ دینا۔ یعنی ”بہ نوے“ مباشرش بہم زندہ ضرور۔ اس کا منتظر نہ کیجیو کہ جب یہاں چھاپا آئے گا تو بناویں گے۔ یہ اصل کتاب میں غلط ہے نہ چھاپے میں غلط ہوا اگر اجازت اصل میرا میر علی صاحب کوئی نہیں کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی منشی یا مجلس صاحب کو یہ رقم دکھا کر سمجھا دینا اور بنادینا۔

روز سہشنبہ ہفتم ستمبر ۱۳۱۵ھ  
از غائب

(۵۲)

اچھا میرا بھائی! ”نہیب“ دوائے دو دوست چار سو ہوں، پانسو ہوں، سب بر لوٹاؤں۔ کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوالینا۔ اس لفظ کے رہ جانے میں ساری کتاب ٹکنی ہو جائے گی اور میرے کمال کو دو تہا لگ جائے گا۔ یہ لفظ عربی ہے ہر چند سوسے میں بنا دیا تھا لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا۔

مجھے ہو کر مرزا صاحب دو جلدیں درست کریں گے ”یہ تو صورت اور ہے“ یعنی میں نے سچے جلدیں بنادیں ”دو دو روپے کی فاکٹ میں بہ کار سازی و ہنر پر واکٹر“ ہر جلد میں عبدالحقیت چاروں تھیں۔ منتظر تھا کہ اب ان کا قبول کرنا نہ کہ کھو گئے

اور وہ ہے مجھ سے مشکوٰۃ کے۔ علامہ عبداللطیف نے پہلو تہی کیا۔ مرزا صاحب اگر کسی ہنسے تھے، تو چھ جملوں پر بولتے ذکر دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ وہ بہت پر تکلف اور چارہ نسبت اُس کے کچھ کم۔ اگر یوں ہے، تو یہ تو بدعات ولی میرا ہے گڑھا ضرور ہے۔

راے امید سنگھ کے نام کا خط بہ اختیار بنے دو۔ جب وہ آئیں، اُن کو دے دو۔ یہ جو تم لکھتے ہو کہ ”نسب“ کا لفظ نکھ دیا گیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا۔ کیا عجیب ہے کہ کتابیں جلد مطبع ہو جائیں۔

ہمارے منشی شعیب زائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں۔

مرزا آفتاب خان: اِن دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں ”آفتاب خان“ کے خریدار ہوئے ہیں اور میں نے ہر سوجب ان کے کچھ کے برابر دینی سولہ اجڑ کو لکھا ہے۔ حضرت نے لادیم جواب میں نہیں لکھا۔ تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۱۳۱۰ء سے خریدار ہیں۔ آج سولہ ستمبر کی ہے، دولہا مبارک کے ”حکیم صاحب“ کے نام کا سرنامہ خان چند کے گھر سے کا پتا نکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں۔ محسن حکیم احسن اللہ خاں کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہِ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے۔ جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے، اُس دن سے سرت اخبار شاہی کا صفحہ نقل کر کے ارسال کریں۔ کتاب کی اجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیج دی جائے گی۔ بھائی قاتم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب دے اور تجھ کو اطلاع دو۔ ”نسب“ کے ”نسب“ سے مراد ہونا اُس کی دوستی کی خبر سمجھو۔ اِنی جو چھاپے کے حالات ہوں، اُس کی آگاہی ضرور ہے۔

بھائی!

مجھ میں تم میں نامرتکاری کا ہے کوہے 'مکالمہ ہے۔ آج صبح کو ایک خط بھیج چکا ہوں، اب اس وقت تمہارا خط اور آیا۔

مولو صاحب! فقط مبارک 'میم'، 'ما' 'میم' والے اس کے ہر حرف پر میری جان ٹٹا رہے، مگر چونکہ یہاں سے دلائل تک حکام کے ہاں سے یہ فقط 'یعنی' 'محمد' 'مولانا' خاں نہیں نکھاجاتا، میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔ رہا 'مرزا' 'مولانا' وہ 'غائب' اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے، جو چاہو، سو لکھو۔

بھائی کو سلام کہنا، اُن کے خط کا جواب صبح کو روانہ کر چکا ہوں۔

مرزا آفتہ، اب تم تین جہلہ۔ اسے کتاب کے باب میں بڑا درد زاوۃ سعادت مند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا ہر کو اختیار ہے، جو چاہیں سو کریں۔

خط تمام کر کے خیال میں آیا کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے، تم پر بھی عا ہر کروں۔ صاحب! وہاں ایک اظہار موسوم بہ 'آفتاب عالم' نکلا ہے، اُس کے بہتم نے التزام کیلئے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہِ دہلی کے حالات کا مختار ہے۔ نہیں معلوم، آغاز کیسے سمجھنے سے ہے۔ سو حکیم حسن اللہ خاں یہ چاہتے ہیں کہ سابق کے جو اوراق ہیں، جب سے ہوں، وہ جو پھیلنے پھلنے میں سو فہرستہ رہتے ہیں، اُن کی نقل کسی کتاب سے لکھو اگر یہاں بھیج جائے۔ (حیرت جو لکھن آئے گی، وہ بھیج جائے گی۔ اور ابتداء ستمبر ۱۸۵۵ء سے اُن کا نام خریداری میں لکھا جائے۔ وہ جتنے کے وہ لبرل کو آیا، اُنہی میں بھیج دیے جائیں۔ اور پھر ہر پینے، ہفتہ در ہفتہ اُن کو فائدہ اُخذ کا پتہ پکڑے۔

یہ صاحب جناب مرزا، انتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں اور اب تک آثارِ قضا کا ظاہر نہیں ہوئے۔ نہ لغاتِ حکیم صاحب پاس پہنچے۔ نہ اُن صفحات کی نقل ہوئے۔

ہاں آئی۔ آپ کو اس میں کسی ضرورت ہے۔ اور ہاں صاحب آفتاب علقاب کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے مگر آپ مجھ کو لکھیں کہ سفید غلافی کا مطبع کہاں ہے؟ عجب ہے کہ ابن صاحب شفیقاً نے میری تحریکات کا جواب نہیں لکھا۔ فرمایش حکیم احسن اللہ خاں صاحب کا بہت اہم ہے۔ مندرجہ مقامات میرا سلام کہہ کر اس کا جواب بلکہ وہ اخبار ان سے بھجوائے۔

جمدہ، ستمبر ۱۳۰۵ھ

(۱۵۴)

عاج

بھائی!

آج صبح کو بہ سبب حکیم صاحب کے قلعے کے شکوہ آئینہ خط جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ کہیاں خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ ایک خط تمہارا اسی ایک خط مرزا صاحب کا لایا۔ اب کیا کروں اخیر چپ ہو رہا۔ شکوہ محبت بڑھائے گا۔ مرزا صاحب کی عنایت کا شکر بھالانا ہوں۔ یقین ہے کہ جلد ہی میرے خاطر خواہ بن جائیں گی؛ کس واسطے کہ جو آج کے خط میں اٹھنوں نے لکھا ہے، وہ بعینہ میرا لکھنا ہی ہے۔ خدا ان کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا۔ ان کے خط کا جواب کل پر سوں بھجوں گا۔

راے امید سنگھ بہادر خواجہ بانی دودھ مار میں سے ہیں۔ بغیر کا سلام نیاز ان کو کہہ دینا۔ خدا کرے، ان کے سامنے کتا میں چپ چگیں۔ ہارے، جب وہ گولیاں کو قشر لینے جائیں تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔

”ہیب“ کے ”نوائے“ بن جانے سے خاطر جمع ہو گئی۔ بھائی! میں غازی کا محقق ہوں؛ کاتب ان اجزاء، جن کے نکتے کو پائی لکھی جاتی ہے، غازی کا عالم

۴۔

علم اس کا فیاض الدین رام پوری اور حکیم محمد حسین دکنی سے زیادہ ہے۔ قلعہ

سے غریب یہ ہے کہ کوئی سراسر موافق اُن اوراق کے ہوا نہ یہ کہ فرہنگوں میں  
 دیکھا جائے۔ آگے اس سے تم کو بھی اور بھائی کو بھی لکھ چکا ہوں۔ اب  
 صرف اُس تحریر کا اشارہ لکھنا منظور تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب  
 کا خط پہنچا، اور تمہا کہ حکیم صاحب کو بھی لغات و اخبار پہنچ جاتا، مگر اس وقت  
 تک نہیں پہنچا اور یہ دو پہر کا وقت ہے۔ خیر، پہنچ جائے گا۔ میں نے تمہارا خط  
 اُن کے پاس بھیج دیا تھا، انہوں نے تمہاری رائے منظور کی۔ اب تم وہ اخبار  
 جس طرح کہ تم نے لکھا ہے، اُن کے پاس بھیج دو۔ اور صاحبِ مطبع قیصر اخبار  
 کی خدمت کا تب اُن کو لکھ دیجئے۔ اپنے نام اور مکں سے اُن کو اطلاع دے دے۔  
 اُن کو اپنے طور پر روپیہ بھیج دیں گے۔ ہم تم واسطہ شناسائی ہم دگر ہو گئے۔  
 ہاں، اگر ایمانادہ پیسے کے بھیجنے میں دیر ہوگی، تو میں کہہ کر سمجھا دوں گا، یہ اللہ  
 میرا زمرہ ہے۔

سرخسہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۸ء

(۵۵)

صاحب!

فقید کے چھاپے جانے کی بشارت صاحبِ مطبع نے بھی مجھ کو دی  
 ہے، خدا اُن کو سلامت رکھے۔ کل مرزا صاحب کے خط میں اُن کو ایک مصرع  
 کسی استاد کا لکھ چکا ہوں۔ میں سراسر اُن کا مثنوی احسان ہوں۔ میرا سلام  
 کہنا اور لغات و اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا۔ میرے نام کا کوئی لغات منالے  
 نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بھجوا پڑا۔ ظاہر انہوں نے پوسٹ پیسٹ  
 بھیجا ہوگا، پھر پوسٹ پیسٹ بھی کیوں تلف ہوا؟

”مشیتہ“ بمعنی ”مدائے اسپ“ لغت فارسی ہے، یہ شیعین منکوروں کے

معروف دہلے ہوز مفتوح دہلے اتنی زندہ اور عربی میں اُس کو صیقل کہتے ہیں۔ ”صیقل کوئی لغت نہیں ہے، نہ عربی نہ فارسی۔ اگر غنیمت کے کلام میں صیقل لکھا ہے تو کاتب کی غلطی ہے غنیمت کو کیا گناہ؟

”در خود زندہ کے ہندو صحاح ہے شمار لغت“ اصل معرکوں سے میں نے سہو سے خدا جانے کیوں کر لکھ دیا ہے بھائی! مہر خواں کے دو معنی ہیں: ایک تو ”خطاب“ کہ جو سلاطین امر کو دیتے ہیں اور دوسرے وہ نام جو لوگوں کو پیار سے رکھیں، یعنی ”عزت“ حاشیے پر شرق سے لکھا دو۔ مگر تم نے دیکھا ہوگا کہ اس عبارت سے ”جو تمہارے ذکر میں ہے“ پہلے ”مہر خواں“ کے معنی حاشیے پر چڑھ گئے ہیں، مگر لکھنے کی حاجت کیا ہے اور اگر لکھ بھی دو تو قیامت کیا ہے۔ بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں؟ حال لوریان کی تحریر کا مضمون ہوا صاحبان کو نسل کی رائے ولایت آگرہ، یعنی میرے ٹھکے میں منظور و مقبول۔ نام میرا جس طرح چاہو لکھ دو!

بنام آں کہ او نامے ندارد

بہر نامیکہ خوانی سر بر آرد

شفیق باحقین مولانا جہر، ڈرنڈ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو خط لکھ چکا ہوں، آج راکل پہنچ جائے گا۔ رات سے ایک بات اور خیال میں آئی ہے مگر چونکہ حکم و کار فرمائی ہے، کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، ڈرتے ڈرنے میں کرتا ہوں، بات یہ ہے کہ دو جلدیں طحانی لوح کی ولایت کے واسطے تیار ہوں گی اور وہ چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہوں گی، اُن کی صورت یہی نظمیری ہے کہ سیاہ، قلم کی لوح اور انگریزی جلد۔ کیوں بھائی صاحب! قرارہ اور قرارہ تجویز یہی ہے، اور پھر کبھی پہلے سے کہ یہ چار جلدیں کس کس کی نذر ہیں!

نوب گورنر جنرل بہادر چیمپ گشنر بہادر صاحب گشنر بہادر دہلی، ڈپٹی گشنر بہادر دہلی۔ یہ کیا میری بد مصیبت ہے کہ جناب اؤٹسٹن صاحب کی نذر نہ بھجوں آخر گورنمنٹ کی نذر انھیں کی معرفت بھجوں گا۔ نہ صاحب، ایک جلد اُن کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ تمنا لیش نکال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں، ایک اور بھی ایسی ہی بنوائیں۔ یقین ہے کہ آپ (امام) کو پسند فرمائیں گے اور چار کی جگہ پانچ بنوائیں گے۔ یہ عرض مقبول اور یہ گستاخی کہ بار بار آزار دیتا ہوں، معاف ہو۔

بھائی مرزا الفت اکمل کے مرزا صاحب کے خط میں سے اُس مادہ تاریخ کا قلم لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں، ایک قلم مرزا صاحب کا، ایک قلم تمھارا، مگر ایک قلم مولانا حقیر سے بھی لکھواؤ۔  
صبح پنجشنبہ ہی ام ستمبر ۱۲۸۵ھ

(۵۶)

کہیں صاحب!

اس کا کیا سبب ہے کہ بہت دن سے ہماری آپ کی ملاقات نہیں ہوئی؟  
مرزا صاحب ہی آئے، نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایک بار منشی شیدائیں صاحب نے کرم کیا تھا اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرما باقی رہا ہے۔ اس راہ سے میں یہ تصور کر رہا ہوں کہ اگر ایک فرما نثر کا باقی تھا تو اب قسیدہ چھاپا جاتا ہوگا اور اگر فرما قسیدے کا تھا تو اب جلد ہی ثانی مشروع ہوگئی ہوں گی۔

تم مجھے؟ میں تمھارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا



حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو، تمھارا اور اُن کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر کیا وہ مکالمہ ہے جو باہم ہوا کرتا ہے! پھر تم کہہ رہا کہ کیوں موقوف ہے اور اب کیا دیر ہے! اور وہاں کیا ہو رہا ہے! بھائی صاحب کو کوئی کی تسخیر سے فراغت ہو گئی؟ مرزا صاحب نے جلدیں صفحات کو دے دیں؟ میں اب اُن کتابوں کا آء کب تک تصور کروں؟ دوسرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہو گی! کہیں دوائی کی تعطیل تک فوت نہ پہنچ جائے۔

ہاں صاحب، تم نے کبھی کچھ حال قمر الدین خاں صاحب کا نہ لکھا۔ آگے اس سے تم نے اگست، ستمبر میں اُن کا آگرے کا آنا لکھا، پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے؟ وہاں تو منشی غلام فوٹ خاں صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں، پھر، اُس دفتر میں کیا کر رہے ہیں؟ کہیں کسی اور کام پر مبعوث ہو گئے ہیں؟ اس کا حال جلد لکھو۔ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا کہ منشی غلام فوٹ خاں صاحب کو ایک کانٹا جاگیر میں ملے، مولوی قمر الدین خاں صاحب اُس کے بدولت کو آیا چاہتے ہیں، اُس کا ظہور کیوں نہ ہوا؟ ان سب باتوں کا جواب جلد دیجیے۔ جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کیجیے اور یہ پیام کیجیے کہ کتاب کا ٹکس کانوں سے سنا، دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا، مگر آنکھوں کو رشک ہے کانوں پر ہرکان چٹک زنی کر رہے ہیں آنکھوں پر، یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملے گا؟

بھائی صاحب کو بجا سلام کیجیے چاکر حضرت اپنے مطلب کی توجہ کو بھٹکی نہیں ہے، آپ کی تحفہ تصدیق چاہتا ہوں، یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو تمام ہو جائے۔

جناب منشی مشیر ذراں صاحب کی غایتوں کا شکوہ میری زبانی ادا کیجیے گا

اور یہ کہیں تاکہ آپ کا خط پہنچا چوں کہ میرے خط کا جواب تھا اور مہذا کوئی امر جا۔  
طلب نہ تھا؛ اس واسطے اُس کا جواب نہیں لکھا۔ زیادہ زیادہ۔

نوشتر ورواں و امشتہ صبح شنبہ ۱۶ اکتوبر ۱۲۷۵ھ  
راقم غائب  
(۵۷)

الحمد للہ! ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ہم اہل جوڑا  
آیا، معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندر آباد آگئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا  
ہے۔ دیکھئے اب یہاں کب تک رہو اور آگے کب جاؤ پر سوں پر خورد و شویو زان  
کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے کہ کتا ہوں کی شیرازہ بند کا ہمارا ہے، اب قریب ہے کہ  
بھی جائیں۔ مرزا جہر بھی ایک ہفتہ بتاتے ہیں۔ دیکھئے کس دن کتا ہیں آجائیں، خدا  
کے سب کام دلخواہ بنا جو۔

ہاں صاحب، منشی بالکنڈے جبر کے ایک خط کا جواب ہم پر قرض ہے میں  
کیا کروں؟ اُس خط میں انہوں نے اپنا سیو سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا؛ پس  
میں نے خط کا جواب کہاں بھیجنا ہے، اگر تم سے ملیں، تو میرا سلام کہ دینا، اور طبع  
اگر وہ سے کتابوں کا مال تو تم خود دریافت کر ہی لو گے، میرے کہے اور لکھنے کی کیا  
 حاجت۔

چاند شنبہ سوم نومبر ۱۲۷۵ھ

(۵۸)

کہیں صاحب!

کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے ولی کے خاک نشینوں  
کو خط نہ لکھیں؟ بھلا اگر یہ حکم سہا جتا، تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زندہ کوئی خط  
سکندر آباد کو یہاں کی ٹاک میں نہ جاوے یہ ہر حال کا مس بشنود و الشود میں گنگوے کی کلمہ۔

کل چنے کے دن وہ تاریخ نومبر کو اتالیقیں جلدیں بھیجی ہوئی بر خوداد شیونرائن کی پہنچیں۔ کاغذ، خط، قلم، سیاہی، چھاپا، سب خوب دل خوش ہوا اور شیونرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو مرزا قاسم علی صاحب کی تحویل میں ہیں وہ بھی یقین ہے کہ آج کل پہنچ جائیں۔ معلوم نہیں، منشی شیونرائن نے اندر کو واسطے رسے امید نگاہ کئے، کس طرح بھیجی ہیں یا ابھی نہیں بھیجیں۔

صاحب! تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے قصہ کا حال لکھو مگر آج کب تک رہو گے، آگے کب جاؤ گے؟  
شعبہ سوم نومبر ۱۳۵۷ھ  
جواب طلب۔

(۵۹)

آج پنجشنبہ کے دن اٹھارہ نومبر کو تمہارا خط آیا اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں۔ کیا تمنا ہے کہ تمہارا خط پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ کہ تم نے اصلاحی فریل کی رسید نہیں لکھی۔ میں نے کتب کو پہنچاؤں تم کو لکھا تھا، اس کا تم نے ذکر نہ لکھا۔ صاحب اتالیقیں کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں۔ سات کتابیں مرزا قاسم کی بھیجی ہوئی موافق ان کی قوری کے آج شام تک اور مطابق منشی شیونرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائیں گی۔ اور یہی منشی شیونرائن نے اندر کی کتابوں کی روانگی کی اطلاع دی ہے۔

منشی بنی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت غم رکھتے ہیں، شاید میں تم کو کچھ بھی چکا ہوں۔ میرا قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہوا۔

یہ میرے بڑے دوست ہیں۔ وہی ان دنوں میں آئے تھے، مجھ سے مل گئے ہیں؛  
 ان کو ایک کتاب منورہ بھیج دینا۔

بھائی! میں ہرگز نہیں جانتا کہ میرا شاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ  
 جو کہیں کے منصف ہوں۔ کچھ ان کے خاندان کا حال اور ان کے والد کا نام لکھو  
 تو میں غور کروں، ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں۔

پنجشنبہ ۱۰ نومبر ۱۳۵۷ء وقت دہلی

(۶۰)

برخوردار!

تمہارا خط پہنچا، اسلامی غزلیں کی رسید معلوم ہوئی، قطع اب اچھا ہو گیا۔  
 وہ کل جسے کے دن میں فیبر کو سات کتابوں کا پارس بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔  
 زبان نہیں جو تعریف کروں۔ شاہانہ آدیش ہے، آفتاب کی سی تابش ہے۔ مجھے  
 یہ لکھ کر کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔ اچھا میرے بھائی! اس کا  
 مال جو تم کو معلوم ہو، مجھ کو لکھ بھیجو۔

نقات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشنسی نہیں ہے، لوگوں کی سی منہ  
 نہ کہ اور اگر تمہاری اسی میں خوشنسی ہے تو صاحب! مجھ سے نہ پوچھو، تم کو اختیار  
 ہے، یہ امر میرے خلاف داسے ہے۔

میرا شاہ کی اولاد اپنی ناشناسانی آگے تم کو لکھ چکا ہوں اب تمہارے  
 اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔ کچھ ان کے  
 خاندان کا نام و نشان دریافت ہوا تو مجھ کو بھی لکھ بھیجو تاکہ میں جانوں کہ کس  
 گروہ میں سے ہیں۔

میاں، وہ راستہ دودھ بگردن راوی نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے۔ واسطے خدا کے، جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو مضروب لکھو اور تاج مہنچ کے پہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔ حکم عفو تو قیر عام ہو گیا ہے۔ لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آگستو حرب وہ یکا دے کر توفیق آزادی پاتے ہیں یہ وہ شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے۔

محرمہ صبح مشنبہ ۲۰ ذیہرہ ۱۲۸۰

(۶۱)

مرزا آفتاب

تمہارا خط آیا۔ فقیر کو حقیر کا حال معلوم ہوا، خدا افضل کرے۔ اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے کہ میں اُن کو خطا دیکھتے ہو کہ مرزا آفتاب کے دو چار روپے نامہ صرف ہو گئے تو کیا اندیشہ ہے؟ حال یہ ہے کہ میں نے اُن سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتابوں کی درستی میں وہاں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں۔ محمول کی ایک رقم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مسافرت؟ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے، البتہ اُن کے دو تین روپے اکٹھے گئے ہوں گے۔

لاہور کا یہ حادثہ اور مخلص اپنے کو تمہارا شاگرد جانتے ہیں مگر رینٹ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے کہ یہاں آئے اور بالکل بے صبر کی غلطی اسلحہ کو لئے، وہ دیکھ کر اُن کو حوالے کر دیں۔

بہری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدد سول کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے صاحب ہیں، امن کے دنوں میں ایک ملاقات میری تھی

کی ہوئی تھی۔ میں نے اب ایک کتاب سادہ بے جلد اُن کو بھیجی تھی۔ کل اُن کا خط  
 مجھ کو اُس کتاب کی رسید میں آیا، بہت تعریف لکھتے تھے اور وہاں بھی ایک  
 تمنا اور ہے، وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ یہ دستنویس پہلے اس سے کہ تم بھیجو، مطبع مزید  
 غلافی نے ہمارے پاس بھیجی ہے اور ہم اُس کو دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے  
 تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا۔ اُن کے اس لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع  
 میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور لگی ہوگی۔ کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے  
 سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ میں چیت کشنریا صاحب کو یہ کتاب بھیج  
 چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرتوں کی نذر یہ پارسل  
 افسانہ، شکاری آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھوں، چیت کشنریا لکھتے ہیں اور  
 گورنر کیا فرماتے ہیں :

تا نہال دوستی کے بردہ  
 حالیا رفتم و تھے کاشیتم

شعبہ ۲۴ نومبر ۱۳۱۷ھ

(۶۲)

صاحب !

تمہارا خط آیا، میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔ ابراہیم  
 کے حال پر اُس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ  
 اللہ ایک وہ ہیں کہ وہ بار اُن کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ  
 ایک اوپر پچاس برس سے جو بھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا  
 ہی لٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اُس کو سمجھاؤ کہ میرے بہنوں کو میں

پال لوں گا، تو کیوں جا میں پھنسا ہے؟  
 وہ جو مصرع تم نے لکھا ہے، وہ حکیم سنال کا ہے اور وہ نقل حدیثیں  
 مرقوم ہے :

پہرے اپد بزاری گفت  
 کہ مرزا یار شوبہ ہر وہ جنت  
 عنت بابا ! ناکن وزن نے  
 چند از خلق گیر و ازمن نے  
 وزن، گر تجیروت سے  
 بہد، کہ گرفت چوں تو ہے  
 زن کن، ہرگز نہ رہا بخت  
 در تو بجز ایش، چہا بخت

بس تو اب تم سکندر آباد میں رہے، کہیں اور کیوں جاؤ گے؟ جنگ گھڑا  
 روپیہ اٹھا چکے ہو، اب کہاں سے کھاؤ گے؟ میاں! نہ میرے سجدے کو ذلی  
 ہے، نہ تمہارے بچنے کی جگہ ہے۔ ایک چرخی ہے کہ وہ چلا جاتا ہے، جو ہوتا  
 ہے وہ ہوتا جاتا ہے۔ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے کہنے کی بات ہو تو کچھ کہ  
 جائے۔ مرزا عبدالغادر تبدیل خوب کہتا ہے :

رفت جاہ چہ و لغزت اسباب کلام  
 زیں ہو سہا بجز یا مگر، می گزرو

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید، نہ رنجور ہوں نہ تندہست، نہ خوش  
 ہوں نہ ناخوش، نہ مردہ ہوں نہ زندہ، بیچے جاتا ہوں، باقی کیے جاتا  
 ہوں، روٹی روز کھاتا ہوں، مشرب شاد گماہ پیے جاتا ہوں۔ جب

سوت آئے گی، مر رہوں گا۔ نہ شکریہ نہ شکایت ہے، جو فقر ہے، سبیل  
حکایت ہے، بارے جہاں رہو، جس طرح رہو، ہر شے میں ایک بار خط لکھا  
کر دو۔

یکشنبہ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۹ء

(۱۳۰)

کیوں صاحب !

دو ٹٹے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی ؟ اور اگر کسی طرح نہیں ملتے تو  
دو ٹٹے کی وجہ تو نکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں یعنی  
جس کا خط آیا، میں نے جانتا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی  
دن ایسا نہیں ہوتا، جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آکر رہتے ہوں بلکہ  
ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکان خط لاتا ہے۔ ایک دو ٹک کو  
اور ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن آن کے پڑھنے اور جواب لکھنے  
میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔  
یعنی تم نہیں آئے، خط لکھو، صاحب، نہ لکھنے کی وجہ نکھو، آدھ آنے میں بخل نہ  
کر دو۔ ایسا ہی ہے تو سیرنگ بھیجو۔

سوموار ۲۰ دسمبر ۱۸۵۹ء غالب

(۱۳۱)

دیکھو صاحب !

یہ باتیں ہم کو پسند نہیں۔ ۱۸۵۹ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے



ہوا اور مزہ یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائے گا، تو یہ کہو گے کہ میں نے وہ سچے ہی دن جواب لکھا ہے۔ لطف اس میں ہے کہ میں بھی سچا اور تم بھی سچے۔  
 آج تک داسے امید سنگھ یہ ہیں ہیں اور ابھی نہیں جاؤں گے۔ تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ جس دن وہ آئے تھے، اُنکی دن مجھ سے کہ گئے تھے۔  
 میں بھول گیا اور اُس خط میں تم کو نہ لکھا۔ صاحب! وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی جلد مرزا قاضی کے دیوان کے اور کئی نسخے "تغنیہ اشعارِ محنتاں" کے اُن کی خواہش کے بموجب کوئی پارسی ہے یہی ہیں، اُس کے پاس بھیج دیے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ایران کو ارسال کرے گا۔ امید سنگھ نے اُس پارسی کا نام بھی لیا تھا، میں بھول گیا۔ اب جو تم کو اُس خیال میں مبتلا پایا تو اُن کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ دوبار اُن کے گھر گیا بھی ہوں مگر کھلے کا نام نہیں جانتا۔ نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے۔ اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو کچھ بھیجوں گا۔

میر بادشاہ صاحب سے عنذالطاف میری دعا کہ دینا۔

فَاتَحُونَ ذُو قَوْثَارًا ۖ يَلْمِزُوكَ فِي خَلْقِ بَاتٍ سَاحِلٍ مِثْلَ مِثْلِ كَرَامَتِ  
 علی صفا تخلص کر میں نے آگے اُن کو کبھی نہیں دیکھا تھا، انما وہ مجھ سے آگے تھے اور  
 تمہارا حال پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا کہ یہ خیر عافیت سکند آباد میں ہیں جب  
 میں نے اُن سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں؟ انہوں نے کہا: صاحب! وہ میرے بزرگ اور آشنا ہیں، میں اُن کا شاگرد ہوں، کہیں مدد سے کے طلق  
 میں نوکر ہیں۔ یہ سہیل ڈاک آئے تھے اور آج یہ سہیل ڈاک انہاں کو گئے، انہاں  
 اُن کا وطن ہے اور نوکر بھی وہ اسی ضلع میں ہیں۔

نکاح مستثنیٰ دو شنبہ ۳ جنوری ۱۲۸۵ھ

صاحب !

تھارا خط مع رقیہ مرید سخی فہم پہنچا۔ تمھاری خوشامد نہیں کرتا، پہنچ کہتا ہوں کہ تمھارے کلام کی تحسین کرنے والا فی الحقیقت اپنے فہم کی تعریف کرتا ہے۔ جواب میں دنگ اس ماہ سے ہوئی کہ میں مصطفیٰ خاں کی ملاقات کو بسبیل و خاک میرٹھ گیا تھا۔ تین دن وہاں رہا، کل وہاں سے آیا، آج تم کو یہ خط بھجوا رہا۔

محرمہ دوم سنہ چہارم شنبہ ۱۲۹۱ ہجری ۱۲۹۱

غالب

(۱۶۶)

صاحب !

میرٹھ سے آکر تم کو خط لکھ چکا ہوں، شاید نہ پہنچا ہو، اس واسطے از روئے احتیاط لکھتا ہوں کہ نواب مصطفیٰ خاں کے ملنے کو بسبیل و خاک میرٹھ گیا اور سب شبے کے دن وہی آگیا اور چار شبے کے دن تم کو خط بھیجا۔

کل آخر روز راجا امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمھارا خط ان کے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ ان کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فرمایا کہ کسی اور مندر میں قصہ اقامت نہیں ہے، نیا ایک ٹکڑے بنایا چاہتا ہوں، کدوی بندوبست ملے ہیں، کوئی مکان سول لیں گے، وہاں اپنی وضع پر رہوں گا۔ میرا سلام لکھا اور یہ پیام لکھا کہ آپ کا کلام بھئی بیک پیچ گیا۔ اب ملہاں کو بھی روانہ ہو جائے گا۔  
سودہ ہندو عرقی بہ نغم خود آفت  
بیا کہ نوبت شیراز و وقت تہ تیغ است

صاحب!

تم تو اچھے خاصے عارف ہو اور تمہارا کشف سہا ہے۔ میں راہ دیکھ رہا تھا کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں، مگر تمہارا خط شام کو آیا، آج صبح کو جواب لکھا گیا۔ بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے مجھے کا پتا مزدور نہیں۔ میں غریب لکھا ہوں مگر فارسی، انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں، لکھ نہیں ہوتے۔ بعض فارسی خط پر پتا مجھے کا نہیں جوتا اور انگریزی خط پر تو مطلق پتا ہوتا ہی نہیں، قہر کا نام ہوتا ہے، مگر چار خط انگریزی کرا لیت سے مجھ کو آتے، جانے ان کی ہلاک "بلی ماوں" کا خط لکھا گیا چیز ہے۔ وہ تو بہ نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں، لیکن ان کا خط انگریزی ہر روز ان کو آتے ہیں، غلام یہ کہ میں نے پھر ان کے پاس آدمی بھیجا اور آپ کا خط اپنے نام کا بھیج دیا۔ انہوں نے میرے آدمی سے کہا کہ جواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں اس کا کیا جواب لکھوں، مجھے کہتا آپ ہی لکھ دیجئے سو میں پہلے عرواقی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھا ہوں۔ ان کے مکان کا پتا "بلی ماوں" کا خط، دسوں کا کوچہ؟

"بستون" کا مال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات دو چھ کی ہندو بھیج کر بارہ جلدی اور ایک جنری ان سے منگوائی، پھر ان کی خواہش کے تحت ایک کر جلدی لکھوا کر انہیں کے ہاتھوں دینا سے سمجھائی اور اس کے بعد پھر لکھوائے کے تحت چھوڑ کر دو جلدی ان سے منگوائیں۔ غرض اس تجربے سے یہ ہے کہ میں بعد اس پچاس جلد کے سولہ جلدی اور ان سے لے چکا ہوں مگر نقد، ہرگز قرض میں لے نہیں منگوائی ہیں۔ ایک بار ہندوئی اور دو بار کٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم، سب ملو پر ان کو کچھ بھیجنا کہ غائب نے کتنی سزا دی منگوائی ہیں۔ اور نقد منگوائی ہیں یا قرض، اور جوہ لکھیں، مجھ کو لکھ بھیجنا۔

فات

ختمہ ۱۹ فروری ۱۸۵۷ء

(۶۸)

صاحب !

تمہارا خط آیا، اولیٰ خوش ہوا۔ تمہاری تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تم کو اگرے سے کتابوں کا منگوانا بے اوصالی قیمت ممکن ہے؛ چنانچہ تمہیں تم نے لکھا ہے۔ بھائی ! کیا میں تم کو جھوٹ لکھوں گا؟ اور شیو نرائن نے فکر ذکر اوصالی قیمت کا نہیں کیا، تو یہ بھی تو نہیں لکھا کہ بے اوصالی قیمت منگوائی میں تم کو میرے سر کی قسم اور میری جان کی قسم شیو نرائن سے اتنا پوچھو کہ اُس پر پاس جلسہ کے بعد کے جلسہ میں غائب ہونے اور منگوائی؟ اور قیمت بھیج کر منگوائی یا قیمت اُس سے یعنی ہے؛ دیکھو میں نے قسم لکھی ہے، اے اے ہی مل میں فنا۔

راے امیر سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی، جو تمہارے خط کا ذکر آتا۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور یہ جو تم نے مجھ کو لکھا تھا کہ اگر دسوں کو چاہئے نہ ملے گا تو وہ خط تیرے پاس آئے گا۔ سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب ! تم کو وہم کیوں ہے؟ ایک امیر نامور آدمی ہے، اُس کے نام کا خط کیوں نہ پہنچے گا؟

ابھی مرزا آقہ ! بھائی منشی غلام علی صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرستش ہے۔ تم نے اُن کو خط لکھا کیوں موقوف کیا ہے۔ وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ اگر آپ کو مرزا آقہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھیے گا۔

کیا مشنہ، یہ فوری مسئلہ

غالب

(۶۹)

کیوں مرزا آقہ !

تم بے وفاء یا میں گناہگار؟ یہ بھی تو مجھ کو معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو

ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے، تقریباً تمہارا ذکر درمیان آیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں جیڑی ہوں کہ خط کول بھیجوں یا سکندر آباد؟ اگر کول بھیجوں تو ممکن کا پتا کیا لکھوں؟ بہر حال، سکندر آباد بھیجتا ہوں خدا کرے پہنچ جائے، تمہارا دیوان بہ طریق پارسل میرے پاس آیا میں نے ہر کارے کو راجا انسید سنگھ سپاہی کے گھر کا پتا بتا کر وہاں بھیج دیا، یقین ہے کہ پہنچ گیا ہو گا۔ پانچ چار دن سے سُنتا ہوں کہ وہ مستحضر اور اکبر آباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہر حال، اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔

بھائی! تم سیاح آدمی ہو، جہاں جایا کرو، نگہ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں یا جہاں جاؤ، وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے۔ میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے؟

محرمہ یکشنبہ ۲۷ مارچ ۱۳۵۷ھ

غائب

(۷۰)

صاحب!

آج تمہارا خط صبح کو آیا، میں وہ پہر کو جواب لکھتا ہوں۔ تمہاری ناسازگاری طبیعت میں کر دلا کر آجا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست اور خوش رکھے۔

اور اتنی مشنوی بھیجے ہوئے بہت دی ہوئے، جس میں حکایت طالب علم اور سندار کی تھی۔ واقعہ بلند شہر کا اور وہ اودان میں نے پمفلٹ پاکستان نہیں بھیجا خط میں پیسٹ کر چیل کہ خط ڈبل تھا، وہ ٹکٹ نکلا کر ارسال کیے ہیں۔ رسید ملے تو اس کو دیکھ کر تازہ پخت معلوم ہو جائے۔ قیاس سے ایسا جانتا ہوں کہ پان

سات دن ہوئے ہوں گے۔

منشی نے بخش کو خط دیتے دن سے نہیں آیا۔ گھر اُن کا تاج گنج، وہ خود مع بعض متعلقین آگرے۔ ایک بار تاج گنج کے پتے سے خط اُن کو بھیجا تھا، جواب نہ آیا۔ اب تاجدار برغورہ در مشیر نرائن سے اُن کا حال پوچھوں تھا۔ تم باہر کلاکات تھوکتی بھی ہو۔ رائے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو؟ جب آگرے جاؤ گے اور وہ وہاں ہوں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ میں خود واقف نہیں کرو کہاں ہیں۔ اندر سے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرے یا بندہ ہیں۔ کبھی کہیں سے اُن کا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گناہگار۔

یک شنبہ سوم ذی القعدہ پنجم جون سالِ حال مضافۃً

غالب

(۷۱)

صاحب!

ہم تمہارے اخبار نویس ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ بر خوردار میر بلو شاہ آئے ہیں اُن کو دیکھ کر خوش ہوا، وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے تمہارا حال سن کر مجھ کو رنج ہوا۔ کیا کروں نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں۔ خیر،

ہر آنچہ ساقی مار بخت، صمیم الطاف است

اُنکے چوتھا دن ہے یعنی منگل کے دن، کوئی پہر بھر دن چڑھا ہوگا کہ راجا امید سنگھ بہادر ناصح میر سے گھر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کہاں سے آئے ہو؟ فرمایا کہ آگرے سے آتا ہوں۔ بہادری کی عمل میں جو حکیموں کی گلی کے قریب ہے، جو رہی صاحب کی کوٹلی انھوں نے مول لے ہے اور اُس کے قریب کی زمین افتادہ بھی

خریدنا ہے اور اُس کو بخوار ہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے، جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط اُن کا آیا تھا، اُس کا جواب لکھ چکا ہوں؛ پھر اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔

بہر حال، میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں بازید کو نہیں گیا۔ شاید وہ آج گئے ہوں یا جاویں، پھر اکبر آباد کو جائیں گے۔ میں آج آدمی اُن کے پاس بھیجوں گا۔

عل مرزا حاتم علی قہر کا خط آیا تھا۔ تم کو بہت پوچھتے تھے کہ آیا مرزا قنوت کہاں ہیں اور کس طرح ہیں، بھائی! اُن کو خط لکھ بھیجو۔  
محرمہ ما جون ۱۸۵۹ء

(خط)

صاحب!

ایک خط تمہارا پر سوں آیا، اُس میں مندرجہ کے میں میسرہ ٹھہ باؤں گا۔ آج صبح کو ایک خط تمہارا اہل آیا، اُس میں مندرجہ کے پہلی جولائی کو ہلاؤں گا۔ اور تجھ سے ملنا جاؤں گا۔ پرسوں کے خط میں بھی اہل آئے کے خط میں بھی پارلن کا ذکر تھا کہ بیس جون کو ہم نے بھیجا ہے۔ بیسوی جون کو آج دسواں دن ہے۔ اس دن میں کوئی پارسل کوئی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخری پمفلٹ پاکٹ دو مشنریوں کا رہا تھا کہ جس میں ایک مشنری بندہ شہر کے واقعے کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا، اُس کی لرغنی پھٹکتی رہی، اُس کا عاشق سامنے کھڑا جلتا رہا۔ سوئس عظیم مشنریوں کو میں نے اصلاح دے کر

تھارے پاس بھیج دیا ہے۔ بلکریوں یاد پڑتا ہے کہ تم نے اُس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے۔ لیکن مجھ کو گمان یہ ہے کہ یہ امر میں جون سے آگے کا ہے۔ بہ ہر تقدیر، بعد اس پارسل کے کوئی اور پارسل میرے پاس نہیں آیا۔ ہوائی کو اٹھ ہر طرف کے عموماً اور تھارے خصوصاً دونوں سے زیادہ میں جنہیں رکھتا۔ جو کاغذ مجھ تک نہ پہنچے، میں نام پار ہوں بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر قرض ہے۔ یا تو وہ نہ پہنچا یا تم نے اُس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا۔ وہ خط جس میں میرا دشاہ کا دتی آنا اور اُن کا مجھ سے ملنا اور تھارا ذکر مجھ میں اور اُن میں ہونا۔ معذراً، راجا اسید سنگھ کا دتی میں آنا اور بے خبر میرے گھر آ جانا اور تھارا اُن سے ذکر ہونا اور اُن کا یہ کہنا کہ اُن کا نکل ایک خط میرے پاس آیا تھا، سو میں نے اُس کا جواب لکھ بھیجا تھا۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا۔ تھارا وہ پارسل جس کو تم اب مانگتے ہو، میرے پاس ہرگز نہیں آیا۔

چار شنبہ ۱۹ جون ۱۹۱۷ء وقت نیم روز غائب

(سولہ)

سجائی!

تھارے ذہن نے خوب افعال کیا۔ میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا:

بہ ہند آمدندے زایراں دیار

”آمدند کی جگہ“ آمدندے“ بہ صیغہ استمرار محکمال باہر معلوم ہوا:

رسیدند ہند زایراں دیار

اُس کی جگہ لکھ دیا۔ واقعی بدستیں کا پہنچنا راہ میں واقع ہوا، پھر



”رسم پند و ہند“ بے جا۔ تمھارا تصرف مستحسن۔ جس طرح تم نے ٹھکانے کی  
طرح دہنے دو۔

صاحب! سبستان سے کیوں گھبراتے ہو؟ میں تمھارے گھبرانے سے  
گھبراتا ہوں۔ رخ کو کل ”زلف کو“ سنبھل ”فرغ کرتے ہیں!“ سبستان میں کیا  
عیب ہے؟ اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ اس وقت تک کہ  
اکتوبر کی آکٹویں پہنچے گا دن، فیصلہ پہر کا وقت ہے، میرزا غلام علی صاحب  
تشریف نہیں لائے۔ ہاتھ کے منصف اور دلی کے نام منصف ہیں۔

بدھ شنبہ ہشتم اکتوبر ۱۸۵۹ء آخر روز

از غائب

(۴۲)

صاحب!

تمھارا خط آیا، حال معلوم ہوا:

جہانیاں ز تو برگشتہ اند اگر غالب

ترا چہ پاک، خدا بیگ و عاشق، داری

خدا کے واسطے، میرے باب میں لوگوں نے کیا خیر مشہور کیا ہے؟

بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جو بات مشہور ہے، وہ محض غلط۔ ہاں، مرزا

الہی بخش جو شہرہ آلود ہیں، ان کو حکم کراچی بندر جانے کا ہے اور وہ

انکار کر رہے ہیں، دیکھیے کیا ہو۔ حکیم جی کو ان کی حویلیاں مل گئی ہیں، اب وہ

مع قبا کی کن مکانوں میں جا رہے ہیں۔ آنا حکم ان کو ہے کہ مشہور سے باہر

نہ جائیں۔ رہا میں:

تو بیگنی و غریبی، ترا کہ می پرسد

نہ جزا نہ سزا نہ نظریں نہ آفریں، نہ عدل نہ ظلم، نہ لطف نہ قہر۔ ہندو دن پہلے  
 تک دن کو مدنی رات کو شراب سستی تھی، اب صوف روٹی ملے جاتی ہے  
 شراب نہیں۔ پکڑا ایم تنگم کا بنا ہوا ابھی ہے، اُس کی کچھ فکر نہیں ہے مگر تم  
 کو میرے سر کی قسم، یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی؟ مجھے اُس  
 کے معلوم ہونے سے مزہ ملے گا۔

مشنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

غائب

(۷۵)

میری جان!

کیا مجھے ہو! سب مخلوقات آفتہ و غائب کیوں کریں جائیں:

ہر جگہ را بہر کار سے ساختہ

انت مٹا، سوتا۔ مصری میٹھی، تنک سلوا، کبھی کسی شے کا مزہ نہ چسے  
 گا۔ اب جہیں اُس شخص کو نصیحت کروں، وہ کیا نہ مجھے تھاکہ غائب کیا جانے  
 کہ عبدالرحمن کون ہے اور محمد سے اُس سے کیا رسم و راہ ہے، بے شبہ جانے  
 لگا کہ تفس نے لکھا ہو گا۔ میں اُس کی نظریں سبک ہو جاؤں گا اور تم سے وہ  
 اور بھی سرگراں ہو جانے گا۔ اور یہ جو تم سمجھتے ہو کہ تو نے اُس شخص کو اپنے  
 عزیزوں میں گنا ہے، ہندو پروردہ! میں تو بنی آدم کو، مسلمان ہو یا ہندو یا نصرانی  
 عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے۔ باقی رہی  
 وہ عزیز داری جس کو اولیٰ دنیا قرابت کہتے ہیں، اُس کو قوم اور ذات اور  
 مذہب اور طوطی مشروط ہے اور اُس کے مراتب و مدارج ہیں۔ نظریں اس  
 دستور پر اگر دیکھو تو مجھ کو اُس شخص سے جس برابر علاقہ عزیز داری کا نہیں

ازداد حسن، اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا کم دیا تو کیا ہوتا ہے۔ زین العابدین خاں  
 عارف میری سانی کا بیٹا، یہ شخص اس کی سانی کا بیٹا، اس کو جو چاہو  
 سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب اٹھارے آدمیت نہ ہوئی تو اب اس کو لکھنا لغو  
 بے فائدہ بلکہ معزز ہے۔

تھارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفیٰ خاں سے ملنا، ہم پہلے ہی دریافت  
 کر چکے ہیں۔ اب تھارے خط سے مراد آباد ہو کر سکندر آباد آنا معلوم ہو گیا۔  
 حق تعالیٰ شانہ! تم کو خوش و خرم رکھے۔  
 مرقوم جمعہ ۲۳ دسمبر ۱۸۹۱ء

(۷۶)

بھائی!

میلنے والی کو چھوڑا اور رام پور کو چلا۔ پنجشنبہ انیس کو مرادنگی اور جسے میں  
 کو میرٹھ پہنچا۔ آج سنبھہ اکیس کو بھائی مصطفیٰ خاں کے کہنے سے مقام کیا، یہاں  
 سے یہ خط تم کو لکھ کر بھیجا۔ کل شاہ جہاں پور پر سوں گرام مکیشتر ہوں گا۔ پھر  
 مراد آباد جاتا ہوں اور رام پور جاؤں گا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو، رام پور تک بھنا سرتے رہو۔  
 رام پور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا  
 ہے، وہ رام پور سے لکھوں گا۔

راقم غالب

مرقومہ چاندنی شنبہ ۱۱ جنوری ۱۸۹۲ء

(۷۷)

صاحب!

تھارے یہ اوراق سکندر آباد سے وئی اور وئی سے رام پور پہنچے۔ یقیناً

ہے کہ رام پور سے میرے بھیجے ہوئے سکندر اکابر پہنچے ہوں گے۔ سولے ایک  
 مصرعہ کے بچے اور جنگ کی اصلاح یاد نہیں۔ تم جو اپنے فرزند کو ناشتا سارے  
 مزاج روز نگاہ کہتے ہو، خود اس میں اُس سے کیا کم ہو؟ پہلے تو یہ بتاؤ کہ رام پور  
 میں مجھے کون نہیں جانتا؟ کہاں مولوی وجیہ الزماں صاحب، کہاں میں!  
 اُن کا مسکن میرے مسکن سے دُور۔ پھر در دولت رہیں کہاں اور میں کہاں!  
 چار دن والی شہر نے اپنی کوٹھی میں اُتارا، میں نے مکان جدا گنا مانگا  
 دو تین حویلیاں برابر برابر فوج کو عطا ہوئیں، اب اُس میں رہتا ہوں۔ جب  
 اتفاق ٹاک گھر مسکن کے پاس ہے، ٹاک منشی آشتیا ہو گیا ہے۔ برابر  
 دلی سے خط چلے آتے ہیں۔ صرف رام پور کا نام اور میرا نام۔ محلے کی اور طرف  
 کی حاجت نہیں بلکہ در دولت اور مولوی صاحب کے نشان سے شاید  
 خط تلف ہو جائے۔ دوسری بات جو تم نے لکھی ہے، وہ بھی مطابق واقع  
 و مناسب حال نہیں۔ اگر اقامت قرار پائی تو تم کو بھالوں گا۔

غالب

اولیٰ قوری مندرجہ

(۱۷۸)

میری جان!

آخر لڑکے ہو، بات کو نہ سمجھتے۔ میں اور تھکتا کا اپنے پاس ہنار نہیں  
 نہ جانوں؟ میں نے یہ لکھا تھا کہ یہ شرط اقامت ہالوں کا اور پھر لکھا  
 ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری تو بے تمھارے در ہوں گا، نہ  
 در ہوں گا، نہ تھارے در ہوں گا۔

منشی بالکنڈ بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رام پور پہنچا

تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے، اور اگر وہی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر ان کے اشتہار بیچ دوں گا۔ بے جبر کو اب کی بار جینا بھر مہر چاہیے۔ وہ لحاف ہوسٹہ رکھا ہوا ہے۔ انہیں کہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں، فرصت مشاہدۂ ابدان نہیں ملے۔ تم اسی رکتے کو ان کے پاس بھیج دینا۔

رشتہ سہ فوری مسئلہ

غائب

(۷۹)

برغور و رسالت آخر منشی ہر گوہال سلمہ اللہ تعالیٰ  
اس سے کہے تم کو حالات محل کھ چکا ہوں۔ ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں  
پایا۔ بافضل خواب لکھنٹ گورنر بہادر مراد آباد اور وہاں سے راجہ پور آئیں گے۔  
بعد ان کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ظہور نہ کیا۔ منظور مجھ  
کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہوتا تو فوراً تم کو نکالوں گا۔ جو دن زندگی کے  
باقی ہیں، وہ باہم بسر ہو جائیں۔ واللہ۔

راقم غائب

یکم مارچ مسئلہ

(۸۰)

مزا اللہ!

اس غزنی میں مجھ کو ہٹانا تھا اور یہ کام ہے۔ بہائی! تعزین محنتان  
چھوڑ کر کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ جو انطباع "سبستان" سے نفع اٹھاؤ گے۔  
روپیہ جمع رہنے دو آمد اچھی چیز ہے۔ اگر چہ قلیل ہو اور اگر وہ ہو لینا منظور

ہے تو ہرگز اندیشہ نہ کرو اور درخواست دے دو۔ بعد نو مہینے کے روپیہ تم کو مل جائے گا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا بھی تو ہمت نہ ہارتے ہوئے اس کو مدت چاہیے۔ ” رستخیز جیسا ” ہدیہ اب ہو تو ” رستخیز ” ہو یعنی قیامت اور اُس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی ” رستخیز ” کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں۔ احتمالی فتنہ سالہا کیندہ پر دم! سو بھی سو ہو۔

میاں! میں جو آخر جنوری کو رام پور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ یہ شخص دانی رام پور کا اُسٹناؤ تھا اور وہاں گیا تھا؛ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا، تو بھی پانچ چار ہزار روپیے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ نوکری کو ملے گئے تھے مگر نوکر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا، دو سو روپیہ مہینہ کر دیا تھا، الفٹ گورنر الہ آباد جو رام پور آئے اور ان کو غالب کا دہاں ہونا معلوم ہوا تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہماری خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔

یہ تو سب سن لیا، اب تم اصل حقیقت سنو۔ نواب یوسف علی خاں بہادر تیس تیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے، اب جولائی ۱۸۵۷ء سے سو روپیہ مہینہ ماہ بہ ماہ بھیجتے ہیں۔ جلسے رہتے تھے، اب میں گیا تو وہ بیٹے نہ کر چلا آیا۔ بہشتیہ حیات بعد ہر سات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینہ، یہاں رہوں، وہاں رہوں، خدا کے ہاں سے میرا مقر ہے۔

## مرزا قنصل !

ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجب و مفرد کے موجب نقاشا مفرد ہوگا۔ میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بارے میں نقاشا پنشن دہروں کا جو یہاں سے بن کر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہت میرے صاف لکھ دیا تھا کہ یہ شخص پنشن پاسے کا مستحق نہیں ہے، مگر منٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے، میرے پنشن کے اجراء کا حکم دیا اور وہ حکم یہاں آیا اور مشہور ہوا۔ میں نے بھی سنا۔ اب کہتے ہیں کہ باوا آئندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بیٹا شہر ع ہوگا۔ دیکھا چاہیے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔

۱۶ اپریل سنہ ۱۳۰۷

نواب

## بھائی !

آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی حجاب نکلتا ہوں۔ زبردست سالہ مجتہد ہزاروں کہاں سے ہوئے! سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین ہزار کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے۔ سو روپے بھگے مدد خرچ ملے تھے، وہ کٹ گئے۔ ڈیڑھ سو روپے قرضہ میں گئے۔ رہے دو ہزار روپے میرا متار کار ایک بنیا ہے اور میں اس کا قرض واپر قدیم ہوں۔ اب جو وہ دو ہزار لایا، اس نے اپنے پاس رکھ لیے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض منفر ۲۵۰ کا کسی

سے حساب کر دیا۔ گیارہ سو کوئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ پچیس سو ہوئے۔ اصل میں 'یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھٹا۔ وہ کہتا ہے پندرہ سو میرے دے دو' پانچ سو سات روپے باقی کے لئے وہ میں کہتا ہوں متعزات گیارہ سو چکا دے! (سو باقی ہے، آدھے تو لے، آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی کو وہ روپیہ لایا ہے، کل ایک قصہ نہیں بچکا، میں جلدی نہیں کرتا۔ دو ایک مہاجن پچاس میں) ہنہ بھری جھگڑا فیصل ہو جائے گا۔ خدا کرے یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برسات سے پھر کر آؤ، اُسی دن مجھ کو اپنے ورد و مسود کی خبر دینا۔ والہما۔

سشنہ ششم منی مشہد ہنگام نیم روز

نائب

(۸۳)

برخورد مرزا قاسم!

دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا۔ تمہارے لور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدد پنجاب سے حکم آگیا کہ پنشن دارانہ قدیم ماہ بہ ماہ پانچ سال میں دوبارہ بطریق ششماہ فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناجارہ ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا، نام آرام پور کی آمد میں مل کر صرف ہو۔ یہ سود چھ مہینے تک اسی طرح کٹواں دینا پڑے گا۔ ایک رقم معقول گھٹانے میں جائے گی:

رسم ہے مرے کی چھما ہی ایک  
خلق کا ہے اسی طرح ہر مدار  
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیہ حیات  
اور چھما ہی ہو سال میں دو بار



دس گیارہ برس سے اُس تنگنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بہ ماہ چار روپیہ دیا گیا۔ اب تین برس کا گریہ کچھ اوپر سو روپیہ ایک مہشت دیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے لیا ہے اُس نے مجھ سے پیسہ لے لیا۔ ابراہم کیا کہ مکان خالی کرو۔ مکان کہیں ملے تو اُسٹوں۔ بے درو نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد نہ دی۔ وہ صحن بالا خانے کا جس کا دروازہ کا عرض اور دس گز ۴۴ طول اس میں پاڑ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سونا، گرمی کی سہت، پاڑ کا قرب، گمان یہ گزرتا تھا کہ کنگر ہے اور صبح کو مجھ کو بھانسی ملے گی۔ تین راتیں اسی طرح گزریں۔ دو شنبہ ۱۲ جولائی کو دہ پہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آگیا، وہاں جابر، جان بیچ گئی۔ یہ مکان بہ نسبت اُس مکان کے بہشت ہے، اور یہ غریبی کہ محلہ دہلی مارول کا۔ اگرچہ بے یوں کہ میں اگر اور محلے میں بھی جا رہتا تو قاصدانِ ڈاک وہیں پہنچتے، یعنی اب اکثر خطوط الی گزرتے کے پتے سے آتے ہیں اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہ ہر حال، تم وہی "دلی، بلی مارول" کا محلہ نکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو سو روپے تمہارے اور ایک سو روپے بے مہر کا، یہ تین کا نقد در بیٹھ ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کیے جائیں گے، خاطر خاطر جمع رہے۔

صبح جمعہ ۲۰ جولائی سنہ ۱۲۸۰

(۸)

مرزا الف ۱

کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا۔ آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں اور اسی خط کے ساتھ خط مسودہ میر بادشاہ بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل پارسوں روانہ ہو گا۔ فی تاریخ کو دوں مرحلہ شاعری جاتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ و وفات

لکھتے تھے اسے حق بہت جانتا ہے۔ یہ ہر حال میں نے منشی غنی بخش مرحوم کی تاریخِ رحلت میں یہ قلم لکھ کر بھیجا۔ منشی قمر الدین خاں صاحب نے ناپسند کیا۔ قطعہ یہ ہے:

شیخ غنی بخش کہ با حسن خلق	داشت مذاق سخن و ذہن نیز
مرگ و ستم ہمیشہ امانش نداد	کیست کہ ہمارے بسید سیز
سالہ وفاتش زہنے یادگار	بادل زار و مژہ و جمل مرہز
خواتم از غالب آشفستہ سر	گفت ہمدہ طول و بگو رہیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں، بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے۔ جیسا کہ یہ مصرع:

در سال غریب ہر آنکہ ماند بیند

اگر کسی کے قصائد کو دیکھو، دو چار جگہ ایسے الفاظ قید سے کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعدادِ سالِ مطلوب نکل آتے ہیں اور معنی کچھ نہیں ہوتے۔ لفظ ”دستغیر“ کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے اور پھر واقع کے مناسب۔ اگر تاریخِ ولادت یا تاریخِ شادی میں یہ الفاظ لکھنا تو بے شائبہ ناگفتنی تھا۔ قصہ مختصر اگر تاریخ کی فکر موجبِ اولیٰ حقِ سورت ہے تو میں حق دوستی اور کریمانہ زیادہ کیا لکھوں۔

والا کا غالب غالب

مئی دہشتہ، خیر جمادی الاول ۱۲۸۵ھ

نور دہم نو ہر سال حال منتظر ہو

صاحب!

تمہارا خط میرٹھ سے آیا۔ ”مرآۃ الصالحات“ کا تماشا دیکھا۔ تسلیتاً کاجھلا۔ مذاقم کو بے لگ کرے اور خدا ہی تمہاری آرزو کا نگہبان رہے۔ بہت گزر چکی

ہے، تھوڑی رہی۔ اچھی گزری ہے، اچھی گزر جائے گی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عراقی کے قصائد کی مشہرت سے عراقی کے کیا ہاتھ آیا۔ جو میرے قصائد کے استہوار سے مجھ کو نفع ہو گا؟ سعدی نے "ہوستان" سے کیا پھیل پایا؟ جو تم سبیلانی سے پاؤ گے؟ اللہ کے سوا جو کچھ ہے سو ہوم و معدوم ہے۔ نہ سخن ہے، نہ سخنور ہے، نہ قیید ہے نہ قصد ہے۔ لَا مَوْجِدَ وَلَا مَقْدُودَ۔

جناب بجائی صاحب یعنی مصطفیٰ خاں بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہ دینا۔ ہمشہرو کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے! مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اس سے بھی زیادہ خوشی حضرت صاحب کی بات پر ہوے کہ آدے، یعنی آپ کا پنشن بھی واکھداشت ہو جاوے۔ اللہ اللہ اللہ۔

صبح یک شنبہ ۲۰ جنوری ۱۳۵۷ھ

(۸۸۱)

اجی مرزا آفتاب

تم نے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈوبویا۔ باپے کیا بری کاہلی ہے! اپنے اشعار کی اور اس کاہلی کی مثال جب تم پر نکلتی تو تم یہاں ہوتے اور بیگیاں قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے! صدمت ماو دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے پٹنگڑیڑ جوتی ٹوٹی۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ یہ تکلف "سبیلانی" ایک معشوقی خوبو ہے، یہ لباس ہے۔ بہر حال دونوں لڑکوں کو دونوں جلدی دے دیں اور مسلم کو حکم دیا کہ اسی کا سبق دے، چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔

مرقوم صبح شنبہ ۱۰ مارچ ۱۳۵۷ھ

نالت

میاں مرزا رحمۃ اللہ!

ہزار آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے! واہ واہ چشم بدو و تسلی معنی،  
 سلاست الخاطہ۔ ایک مصرع میں تم کو محمد اسحاق شوکت بخاری سے توادر  
 ہوا۔ یہ بھی محلِ غرور و شرف ہے کہ جہاں شوکت نہ پہنچا، وہاں تم پہنچے۔ وہ مصرع  
 یہ ہے:

پاک گردیدم و از حیب ہ دامان رستم

پہلا مصرع تھا اس اگر اُس کے پہلے مصرع سے اچھا ہوتا، تو میرا دل اور زیادہ  
 خوش ہوتا۔ خدا تم کو اتنا چلائے کہ ایک دیوان میں جز قصائد کا کہہ لو۔  
 مگر خبردار! قصائد بہ قیدِ جوہر و حسنِ ذہن جمع کرنا۔

صاحب! مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ  
 اب لکھا ہے، سابق کا انصار لکھا ہوا سب یاد ہے۔ میں نے اُس کو دوست  
 بہ طریقہ طنز لکھا ہے۔ بہ ہر حال وہ جو میں نے خانگانی کا شعر لکھ کر اُس کو بھیجا؟  
 اُس کی ان سرے، اگر میرے اُس خط کا جواب لکھا ہو۔

بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا، داغ کہنے حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ  
 منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے  
 نصیر الدین جہد کے پاس گزرا اور جس دن گزرا، اُسی دن پانچ ہزار روپیے  
 کے بیجے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی بلکہ خود  
 مرحوم ٹکھن سے کہنے، انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا  
 نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا کہ تم  
 دریافت کر کے ٹکھن کو میرے قصیدے پر کیا گزری؟ انھوں نے جواب میں لکھا کہ

پانچ ہزار ملے، تین ہزار روغن الدود نے کھائے، دو ہزار منشی محمد حسن کو  
 دیے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اُس نے  
 ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو۔ میں نے لکھ بھیجا کہ مجھے  
 پانچ روپے بھی نہیں پہنچے۔ اس کے جواب میں انھوں نے لکھا کہ اب تم  
 مجھے خط لکھو، اُس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تقریب میں قیید،  
 بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قییدہ حضور میں گزرا مگر میں نے  
 نہیں جانا کہ اُس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ تاریخ ہوں اپنے نام کا، خط  
 بادشاہ کو پڑھا کر، ان کا کیا ہوا وہ یہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیج  
 دوں گا۔ سبھی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا  
 تیسرے دن شہر میں خبر پڑی کہ نصیر الدین حیدر مر گیا۔ اب کہا میں کیا کروں  
 اور ناستح کیا کرے!

روشنہ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء

غالب

(۱۸۵۷ء)

مرزا آفتاب صاحب!

اس قییدے کے باب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔  
 پہلے تو یہ کہ غلام گوہر را کو تم نے از قلم تان فرمایا اور اُس پر اشعار اساتذہ سنہ  
 ۱۲۵۷ء۔ یہ غرضہ نہیں پیدا ہوتا مگر لوگوں کے اور مبتدیوں کے دل میں تسلیم:

شہاب نقل غنوا، بجیر سافر را

کہ احتیاج مشکرتہ شیر ملو را

یہ غزل شاہ جہاں کے بعد کی طرحی ہے۔ صاحب و قدسی و شعراے ہند سے

اس پر غزلیں لکھی ہیں۔

دوسرے یہ کہ ممدوح کا پورا نام ہے "مکلف آتے ہوئے خالی کیوں اڑاؤ۔  
 ضیاء الدین احمد خاں" نام ہے، ہندی میں رختاں "مخلص" فارسی میں "میر" مخلص:

ہوتا ہے میر رختاں ضیاء الدین احمد خاں

دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرع ہے! یہ نہ کہنا کہ شعر ممدوح کا نام لگنا لکھ جاتے ہیں، وہ  
 بہ حسب ضرورت شعر ہے۔ جس بحر میں پورا نام نہ آئے، اُس میں شوق سے لکھو!  
 جائز ادا، مستحسن۔ جس بحر میں نام ممدوح کا درست آئے، اُس میں فرد گزشت  
 کیوں کرو۔؟

دوستِ نیم سنبھرا سنا

غائب

(۸۹)

صاحب:

"گوہر! غاور! یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔ ہم نے اصلاح دے کر  
 تمہارے پاس بھیج دیا ہے۔ جب تم صاف کر کے بھیجو گے، ہم تمہارے ممدوح کو  
 دے دیں گے۔ کل تمہارا یہ قصیدہ پہنچا۔ ہم نے دو پہر کو دیکھ کر درست کیا۔ آج پچھلے  
 پلاہ ستمبر کو ناک میں بھیجا دیا۔"

صاحب! آج میر بادشاہ آئے، تمہاری غیر عادت آن کی زبانی معلوم ہوئی۔  
 اللہ تمہیں خوش رکھے اور مجھ کو تمہارے خوش رکھنے کی توفیق دے۔ ممدوح کا  
 نام کیا لکھوں؟ بات اسی قدر ہے کہ رام پور میں کوئی صورت کسی طرح غنی نظر  
 نہیں آتی، ورنہ کیا تمہارا قصیدہ وہاں نہ بھجواتا؟

"درازا کو یہ نہ کہو کہ قصیدہ نہیں ہے۔ اصل غلت مشدود ہے۔ شعر اُس

کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ صدی کے شروع سے انکا مقصود حاصل ہوا کہ ”مُزاد“ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاور ہے ”مباقہ“ اور ”مُزادہ“ دونوں عربی لغت ہیں۔ وہ مال کی تشدید سے اور یہ ”رے“ کی تشدید سے۔ مگر خیر نہادہ ”مُزادہ“ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ ”مُزادہ“ ہرگز نہیں ہے۔ یہ کہو کہ ”مُزادہ“ بے تشدید بھی جائز ہے۔

پنچشنبہ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء

غالب

(۴۰)

”مشتی“ اور ”خاتم“ دونوں ایک ہیں۔ تم نے ”خاتم“ بمعنی ”مکسین“ باعدھا، یہ غلط۔ ”جس دن اے کس خزانہ کی ترکیب ہے؟“ جس کس مخروفا“ الہج درست ہے۔ نظراول میں بہ سبب تکثر حواس اور کثرتِ رد و دم دم پاس کے میں نے خیال نہ کیا ہو گا۔

یہ خدا لکھ کر بندہ رکھا تھا کہ کلی سچ رواہ کروں گا؟ چشم بہ دور آگ اسی وقت کہ دو گڑھی دن ہے، آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ وہ سراجو میں نے غالی چھوڑ دیا ہے، اُس کو کتر کر یہ سطر لکھ کر پھر بند کرنا ہوں۔ سبحان اللہ! ”سیرِ نساں گفت اُصں را کہ الم ست ایں“

اس کا وزن کب درست ہے؟ کیا فرماتے ہو! غلہ کر، بعد غلہ کے اس کی نامزدانی کا خود آواز کر دے۔ ”سُتَرَن قزوینی کے مطلع میں ”ساغر غم در کشیدہ ایم“ و دم در کشیدہ ایم“۔ دوسرے شعر میں:

وہا بنائے زہر بستم در کشیدہ ایم

”در کشیدہ“ کو ربط ”ہیانہ“ کے ساتھ ہے یا ”زہر“ کے ساتھ؟ اگر

”زہر درکشیدن“ جانز ہوتا تو وہ ”سم“ کے تالیفے کو کیوں چھوڑتا؟ جسے شعر میں ”نغم درکشیدن“ ہے۔ چوتھے شعر میں ”آب درکشیدن“ ہے۔ پانچویں میں ”سرد درکشیدن“ ہے۔ میاز ہر ایسا ہے؟ اگر ہر شل ”زہر آب“ ہوتا تو دوا تھا۔

سہانہ! ”یہ عبارت“ ”سایک شرف قزوینی“ سافرو چلانے والے زہر درکشید“ لے کر لور شرف زہر کجا درکشید؟ بلکہ پیانہ زہر درکشید۔ شاہم سافر سم درکشید۔ ”سم درکشیدن“ کجا؟ پیانہ زہر درکشیدن کجا۔ ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ نیز رہنے دو، بند میں اس کو کون بکھے گا؟ چاہریں کر دو:

دانی من و دل آنچہ بیم درکشیدہ ایم

دریک نفس دو ساعرم درکشیدہ ایم غائب

سہانہ! تم جانتے ہو کہ میں اب دو مصرعے موزوں کرنے پر قادر ہوں جو مجھ سے مطلع مانگتے ہو:

گمان زیست بود بر منت ز بیدری

برا ست مرگ، دے بدتر از گمانی تو نیست

خیر، خرفن قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہے دو۔ ”غائب“

میں ایسا جانتا ہوں کہ ”دراختہ“ بہ تشدید ہے لہذا وہ قدح ”بہ وزن“ ”زور“

اور لغت ہے۔

صاحب! یہ قبیحہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جاتا ہے۔ کیا کہنا ہے؟ ایک خیال، مگر کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

ایک قبیحہ اصلاح دے کر بھیج چکا ہوں اور اسکا ورق پر لکھنے صاحب کے باب میں تم کو ایک نصیحت کر چکا ہوں۔ ادھر کے جواب کا ہرگز خیال



نہ رکھو اور دوسرے اگر قصیدے کے ارسال میں دیر بجا کرے تو ٹھہرا نہ کرو۔  
اب میرے پاس دو قصیدے ہیں: ایک "شکر بر آؤم" اور ایک کل آیا ہے۔  
"برجائمانہ" و "دریائمانہ" خوب کہے، مگر معنوں سے پہلے مدوح و معنود صحت  
پڑ چکے ہیں۔ اگر میں تم کو مدوح بتا سکتا تو قصیدہ اُس کے نام کا تم سے منگوا چکا  
ہوتا اور اُس مدوح تک پہنچا چکا ہوتا۔ بجائی! ایک دقیقہ ہے مگر لکھنے کے قابل  
نہیں۔ ان مثلثات جمعے پر کہہ سکتا ہوں۔ اللہ اللہ۔  
ستمبر ۱۸۶۹ء

(۴۱)

صاحب!

قصیدے پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفری ہے! پھر استاد کے شعر تمہیں کیوں کہتے  
ہو؟ نہ اس کی کچھ حاجت، نہ اس میں کوئی افزائش جس سے تمہارا ہی۔ ایک شعر  
کو ایک شعر کے بعد رکھ دیا ہے تاکہ مطلع کلام ہو جائے۔ پہلا قصیدہ تمہارا  
"بر آؤم"۔ "بر آؤم" کی روایت کا سست ہے، اُس کو ہم نے نامعلوم کیا!  
مگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہوں گے، وہ لکھ کر تم کو بھیج دیں گے۔  
بالغفل! ایک شعر کی قیامت تم پر نازل ہو کر تے ہیں تاکہ آئندہ اس پانچویں شعر  
کو نہ:

نورِ صلوات از جہدِ وقتِ مہم چلے

یہ کیا ترکیب ہے؟ "جہد" بروزی "چشمہ" ہے۔ یعنی دو بولے ہوا ہیں۔ جیسا  
تادمہ ایک ہاے جوڑ کہاں لکھا؟

ہر گنا چشمہ بود شیریں

”پیشتر کی جگہ ”چشمہ“ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ گویا رہے۔ اسنے بڑے مشاق سے لکھی  
 غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ میاں :

برگ و دنیا ساز و کش بود

یہ کوئی لغت نہیں۔ ایک لفظ نہیں کہ کسی فرجگ میں سے نکل آئے ! یہ طرزِ تحریر ہے۔  
 کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے ! اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں  
 کا قدسی دال اور عالم ہے کہ میں لوگوں کی طرح بیت بھیجی کروں۔ وہ جو تیاں آپ دکھا  
 دیں ایک جوتی تم سے گوار دیں۔ اب قطع نظر کرو اور سکوت اختیار فرماؤ۔ میں ”برہان“ کا  
 نمبر اڑا رہا ہوں، ”چار شریعت“ اور ”غیاث اللغات“ کو صحیفہ کا نشانہ سمجھتا ہوں ! ایسے  
 گم نام چھو کروں سے کیا مقابلہ کروں محاورہ ”برہان قاطع“ کے الفاظ بہت نکالے ہیں۔ اس جز  
 کا ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ”قاطع برہان“ رکھا ہے ! اب اس کے چھاپے کی فکر  
 ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دوں گا۔ وردہ صاحبہ کے نقل  
 کروا کر تمہیں ایک جلد بھیج دوں گا۔ بہت سوز مند شخص ہے۔

اس قصیدہ منبر کو مضاف اصلاح کے اس کاغذ سے اور کاغذ پر نقل کر کے اور جو  
 مطالبہ کہ اس کاغذ پر مرقوم ہیں اُن کو حالیے کے سپرد کر کے اس ورق کو پھاڑ ڈالو اور  
 اس قصیدے پر تازہ کیا کرو۔ یہ قصیدہ تمہارا نام کو بہت پسند آیا ہے۔

جودہ اکثر برکت اللہ

غالب

(۹۲)

صاحب !

یہ قصیدہ تم نے بہت خوب لکھا ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرمائے اس کا تمہیں صلہ دے۔

نواب مصطفیٰ خاں صاحب کے ہاں سے قصیدے کی رسید آگئی۔ یقین ہے کہ تم کو بھی وہ خط لکھیں۔ دیریں وہ یہاں آیا چاہتے ہیں اور مجھ کو کھانا تھا کہ قصیدہ پہنچا دیا کہتا ہے 'ایسا ہے اور ایسا ہے' میں چند روز میں وہاں آتا ہوں 'عذرا ملاقات اس قصیدے کے باب میں بائیں ہوں گی۔

ضیاء الدین خاں صاحب کا بھی مقدر کج کل فیصل ہوا چاہتا ہے۔ وہ قصیدہ جو میرے پاس امانت ہے، اُن کو دیا جائے گا **إِنَّكَ وَاللَّهُ تَعَالَى الْعَلِيمُ**۔

ازمن قرائع برزہ ہریم من از قرائع  
 'ہریم من از قرائع' یعنی قطع نظر کروم از قرائع و نوید شدم از قرائع۔  
 اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۷ء

(۹۳)

تم کو معلوم رہے کہ ایک صندوق تمہارے یہاں آئے ہیں، اُن کو میں نے تمہاری فکر اور مافی کا صندوق پایا۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں کچھ تمہاری خدمت میں بھیجیں گے غم کو قبول کرنا ہو گا۔ سمجھے 'یہ کون'؟ یعنی نواب مصطفیٰ خاں صاحب اور دوسرے صندوق یعنی نواب ضیاء الدین خاں وہ آخر نومبر ۱۸۵۷ء میں یا اوائل جنوری ۱۸۵۷ء میں حاضر ہوں گے۔  
 اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۷ء

(۹۴)

صاحب!

روزہ اول سے ترکیب ہے یہ فارسی شتارفت، ایک ہمدردی ایک عربی، ہر چند اس

مستحق میں لے کر ترک بھی آجاتے ہیں مگر اکثر میں عربی کا عالم نہیں مگر زبان بھائی کی نہیں بلکہ اپنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا مستحق نہیں ہوں، علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلب گار رہتا ہوں۔ فارسی میں مہمدیہ لیا سن سے چکے وہ دھتکارہ ملی ہے کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح ہانکے ہوئے ہیں جیسے فوار میں جو ہر آنکھ پارسی میں اور لمحہ میں دو طرح کے تفاوت ہیں، ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے چپکے سوا دو سو چار سو آٹھ سو برس پہلے پسند و ہوسنے رہے۔

”جوڑ لغت عربی ہے بمعنی ”تجسس“ ”تجوّس“ صیغہ ہے مصدر مشتبہ کا بہ تاشیخہ اس زبان پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود نکھوں گا مگر جب کہ نظیر قری شعر میں آیا اور وہ فارسی کا ساکب اور عربی کا عالم تھا تو میں نے مانا۔

کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور مشاعروں کے ہم کو بھی، جیسے ہو کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اُس کے قوافی لکھ لے اور اُن تانیوں پر لفظ جوڑنے لگے۔  
 لَا تَوْنَنَّ وَلَا تَوْنَنَّ وَلَا تَوْنَنَّ! انجمن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں، صحت ہے لمحہ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اُس کے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں۔ صرف بجز اور روایت کا نیز دیکھ لیا۔ اور اُس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو ”نظیر قری کا دیوان و نسبت“ تو یہ قصیدہ پیش نظر ہو گا اور جو اُس کے قافیے کا شعر دیکھا ہو گا، اُس پر لکھا ہو گا۔  
 والہ اگر تمہارے اس خدا کو دیکھنے سے پہلے میں یہ بھی ہانتا ہوں کہ اس زمین میں نظیر قری کا قصیدہ بھی ہے، اچھا ہے اس کو وہ شعر، بھائی! شاعری، معنی آنکھ میں ہے، کاغذ پر پائی نہیں ہے۔

”زبان“ لفظ عربی ”ازمنہ“ جمع ”دونوں طہرج فارسی میں مستعمل“ ”زبانے“ ”ایک زبان“ ”ہر زبان“ ”زبان زبان“ ”زبان زبان“ ”زبان زبان“ ”زبان زبان“ ”زبان زبان“

”صبح“ جو اس کو غلط کہے وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے مثل ”صبح“ و ”سوجا“ یہاں بھی  
 ”جے“ بڑھا کر ”زند“ استعمال کیا ہے۔ ”یک زبان“ کو میں نے کہیں غلط نہ کہا ہوگا،  
 ہندی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت؟

سنو میاں! میرے ہم وطن یعنی ہندی لوگ جو ادبی فارس والی میں مانتے  
 ہیں، وہ اپنے قیاس کو عقل دے کر ضابطہ ایجاد کرتے ہیں، جیسا وہ گھاگھس، او  
 عبدالواسع ہنسوی لفظ ”امراد“ کو غلط کہتا ہے اور یہ آخر کا پٹھا قیاس ”صفت کردہ“  
 شفقت کردہ“ و ”نشر کردہ“ کو اور ”ہر عالم“ و ”ہر جا“ کو غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی  
 ویسا ہی ہوں جو ”یک زبان“ کو غلط کہوں گا؟ فارسی کی میزان یعنی ترازو میں کھڑے ہاتھ  
 میں ہے۔ **يَقِيْلُ الْحَدَّ قَوْلُهُ الشُّكْرُ؟**  
 مرقوم چار شعبہ ۲۷، ماہ اگست ۱۸۹۶ء

(۹۵)

بھائی!

”ریمیا“ و ”سیمیا“ فراموش ہے، اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو از سطر اور انطون  
 اور بوعلی نے بھی کچھ اس بابہ میں لکھتے، ”کیکیا“ اور ”سیمیا“ وہ علم شریف میں، جو اسٹیا کی  
 تاثیر سے تعلق رکھے وہ ”کیکیا“ اور جو اسما سے تعلق ہو وہ ”سیمیا“

جاں غم سیمیا نمود ہے

دل سوے کیسیا نیا قدم

شعر بامنی ہو گیا، یہ نہ سمجھا کر ذکر اگلے جو کچھ ملے ہیں، وہ حق ہے، کیا آگے آدمی حق  
 پیدا نہیں ہوتے تھے؟

”زمان“ و ”زمانہ“ کو میں پامل ہوں جو غلط کہوں گا؛ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں ”زمان“ و ”زمانہ“ لکھا ہو گا۔

وہ شعر کس واسطے کہانگیا؛ سمجھو پہلا مصرع لغو دوسرے مصرع میں ”نہیو“ کا ناعلیٰ مدوم۔ ”مطلقاً زمانہ کی“ نے ”پر فطرۃ تھا۔ میں نے غصے میں لکھا کہ ”مطلقاً زمانہ“ درست د ”مطلقاً زمانہ“ درست۔ مگر یہ غلطی پیدا نہ ہے ”خیر یہ ہے وہ۔ مڑا ہوں“ مجھے سمجھاتے ہو کہ ”مدہا و کلام الہی زبان خواہستہ یافتہ“ مگر میں باقی کلام الہی زبان نہیں:

مگر وہی چرخ استخوان سازند

اس کو بہت سہ ہے:

سودہ شد استخوان مگر وہی چرخ

باقی اور مصرعے سب اچھے بنائے گئے۔

انگست سلسلہ

غالب

(۹۶)

مرزا الفت:

جو کچھ تم نے لکھا ہے، جے درویش ہے اور چنگانی، مَنَّاوُ الْفَتَّہِ اتم ہے اور آئندگی؛ مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الہی رکھتا ہوں، جس کا ہرگز پال نام اور گفتہ قلم ہے۔ تم ایسی کون سی بات لکھو گے کہ موجب سوال ہو؟ یہ افسانہ کہنا، اُس کا حال یہ ہے کہ میرا حقیقی بھائی علی ایک تھا کہ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا، خطا وہ جیتا ہوتا اور ہوشیار تھا اور تھاری

بڑائی کہتے تو میں اُس کو جھڑک دیتا اور اُس سے آندود ہوتا۔ بھائی! مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہے۔ برسات کی مصیبت گزر گئی لیکن بڑھاپے کی سشتے بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں، بیٹھ نہیں سکتا، اکثر لیٹے لیٹے نکلتا ہوں۔ مہذبہ بھی ہے کہ اب ششی تمھاری پختہ ہو گئی، خاطر میری جمع ہے کہ اصلاح کی حاجت نہ پاؤں گا۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ تمھارے سب عاشقانِ دُش 'ہم کا یہ آندود نہیں خیر' کہیں دیکھ لوں گا، جلدی کیا ہے؟ تین بات جمع ہوئیں: میری کاہلی، تمھارے کام کا مستاج، اصلاح نہ ہونا، کسی قیود سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا۔ نظریں مراتب پر کاغذ پڑے رہے۔ حال بالکل بدلے جبر کا ایک پارسل ہے کہ اُس کو بہت دن ہوئے، آج تک سڑا رہی نہیں نکھو۔ فواب صاحب کی دلی پندہ غریبیں پڑی ہوئی ہیں:

صفت نے غالب کھنا کر دیا

ورد ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قیود تمھارا کل آیا۔ آج اس وقت کہ سورج بلند نہیں ہوا، اُس کو دیکھا، الفاظ کہا، آدمی کے ہاتھ تھک گھر بھجوا یا۔

غالب

۴ نومبر ۱۹۷۷ء

(۹۷)

صاحب بندہ!

میں نے جس کا ایک ایک خانہ دیکھا، سوائے تین کاغذوں کے، کوئی کاغذ تمھارا نہ رہا۔ اور اس وقت کہ سبب کم فرسختی کے میں روایت اُن تینوں قیودوں کی

نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ پچاس کاہر انتخابے حالات ناز و شست ہو گیا ہے،  
مٹ نہیں گیا۔ ویرا یہ تو درست آیا: **إِنْ شَاءَ اللَّهُ**۔

اب میرا حال سنو:

وہ نومبہر کا جسے امید است

پایا یا شب سیم اسپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو سات پارچے اور تین رقم ہواہر  
خلعت ملتا تھا۔ لاڈ و کیناک صاحب میرا اور بار و خلعت بند کر گئے۔ میں ناٹھیںد ہو کر  
بیٹھ رہا اور صحت العمر کو ایس ہو رہا۔ اب جو یہاں فطرت گزرتا پنہاں آئے ہیں  
جانا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملیں گے۔ کل آنکھوں نے مجھ کو بٹا بھیجا۔ بہت سی عزابت  
فرمائی اور فرمایا کہ لاڈ و صاحب دئی میں دوبارہ کر رہے گے، میرٹھ جوتے ہوئے اور  
میرٹھ میں اُن اختلاف کے علاقہ داروں اور مال گزاروں کا دوبارہ کرتے ہوئے، انہا لے  
جائیں گے! دئی کے لوگوں کا دوبارہ وہاں ہو گا۔ تم بھی انہا لے جاؤ، شریکو دوبار ہو کر  
خلعت معمول لے آؤ۔ بھائی! کیا کہوں کہ کیا میرے دل پر گزری ہو گویا مردہ جی! اٹھا  
مگر ساتھ اُس مسرت کے یہ بھی سستا نا گزرا کہ سامانی سفر انہا لے و مصارف بے انتہا  
کہاں سے لائیں اور طرہ کہ نقد معمول میری قصیدہ ہے۔ ادھر قصیدہ کی نگرانی  
رو پیسے کی تدبیر و محاسن ٹھکانے نہیں۔ شکر کام دل و دماغ کا ہے، وہ رو پیسے کی  
نقد و شکر پریشان۔ میرا خدا یہ شکل بھی آسانی کرے گا لیکن اہی دنوں میں نہ دینا کہ پیسہ  
بے اذ مات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تھیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب  
صاحب کو لکھ کر بھیج دی ہیں۔ بیٹا رہا تو انہا لے ہے اگر خطا لکھوں گا۔

روز چارشنبہ ۳۳ رمضان ۱۲۸۵ھ

۳۳ مارچ ۱۸۶۹ء



(۹۸)

لو صاحب!

ہم نے لغت گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قناعت کر کے انہاں کے  
کاہانہ موقوف کیا اور ہڑے گورنر کا دوبار اور خلعت اور وقت پر موقوف  
رکھا۔ بید ہوں! اتھ پر ایک زخم زخم کیا ایک غار ہو گیا ہے۔ دیکھیے انہاں  
کار کیا ہوتا ہے۔

پیر علی شہزادہ<sup>۱</sup>  
غائب

(۹۹)

حضرت!

آپ کے سب خطا پہنچے، سب قصیدے پہنچے۔ بعد اصلاح بیگ دیے گئے۔  
شہر برس کی عمر آلام روحانی، نہ میں کہوں نہ کوئی باور کرے۔ اعراسی ہمانی میں کیا  
کلام ہے؟ بائیں پاؤں میں مہینا بھرے دم ہے، کھڑے ہونے میں دھیمی پھٹنے لگتی  
ہیں۔ افعالی داغ ناقص ہو گئے، حافظ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ قصہ حضرت ایک قصیدہ  
سابق کا اور ایک کل کا کیا ہوا؟ دونوں ایک لغاتے میں آج رواذ کرتا ہوں۔

جمہد ۳ جولائی ۱۹۳۷ء<sup>۲</sup>  
غائب

(۱۰۰)

حضرت!

پرسوں صبح کو قصائد سب کو اخذ ایک لغاتے میں بند کر کے ڈاک گھر۔

بھرا دیے۔ کھانا اب چند روز کو جان پئی۔ اُسی دن شام کو ایک خدا آپ کا اور بیٹا  
 اُس کو بھی روانہ کرتا ہوں۔

اپنا حال پر سوں کے خدا میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنیٰ بات یہ ہے کہ جو  
 کچھ لکھتا ہوں، وہ بیٹے بیٹے لکھتا ہوں۔ مزے کی بات ہے کہ میرا لکھا ہوا میرا  
 حال باور نہیں اور کسی نے جو کہ دیا کہ غالب کے پاؤں کا درم اچھا ہو گیا اور اب  
 وہ خوب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ میں برس آگے  
 بات تھی کہ ابرو باداں میں یا پٹیل از طعام چاشت یا قریب شام میں عکاس پی پیتا  
 تھا اور شراب شہاد معمولی میں جھرانہ پیتا تھا۔ اس میں برس میں برس میں ہر سال  
 ہونے بڑے بڑے سینہ برسے، پینا یک طرف دل میں بھی خیال نہ گزرا بلکہ رات  
 کی شراب کی مقدار کم ہو گئی ہے پاؤں کا درم حد سے زیادہ گزر گیا۔ مادہ قلیل کے قابل  
 نہ تھا، کھولنے شروع ہو گئی۔ حکما جو دو میں یہاں ہیں، اُن کی داسے کے مطابق کل سے  
 یب کا بھرتا بند ہے گا۔ وہ چکا لائے صفا، تب اُس کو پھوڑنے کی تدبیر کی جائے گی اتلوا  
 زخمی پٹلی زخمی، اگر وہ نالو ہے درد بھوٹا ہے تو اُس پر ہزار لعنت اور اگر میں جھوٹا  
 ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء

(۱۰۱)

عزیز القضا!

۵ غلطی تھا اسے سلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر: مزدوں ہو۔ بڑی قہامت  
 ہے کہ "الم" ہر شعر: لفظ عربی ہے۔

”دیگر تو میں گفت افسوس را کاظم است“

منگر بھرا وہ ہر جاتی ہے۔ مہاکا خدا کی نویسیاں ہم نے یوں بھی لکھا ہوا کاف کے استقام  
کی کیا توجیہ کر سکے؟ اور پھر اس صورت میں بھی تو بھر بدل جاتی ہے۔ کاپیڈ اس شعر  
کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے تمہیں قصائد لکھنے کو کہا تھا اب ہم منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ  
قصائد نہ لکھا کرو۔ مروج بہ شرط ضرورت لکھو منگر بہ نگر و نگر۔

۱۱ جولائی ۱۹۳۷ء

غائب

(۱۰۴)

پتہ ہے اگر آپ استاد کا مہر نہ تھتے تو میں ”برصے استاد“ نام لکھا کرتا  
کے بھٹتا؟

ہر افسوس نصیحت کرے یا دوست

نہاں میں ازمیں چہ ہمیش آویست

میں نے سوچا کہ میں اچھا ہوں اُس کو آپ بچہ سمجھ کر خدا کا شکر بجا لاتے۔ وہ  
جو میں نے لکھا تھا کہ مشنری مرض کا بیان مبالغہ شاعرانہ ہے اُس کو بھی آپ  
نے پتہ چلا جانا ہو گا۔ حال اُن کو یہ دونوں ملے ازراہ طنز تھے۔ میں جھوٹ سے  
بچا۔ سوں اور جھوٹے کو سلکون جانا ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بڑا۔ جب تم  
نے کسی طرح یہاں واقعی کو بارہ دیکھا تو میں نے تمہیں لکھ بھیجا کہ احباب  
ہوں۔ سو۔ یہ منکر تمہیں میں نے جب لکھا ہے کہ مجھ کو دیا ہے۔ جب تک  
دم میں دم ہو۔ ہاتھ میں جینسنس ٹکڑ ہے۔ جب تک موقعی اصلاح عیب

میں آسکتا ہے، آج جو تھا اور دفتر پہنچے گا، اُس کو کل روانہ کر دیا کروں گا۔  
 مجھے حال میرا یہ ہے کہ قریب بہ مرگ ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں بھوٹے  
 پانچویں دم۔ زہرا اچھے ہوتے ہیں مذیہ رفع ہوتا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا، لیٹے  
 لیٹے نکلتا ہوں۔ کل تھا اور دور تھا آیا۔ آج صبح کو لیٹے لیٹے اُس کو دیکھ کر نہیں  
 سمجھوایا۔ زہرا تم مجھے تلخ دست چکے جاؤ اور دفتر کے دفتر بھیجتے رہو ایک  
 دن سے زیادہ توقف نہ کروں گا۔ قریب بہ مرگ ہوں تو بلا سے۔

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۱۰۴)

صاحب :

”کشیون“ کی جگہ ”درکشیدن“ و ”برکشیدن“ بلکہ ”برکشیدن“ کی جگہ  
 ”درکشیدن“ نہ جاسیے۔ ”برآمدن“ و ”درآمدن“ کا استعمال بعض متاخرین نے  
 عام کر دیا ہے، یعنی ”درآید“ سے ”برآید“ کے معنی لیے ہیں، لیکن ”درکشیدن“ اور  
 ”برکشیدن“ اور۔

میں قریب بہ مرگ ہوں۔ پانچویں دم نے اور ماخہ کے بھوٹے نے مار  
 ڈالا ہے۔ باور کرنا اور میرے سب آدمی، بلکہ بعض دوست جو روز آتے ہیں وہ  
 بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا، نیا سون، خطروا  
 کی خبر یہ لیٹے لیٹے جاتی ہے۔ اشعار صلاح کو بہت جگہ سے آتے لیکن سب  
 گونج کر پاد ایک رئیس رام پور اور ایک نم، ان کی اصلاح رہ گئی۔

بارتھ منبر ۱۸۶۳ء

(۱۰۵)

فوج چشم غالب از خود رفت مرزا آفتاب!  
خدا تم کو خوشش اور تند دوست رکھے۔ نزد دوست بھیل نہ میں کا ذہب!  
ننگر۔ قول میر تقی :

اتفاقات ہیں زمانے کے  
ہ ہر حال کچھ تدبیر کی جائے گی اور ایشیاء انا کے صورت وقوع جلد نظر  
آئے گی۔ کجب ہے کہ اس سفر میں کچھ نائد نہ ہوا،  
یا کرم خود نائد در عالم  
یا ننگر کس دریا زمانہ نکرو  
افیناے دہر کا مدح سرائی موقوف کرو۔ اشعار عاشقانہ بہ طریق غزل کہا کرو اور  
خوشش رہا کرو۔

مرشد ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

نجات کا طالب غالب

(۱۰۵)

صاحب!

میں پارسل اشعار کا ایک آئینہ لٹکا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ  
پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں  
کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمت چھار تاخاوندہ آدمی، اس کا حکم بجا لایا اور  
اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا۔ وہ لفظ کہ یہ خط نہیں ہے، پارسل بنا  
دست آویز معقول ہے۔ اگر ہاں کے ڈاک کی تم سے خط کا حصول مانگیں تو تم  
اس جیلے کے ذریعے سے گفتگو کر لینا۔

مکان میرے گھر کے قریب، حکیم محمود خاں کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس، بازار بھی قریب۔ لٹھائی روپیے کرسیے کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دوں گا۔ بعد ایک ہفتے کے اگر تھا رام ساغر نہ آیا تو مجھے اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے۔

دام پور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ میں والی رام پور کو لکھ سکتا ہوں، نہ اس نہ لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر کبھی ریل میں بیچہ کر آجائے تو زبانی کہہ دوں گا۔

سرخسب ۳ ریحہ الثانی دشم سنہ ۱۳۶۲ھ

غائب

(۱۰۶)

بھائی!

تم بچہ کہتے ہو کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھتا کہ تمہارے ہی قصائد پڑھے ہیں۔ لو اب صاحب کی غزلیں بھی اُسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال قصیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرسیے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مہینہ شروع ہوا۔ خہر میں سیکڑوں مکان گروے اور مینہ کی نئی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی کا تلے پہ نکلیں۔ بالا خانے کا جو دالان میرے بیٹھے اٹھنے، سونے جاگنے، بیٹھنے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرا نہیں، لیکن چست چھلتی ہو گئی۔ کہیں انگلیں کہیں چلیں کہیں اکھا لداں رکھ دیا۔ قلم دان، کتابیں اٹھا کر تو تھے خانے کی کوٹھری میں رکھ دیے۔ مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔ کشتی نوح میں تیں مینے رہنے کا اتفاق

ہوا اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی ملازمین اور تھاہارے قصاب دیکھے جائیں گے۔ میرا بادشاہ میرے پاس آئے تھے، تمہاری خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی تھی۔ میرا قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پر سوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات اُن سے ہوئی ہے۔ ابھی نہیں رہیں گے، یہاں میں احمیٰ اللہ خاں سوانج ہیں۔ قصد ہرجنگ ہے، جو نکلیں لگ چکی ہیں، اب سہل کی نگر ہے۔ سوا اس کے سب طرح کی خیر و عافیت ہے۔ میں اُنہیں بہت ہو گیا ہوں، گویا صاحب فراخ ہوں۔ کوئی شخص نیا، تکلف کی ملاقات با آہلئے تو اکٹھا بیٹھا ہوں، ورنہ بڑا رتبا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں، لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ اللہ اللہ صبح حمد و ثناء لکھتا ہوں۔

۱۰۷

منشی صاحب!

میں سالانہ خدمت بیاد تھا۔ بیماری میں خدمت و احباب سے متعلق نہیں رہا اب روزہ ہوں، روزہ کچھ کام نہیں کر سکتا۔ کشتور و اپنی کشتور و غیر حکام شہر سے کتب و کتابت ہے۔ مگر اپنی کشتور شہر سے کہ وہ ہتھم خوانا ہے، ہر جینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے۔ اگر دلوں، تو میرا، تو تھکاؤ نہ ملے، مگر وہ صاحب اپنی کشتور چمے، جینے کی رخصت لے کر بیاد پر ملے۔ اُن کی جگہ رنجی گن صاحب مقرر ہوئے، اُن سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعرا سے بندہ آخری کا میں لکھتے ہیں، مجھ سے بھی کھوئے مدد دیاں۔ میں نے سات سات کتا میں سوائی ضیا اللہ، خاں صاحب سے استفادہ کر کے پاس بھیج دیں۔ یہ انھوں نے مجھ سے لکھا کہ میں تھرا لکھتی ہوں، جانتا ہے، کتا مال لکھ بھیج، یہ نے سہ، تو لکھ بھیج تھرا

اس کے گلاب زندہ موجود ہیں اور اس سودا کی مصیبت یہ ہے :

نواب عبداللہ دین احمد خاں بہادر گیسو پورہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ فارسی میں بجز اور اردو میں برحقانِ نخلص کرتے ہیں، اسد اللہ خاں غائب کے شاگرد۔ نواب مصطفیٰ خاں بہادر علاقہ دہلی جہاں گیسو آباد اردو میں شیعہ اور فارسی میں حنفی نخلص کرتے ہیں۔ اردو میں مومن خاں کو اپنا کلام دکھاتے تھے منشی ہر گوبال مسوز تانوں گو سکندر آباد کے، فارسی شعر کہتے ہیں آفتہ نخلص کہتے ہیں۔ اسد اللہ خاں غائب کے شاگرد۔ ظاہر بعد میں فہرست کے بھیجنے کے انھوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا ہوگا، پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں۔ تمہارے خط کی زد سے میں نے اطلاع پائی اب میں مولوی مظہر الحق، ان کے منشی کو بلوائوں کا اور سب حال معلوم کروں گا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے، اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شمال دیکھا جائے گا، صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن و وطن کا نام مع نخلص درج ہوگا۔ خدا کے کچھ قسم کو نادمہ ہو جائے۔ ورنہ بہ ظاہر ہوسکے صریح ہونے نام کے، اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔

رہی گئے صاحب اب عدالتِ خفیہ کے جج ہو گئے۔ اگرچہ صاحب پہاڑ سے آئے، اپنا کام کرنے گئے۔ رہی گئے صاحب شہر سے باہر دوسرے کے نام سے پر جا رہے۔ معذرتاً اسے کالو سم بڑھا ہے کالو عالم، وہاں تک جانا دشوار اور پھر کوئی مطلب نکلا ہوا نظر میں نہیں۔ بہر حال، مولوی مظہر الحق پرسوں یک سنبھلے کے دل میرے پاس آئیں گے، حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری نجات کا موجب ہوگا تو ضرور یاد دل دے گا۔



(۱۰۸)

آؤ مرنا لفتہ، میرے گلے لگ جاؤ، بیٹرا اور میری حقیقت سنو، ایک تھپے کو مولوی منظر الحق آئے تھے، اُن سے سب حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو اُن کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم رچی لکھن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دونوں دیکھن تمھارے اور نشر عشق اور ایک تذکرہ، یہ چار کتابیں تمھاری بھیجی ہوئی، اُن کو انہیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمھارے بہت معتقد ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں اننا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس انکسار کا یہ کہ تمھارا ذکر بہت اچھی طرح لکھیں گے۔ باقی باریز شہادت ہاں میں کے تحت میں چندہ میں دوپے شاہرے کے علاقے ہیں، اگر تمھاری اجازت ہو تو اس امر میں اُن سے کلام کروں۔

میرا محبوب حال ہے، حیران ہوں کہ تمھیں میرا سلام کیوں باور نہیں آتا؟

گمانِ زیست بُنڈہ بر منتِ زبیدِ مدی

بدستِ مرگ، دلے بدتر از گمانِ تو نیست

مساعد مر گیا تھا، اب بامرہ بھی منیت ہو گیا۔ جتنی قومیں انسان میں ہوتی ہیں سب مشغول ہیں۔ حواس سراسر مشغول ہیں۔ حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی۔ رئیس رام پور سومد پیسے بیٹھا رہتے ہیں، سال گذشتہ اُن کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا، متوقع ہوں کہ اس خدمت سے معاون رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کا سرکار سے ملتا ہے، مومن خدمات کو ساجد میں شمار کیجئے تو میں ”سکالر“ بھی، ”وزیر خیرات“ خواہ بھی، اور اگر یہ طریقہ خدمت ہے تو جہ آپ کا مرخص ہے، وہی میری

قسم ہے۔ ہر من سے کہ کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرر ہی تو بزرگ آئی، اسے  
 دیکھتے آگے کیا ہوتا ہے؟ آج تک نواب صاحب اندا و حواں مروی دیے جاتے  
 ہیں، اور بھائی، تمہاری مشق، چشمِ جود صاف ہو گیا۔ رطب دیا میں تمہارے کلام  
 میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی ز خواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو  
 میری جان امیر سے بعد کیا کرے گی؟

میں تو چراغِ دم صبح و آفتاب سرکہ ہوں۔ اِنَالِیْہُوْا اِنَالِیْہُوْا چٹوڑا۔

۱۴ رجب ۱۲۸۵ھ

۱۴ دسمبر ۱۸۶۷ء

نجات کا صاحبِ غائب

(۱۰۹)

منشی صاحب سادت و اقبالِ نشان، منشی ہر گویاں صاحب سلب اللہ تالی

غائب کی دعا سے درویشانہ قبول کریں۔

ہم تو آپ کو مسندِ آبادِ قانون گویاں کے محلے میں کھٹے ہوتے ہیں اور آپ  
 لکھنؤ، راجا مان سنگھ کی حویلی، مطبعہ اودھ اخبار میں بیٹھے ہوتے مدارِ احد لکھنؤ  
 کا پی سہ ہیں اور منشی نول کشود صاحب سے آئیں کر رہے ہیں۔ بھلا منشی صاحب  
 کو میرا سلام کہنا۔ آج یکشنبہ ہے، اخبار کا لفاظی ابھی تک نہیں پہنچا۔ ہر چہ تو  
 پہنچنے، بعد سے کہ پہنچتا تھا۔

مرزا الفت کیا فرماتے ہو؟ کہے رہی گن صاحب، کہاں رہی گن صاحب، پہنچنے  
 کے دن، انہیں جنوری سنو حال کو وہ خواب کو گئے۔ ملتان یا پشاور کے خط میں  
 کہیں کے ماکم ہوئے ہیں۔ میں اپنی باتوانی کے سبب ان کی ملاقات تو دیر کو نہیں گیا۔  
 افراد الحق گھاٹ پر تو کر ہیں، پندرہ روپے شاہزادے ہیں۔ زیادہ زیادہ۔

یکشنبہ، ۱۴ جنوری ۱۲۸۵ھ

نجات کا صاحبِ غائب

(۱۱۰)

میرزا آفتاب، کہ پیوستہ بدل ما دارد  
ہر کہا ہست، خدا یا سلامت دانش

صاحب:

کچھ باری چاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر منتظر کہ کہاں بھیجوں؟ اب جو تمہارا خط آیا، معلوم ہوا کہ حضرت ابھی لکھنؤ میں رونق افروز ہیں۔ خط نہ بھیجوں تو گنہگار۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مجھ میں اصلاح کی شقت کی طاقت نہیں رہی، مہذا تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے، اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک آٹھیں شکار رکھتا ہے، جب وہ جوان ہوتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے۔ یہ میں نے نہیں کہا کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو نخل، تعیدہ لکھا کرو، مسمومہ مل ایک نخل اُس کی ضرورت مجھ کو بھیجا کرو۔

غالب

فروری ۱۸۵۷ء

(۱۱۱)

میرزا آفتاب: پیر شود بیا موز۔

تم خوش گو اور نودو گو مقرر ہو لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو، وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس و ڈالتے ہو، وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے، کہیں خلاف۔ عرتی کہتا ہے:

روح را ناستا فرستادی

یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ "ناستا" اُس کو کہتے ہیں جس نے کچھ کھایا نہ ہو۔ ہندی اُس کی: "نہار منہ" تم لکھتے ہو:

کہ عجب ناستا فرستادی

یعنی خدا سے صحیح، جیسا کہ ہندوؤں میں مشہور ہے: اُس نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں؟ واقف کہتا ہے:

سے محرمِ قرض، نہ بہ دامِ آشنا شدریم  
نفرینِ کینمِ ماعت پر دلازِ خویش را  
یہ بھی ہندو کی ناری ہے: ”بہی گھڑی“ اور ”سبھ گھڑی“: اہل زبان ایسے موقع  
پر طالع لکھتے ہیں:

نفرینِ کینمِ طالع پر دلازِ خویش را

قتیل کہتا ہے:

یکساں خوب جاتے بکسے توڑخوں پاکِ خود  
شکستہ پر شکستہ تپاں بود، دگر خاکِ خود

یہاں ”پچکا نہ بود“ کا مہل ہے۔ ہندی میں ”کچھ نہیں“ کی جگہ ”خاک نہیں“ ہوتے  
ہیں اور پھر صاحبِ تبرہ لڑکا طالع کا کیا ذکر کرتے ہو، وہ تو ہر سنت کو تینوں  
موتوں سے لکھتا ہے، ازبہ، زبہ، پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہے۔ لکھتا ہے کہ  
یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے۔ جس لغت کو کاتبِ عربی سے لکھے گا،  
کاتبِ فارسی سے بھی بیان کرے گا۔ جس نسخہ کو طالعِ معلیٰ سے لکھے گا، اسے  
قرضت سے بھی ضرور لکھے گا۔ نسخے لکھنے کے واسطے دیکھو کہ وہ اُس کی کیا تحقیق  
کرتے ہیں۔ ”بیبا“ ”نہت“ کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ ”امام“ ”امام“ کے  
مشتقات میں سے زہد نہیں۔ ”بہی“ ”بہی“ کا مخفف ”بہی“ اور ”امام“ کا مشتق اگر مذکر  
ہے، تو ”امامی“ اور اگر مؤنث ہے تو ”امامی“۔ طائر نے ہندی لغت کے لئے اس  
کیا ہے:

وقتِ آں آمد کہ مینا را گبِ ہندی سر کند

اور اساتذہ کو اس کا التزام منظور نہیں مگر کیا کریں؟ گروہوں کا نام ہے ایک  
 گھنٹہ کا، اس کو کیوں کر بدلیں؟ ہاں "گروہ" کے واسے قرشت کہیں گے۔ گھنٹہ نام  
 ہے ایک شہر کا، وہ "گھنٹہ" بغیر اسے غلط کے کیوں گے۔ فی زمانہ "چھاپہ"  
 کو چاہتے ہوتے ہیں۔ قرنی "جھگڑ" کو "جگڑ" بولتا ہے:

آں باد کہ در ہند گر آید "جگر" آید

اسے فقیر، اسے غلط، تشدید، یہ تینوں لفظاں ملتی ہیں۔ صاحب "برہان  
 قاطع" اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے اور زبان علمی اہل ہند میں بھی اس کو مستحکم  
 جانتا ہے، اپنے گروہ اور خلق کو گمراہ کرتا ہے:

ہر نہ مشتاب و پے بارہ مشناساں بردار

لے کہ در راو سخن چوں تو بہر آمد و رفت

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم شخصیت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی  
 کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے۔ فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس پر ہے،  
 جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا، وہ لکھ دیا۔ لفظی و معنی دینی کی بھی ہوتی فرہنگ ہو،  
 تو ہم اس کو انیں۔ ہندوؤں کو کیوں کر مسلم الثبوت جانیں۔ گلے کا بچہ بہ ندر  
 سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگتا، بنی اسرائیل اس کو خدا سمجھے۔ یہ جھگڑتے تھے  
 ہانے دو، دو باہمی سنو: ایک تو یہ کہ "ارغنون" کو بہ نہیں معنوم میں نے سہو  
 سے لکھا۔ دراصل "ارغنون" بہ نہیں مقنوج اور مختلف اس کا "ارغن" اور بدل  
 منہ "ارگن" ہے۔ دوسرے یہ کہ جب موسوی خاں نے "ایوانے کو" "ایوانہ"  
 لکھا تو اس لفظ کی صحت میں کچھ تالی نہ رہا۔

دام پور سے اپریل چھپنے کا روپیہ اور تعزیت و جہت کے خط کا جواب

آگیا آئندہ جو خط چاہے؟

نجات کا طالب صاحب

یکشنبہ ۱۴ مئی ۱۳۵۶ھ



والوں نے اشیاءِ تقدس میں ترکیبیں دیکھیں، اپنا قیاس ڈال کر اُس کی حقیقت ٹھہرائی کہیں ان کا قیاس غلط نہیں صحیح۔ سو ان میں یہ دیکھی آیا کچھ قسم ہے کہ اُس کا قیاس سوغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو۔ میں نے توصیف لکھ دیا تھا کہ موسوی خاں کے شعر کی سند پر ایسا کو رہنے دوا، مگر صائب کے شعر میں "ایسا کو الگ از بیعتاۃ کو جدا نہ سمجھو۔ تمہارے قیاس نے پھر تمہیں کہیں کہا کہیں پھینکا اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے "ایسا" لکھا ہے۔

آخر مئی ۱۹۶۶ء  
نہات ۲۰ غالب رات

(۱۹۳)

میرے مہربان، میری جان، مرزا قاسم سخن دان!

تمہارا اسکند آباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تقریر سے معلوم ہوا۔ زندہ رہا اور خوش قسمت رہا۔ میں شرکی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا، بھیک مانگنے آیا ہوں۔ مرنے اپنی گھر سے نہیں کھانا سرکار سے ملتی ہے۔ وقت و رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت۔ نواب صاحب از دوسے صورت اور جرح مجسم اور بہ اعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں، خزانہ فیض کے تحریک دار ہیں جو شخص وغیر ازل سے جو کچھ لکھا لایا ہے، اس کے پتے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کچھ ہزار روپے سال نکلے کا حصول معاف کر دیا۔ ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا محاسب معاف کیا اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نواز کشتور کی عرضی پیش ہوئی حکام عرضی کا من لیا، واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ، تقریب شادی صبیہ تجوید مہدی ہے، مقدار مجھ پر نہیں کھلی۔

بھائی مصطفیٰ خان صاحب، تقریب تنہیستو مند نصیبی و شمول و جوش آنے

دے ہیں، اس وقت تک نہیں آئے۔ جن حکم و سبب سے شروع پہلے دھبہ کو خلعت کا  
آنا شروع۔

دوسرے ۱۰ نومبر ۱۹۸۷ء کو وقت چاشت  
نجات کا طالب نائب

(۱۱۴)

لو صاحب!

کچھ ہی کھائی، دن بیٹھے  
کپڑے پھاٹے گھر کو آئے

آٹھ جنوری ۱۹۸۷ء سالِ حال، دو منجنے کے دن غضبِ الہی کی طرح اپنے گھر  
پر تازی ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا آرام پسند میں لے پایا،  
جب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد دعا لگی کے مراد آباد میں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔  
پانچ دن صدمہ صدمہ کے ہاں پڑا رہا۔ انھوں نے بیمار و مری اور غم خورای بہت  
کی۔

کیوں ترک لباس کرتے ہو؟ پہننے کو تمہارے پاس ہے کیا جس کو  
اُٹار کر بھینک دو گئے؟ ترکِ لباس سے قیدِ ہستی مٹا نہ جائے گی۔ بغیر کھائے  
چپے گزارنا نہ ہوگا۔ سختی و سستی، رنج و آرام کو ہمارا کردو۔ جس طرح ہو، اُسی  
صورت سے، بہ ہر صورت گزرنے دو:

ناب لائے ہی بنے گا غائب  
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

جنوری ۱۹۸۷ء

اس خط کی رسید کا طالب  
نائب



(۱۵۵)

مرزا تقی صاحب !

پر سوں تھا مارا دوسرا خط پہنچا۔ تم سے پردہ کیا ہے، ایک فتوح کا منظر ہوں، اُس میں میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے۔ غدا فتوح کے آنے کا قریب آگیا ہے، اُنٹ ڈائنڈ خط میرا مع صد فتوح جلد پہنچے گا۔ بندت بددیانتی تھا بددیانتی داس، ڈاک منشی کرنل آقاں کہ مجھ سے اُس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے، مگر میں جب جیتا تھا تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کے واسطے بھیجتا تھا، بعد اپنے مرنے کے میں نے اُس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہرگوپال تقی کے پاس بھیج دیا کرو۔ اب تم کو بھی لکھا ہوں کہ تم میرے اسی لکھنے کی اُن کو اطلاع لکھو۔

میں زندہ ہوں۔ اور میرے ضمیر میں جو اپنے کو مردہ لکھا ہے، وہ بہ اعتبار ترک اصلاح نظم لکھا ہے؛ وہ زندہ ہوں، مردہ نہیں۔ بیمار بھی نہیں۔ بولے گا، آقاں! مفلس قرض داں کالوں کا بہرہ، قسمت کا بے بہرہ، نزیت سے بیزار، مرگ کا بیزار

سید احمد رضا

غائب

(۱۵۶)

کا کلن ڈائنڈ ! کس ملعون نے یہ سببِ مذوق شعر اشعار کی اصلاح منظور لکھی؟ اگر میں ضمیر سے بیزار نہ ہوں، تو میرا خدا مجھ سے بیزار ہی نہ تو بہ طریقِ قہر و عیش بہ جانِ دہلیش لکھا تھا۔ جیسے ابھی جو نو بُرے خاندان کے ساتھ مرزا میرزا اختیار کرتی ہے، میرا تختہ ساتھ وہ مٹا رہے۔

میاں !

تمہارے اشتیاقات و ذہن نے ملہا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا کلام اچھا نہیں؟ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و تقدیر دان نہ ہو گا؟ مگر بات یہ ہے کہ تم مشقِ سخن کر رہے ہو اور میں مشقِ فنا میں مستغرق ہوں۔ دلی سینا کے علم کو اور نظیرِ تری کے شعر کو ماننے اور بے فائدہ اور موزون جانتا ہوں۔ تربیت بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت دیکھا رہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری، سب غرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اقرار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں بنی بنا تو کیا! دنیا میں نام آور ہوئے تو کیا اور گم نام بھی تو کیا! کچھ وجہِ سبب ہو اور کچھ صحتِ جسمانی، باقی سب دمِ مہم ہے اسے یاد رہا جاتی۔ ہر چند وہ بھی دم ہے مگر میں ابھی اسی پاسے پر ہوں، شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہِ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں، عالم بے رنگی میں گنپاؤں۔ جس مسئلے میں میں ہوں وہاں تمام عالم لگے دونوں عالم کھاتا نہیں۔ ہر گز کسی وجہِ مطالبی سوال کے دیے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اس سے کہ دیا ہوا بہت دیر ہوئی، لیکن سب کو دم جانتا ہوں۔ یہ دیا نہیں ہے، سزا ہے۔ ہستی نہیں ہے، پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے غلطے شاعر ہیں، مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر شہور میں گئے، لیکن کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ تم کو ہوا؟

قلبتہ تاریخ کیوں کر مجھوں؟ پھر تمہارے پاس کیجئے ہوں۔

”فاقہ معنی“ ہر معنی سمجھ کر کہا۔ صبح اور مسلم اور ہانز۔ لیکن جس طرح ”الذہب“ مفہوم کو دو نام کے قائم مقام قرار دیا ہے، ”الذہب“ اور ”الذہب“ میں امت مفہوم کو دوسرا امت کیوں کر سمجھیں؟ قیاس کام نہیں آتا، اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اور

کسی نے ”الٹی“ میں دو اہل نہیں ملنے تو ہم کیوں کر مانیں ؟

”دویم“ بروڈلین جویم ”غلط“ ”دوم“ ہے ، بغیر تھانی یا لغز میں تھانی بھی نہیں  
 تو ”ویم“ پڑھیں گے ، اگرچہ لکھیں گے ”دویم“ وادو کا اطلاق نکال باہر ہے ۔  
 ہاں ”دومی“ درست ہے مگر ذہن تھانی شکل ”دومی“ نہ بہ حذف دون بلکہ  
 بہ طریق قلب بعض ”دویم“ کا ”دومی“ ہو گیا ۔ کنزیر کی تاریخ کو بے تامل بیچا  
 دو اور تاریخ وفات کا اور ادہ سوچو ، کس واسطے کہ جب ”الٹی“ میں سے ایک  
 الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائے گا ۔ والذہا ۔

دو روزہ نامہ بلکہ دستور دو روزہ نامہ بعد طواف لونت خد یکشنبہ از نجات

صاحب :

واقعی ”سدا ب“ کا ذکر کتب میں ہی ملے اور قرآن کے ہاں بھی ہے ۔  
 تمہارے ہاں اچھا نہیں ہے عا تھا اس واسطے کاٹ دیا ۔ ”ترب“ کون سا لفظ  
 غریب ہے جس کو اس طرح لے چتے ہو ؟ عا قاتی کے کلام میں اور اساتذہ کے  
 کلام میں ہزار جگہ آیا ہے ۔ ”ترب“ اور ”سدا ب“ دونوں لغت عربی کامل  
 صحیح ہیں ۔

(۱۱۹)

حضرت :

اس قصیدے کی جتنی تعریف کر دی گئی ہے ۔ کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن  
 انہوں کو بے محل اور بے جا ہے ۔ اس مدح اور اس ممدوح کا جو چندہ حال  
 ہے کہ ایک موزے پر سیب کا یا بہن کا اور غمت آگ جلے ۔ خدا تم کو سلامت

دکھے۔ وہاں بے رونق کے خریدار ہو۔

(۱۳۰)

مرزا گفت:

کیا کہنا ہے! نہ پتھر کا چٹان غالب کا۔ مدارِ شمسِ صد ہزار آفریں  
اور مدوحِ سزاوارِ صد لغزیں۔

(۱۳۱)

میاں:

سنو، اس قیدے کا مدوح شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے جیسے ہم  
تم اپنے اپنے مسائل و مین سے جگہ ہم تم! وجہ و عدم و اقیانیت امور و دنیا سے  
لغز نہیں اور وہ شخص اس فن سے بیزار ہے۔ مدوح اسی کے وہ آئین کہاں،  
وہاں سے نکالے گئے، دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب سے آئے  
وہاں ایک بار میرے پاس نہیں آئے، نہ میں اُن کے پاس گیا۔ یہ لوگ اس عالم  
میں نہیں کہ ان کا نام لیجئے، چہ جائے اُن کو مدح کیجئے۔ اسے خود بخود:

اے دریغ! نیست مدوحِ سزاوارِ مدح

اے دریغ! نیست معشوقِ سزاوارِ غزل

غالب

(۱۳۲)

دل بے وفادار بود و من اند

در نظر با میر بود و من اند

مگر ”ہمد“ کے آگے کے دانوں کو موقوف اور محذوف کر دو گے تو چار سے نزدیک  
سلام سر سر بلینج ہو جائے گا۔

میری جان ! جو خیالات کہ مجھ کو تم سے ہے، شاید بہ سبب عبادت نہ  
کرنے کے، قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی اور بہ سبب خلاف شروع کرنے  
کے، صبر سے بھی نہ ہوگی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے۔

مرگ : اعلیٰ کا طالب غالب

(۲۲)

حضرت !

اس غزل میں ”پروانہ“ و ”پیانہ“ و ”بنت خانہ“ تین قافیے اصلی ہیں۔ ”دیوانہ“  
چونکہ علم قرار پا کر ایک لغت جدا گانہ مشخص ہو گیا ہے، اس کو بھی قافیہ اصلی  
سمجھ لیجئے۔ باقی ”غلامانہ“ و ”مستانہ“ و ”مردانہ“ و ”ترکانہ“ و ”ولیرانہ“ و ”شکرانہ“  
سب ناماکن و نامفہوم، ایذا اور ایذا بھی گنج۔ چھ بیت تعجب ہے کہ انہیں  
قافیوں میں ایذا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں اور پھر تم نے غزل جیسی انہیں قوافی  
پر رکھی۔ ”کاشانہ“ و ”شانہ“ و ”افسانہ“ و ”بازانہ“ و ”قروانہ“ یہ قافیے کبھی ترک  
کیے، یاد رہے، ساری غزل میں ”مردانہ“ یا ”مستانہ“ یا ان کے نظائر میں سے  
ایک جگہ آوے، دوسری بیت میں دہرانہ آوے۔ یہ غزل نظری ہو گئی اور غزل  
لکھ کر بھیجوا تا اصلاح دیا جائے۔

غلو کا طالب غالب





# نواب علاء الدین احمد خاں علائی

(۱)

مرزا جس کو دعا پہنچے۔ آنکھ کی گہا جی جب خود پک کر چھوٹ گئی تھی اور یہ یہ  
 علی گئی تھی تو لشتر کیوں کھایا؟ مگر یہ کہ بطریق خوشامد طبیب سے رجوع کی وجہ اس  
 نے لشتر تحریر کیا تو خواجی نے خواجی امثالہ امر کرنا پڑا اور شاید یوں نہ ہو کہچہ مادہ باقی ہوا ہر  
 مال کو نکال اپنے فضل و کرم سے شفا بخشنے۔

قطعا ہے

ہر مخلص اور محنتاں کا	بسکہ نعل مایہ زد ہے آج
دہرہ ہوتا ہے آب انسان کا	گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا	ہوک جس کو کہیں آدہ منتقل ہے
نشد خوں ہے ہر مسلمان کا	شہر دنیا کا قتلہ ذوق خاک
آدمی دلا نہ جاسکے یاں کا	کوئی داں سے نہ آسکے یاں تک
دہی مدتا تم و دل و جاں کا	میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا



عجاء جیل کر کیا کیے مشکوہ      سوزِ شہسوارِ داغِ ہستہ پہنوں کا  
عجاء رد کر کہا کیے ہاہم      ماجرا ویدہ ہستہ غمِ بانی کا  
اس طرح کے حالِ خطِ بابا      کیا مٹے دل سے داغِ بھجراں کا

روحِ ہمدرد

(۴)

آج جمعہ کے دن، ۱۵ رمضان کو، پہرہاں چڑھے ہمیں دوست کو میں کھا نا کھا کر باہر آیا تھا فاک کا پہرہاں تھوڑا خطا اور شہاب الدین خاں کا خط مٹا لایا مضمون دونوں کا ایک۔ واہ کیا مضمون! اپنی دلوں میں کہ سب طرح کے رنگ و عذابِ فراہم ہیں! ایک داغ بجز سوزِ سہمی ضرور تھا۔ شہنائی اُنشدا میں نے اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی یا دولت کی تاریخ سنی یا اب رحلت کی تاریخ لکھنی پڑی۔ یہ صد گارتم کو جیتا سکے اور نعم الہیٰ عطا کرے۔

میاں اس کو سب جانتے ہیں کہ میں ماریہ تاریخ نکالتے ہیں، ماجرہوں، لوگوں کے مادیہ ویدہ ہستہ نظم کر دیتا ہوں اور جو مادیہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں اور بیشتر ہر ہوا کرتا ہے، پڑا پنچا پہنے شہنائی کی رحلت کا مادیہ "صیلے دیوانہ" نکاتا۔ پھر اُس میں دے کہہ کے عدد نکالتے۔ تمام وہ پہرہاں نگوشہ وادیہ ذہبھاک مادیہ "دھو شہا" تھارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کہی کہ کسی طرح سات اس پر پڑھا لول "بارہ ایک قطبہ ست ہوا" مگر تھارے زبان سے، یعنی گویا تم نے کہا ہے۔ پانچ شعریں میں شعرا زاد اور پنج مدعا، لیکن میں نہیں مانتا کہ تمہارا چھاپے یا بُرا ہے۔ ہاں "اخلاق تو اہبت ہے" اصل سے کچھ میں آتا ہے اور شاید لوحِ حزار پر نکھدالنے کے قابل نہ ہوں

قطبہ

دور گرہ اگر دھوی ہم چشمی ماگرد  
پنج کہ شہدایہ ہمارے کل اڑ ما

ناچار مجرم شب و روز کہ این سبیل  
 باشد کہ ہمد کا لہو آب و گل اذما  
 گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش قسم  
 خود کرد ہر آورد غم عباں غم اذما  
 بچنی شد از مشعل سود غم ہجرش  
 چوں شمع وود وود بسر متصل اذما  
 غم دیوہ "نسبئی" پے تار کج و قاتلش  
 بنوشت کہ در داغ پسر سوخت اذما

"ما" کے عدد "۱۱۰" "دل" کے عدد "۳۳"۔ "ما" میں سے "دل" گید گویا "۶۱" میں سے "۳۳"  
 گئے۔ باقی رہے سات "۷" داغ پسر پر پڑے "۳۳" "۱۱۰" ہاتھ آئے۔

بہار امی ۱۸۵۵ء

۱۱ رمضان ۱۲۷۵ھ

(۳)

غائب غنا کم و تو بار بہار  
 مدقوانی مرا زحبا ہر دار  
 ہاں ہنسی از من چہ می خواہی  
 زحمت خویش چہ می خواہی

خوشی تجری تم میں مشترک ہے۔ تم نے مجھے تہنیت دی، تو مبارک، اور میں نے تمہیں  
 تہنیت دی تو مناسب، جیسا کہ، ہوا انگار بھائی پچ تو یوں کہ کہ ان دنوں میں ایسے پاس  
 ٹھک نہیں اگر ہر رنگ کچھوں تو کہا رانہ، "اتھ نہیں سکتا، ڈاک گھر تک جائے کون؟  
 ہر مقصود تمہارے والد ماجد سے اور تمہاری بہن ماجدہ اور تمہارے عم عالی مقدر سے

کہ چکا ہوں۔ خلاصہ کہ میری بی بی اور بچوں کو کہ یہ تمہارا قوم کے ہیں، مجھ سے ملے لو کہ میں  
اب اس بوجھ کا مقفل ہو نہیں سکتا۔ انھوں نے بھی بشرط ان لوگوں کے جواب دہانے کے،  
اس خواہش کو قبول کیا۔ میرا قصد سیاحت کا ہے۔ چنانچہ اگر کھل ہلے گا تو وہ اپنے مرنے کی  
دیا کر دیں گے۔ جیسا کہ میں نے کہا وہاں رہ گیا۔ جہاں سے دل اکھڑا چلا دیا،  
تو وہاں خواہستہ کر دیا۔

دوشنبہ ۲۲ اکتوبر ۱۳۴۵ھ

صفحہ ۳۳، اگست ۱۳۴۵ھ

غالب

(۴۴)

سبحان اللہ ہزار برس تک نہ پیام بھیجتا، دُعا لکھنا اور پھر لکھنا تو مسرور ہو لکھنا۔  
مجھ سے کتاب مستعار مانگتے ہیں۔ یاد کرو کہ تم کو لکھ چکا ہوں کہ ”وسایہ“ اور ”برہانِ قاطع“ کے  
سوا کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ انہیں جملہ ”برہانِ قاطع“ تم کو دے چکا ہوں۔ ”وسایہ“  
میرا ایمان و حزن ہے۔ اشعار مانگتے ہیں کہہاں سے لائیں؟ مانتا ہوں کہ وہ  
کوہِ قند ہے جو ایمان سے کڑکھ گزرتا ہے، گزرتا ہے کہ جہاں تھا، بھٹی گئی تھا، غلٹ پاتا تھا۔  
غلٹ موقوف، بھٹی متروک۔ نہ لڑل، نہ مدح، نہ زلی و نہ جو میرا نہیں، پھر کہہ کیا لکھوں؟  
بڑے پہاڑ کے سے پہنچ جاتے گورہ گیا ہوں، اکثر اطراف و جوانب سے اشعار آجاتے ہیں  
اصلاح پاتے ہیں، باور کرنا اور صلاحین واقع سمجھنا۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے  
اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پر ہے کہ تم یہاں آؤ، کاش، اپنے والد ماجد کے ساتھ چلتے  
اور مجھ کو دیکھ جاتے۔ انکو کہو ایمانِ رام پور سے لایا ہوں اور وہ آگے گیا ہے، وہاں منین  
ہو گا۔ ایک نسخہ تمہاری پاس بھی پہنچ چکا ہے گا۔

تم جاؤ تم کو میرے جو رسم و رواج ہو

مجھ کو بھی یاد ہے کہ تم کو کب تھا، ہو

موقوفہ دوشنبہ ۲۲ جولائی ۱۳۴۵ھ

صاحب :

میری داستان سننے پہنچی ہے کم و کاست جانتی ہوں۔ تو کہتا ہے سالہ یک مشت  
مل گیا۔ بعد ازاں حقوق چار سو روپے دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیا۔ آئے  
بچے بچے، نئی مہینہ بدستور ملا، آخر جون میں حکم آگیا کہ چنن وار علی العموم مشغلتی پایا کریں  
ماہ جادو چنن تقسیم ہوا کرے۔

میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی میں رہتا ہوں اب وہ حویلی غلام اللہ خاں  
نے مل لے لی۔ آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کر دو۔ اب مجھے ٹکر چڑی کہیں، در حویلیاں  
قریب ہند گڑا سی ملیں کہ ایک محل سرائے ایک دیوان خانہ ہو، شیشیں، ناچار یہ چالاک بلایوں  
میں ایک مکان ایسا ملے کہ جس میں جا رہی ہوں، نہ ملے۔ تنہا ہی چھوٹی چھوٹی نے بے کس کواری کی۔  
کوڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ ہر چند وہ رعایت عرض نہ رہی کہ محل سرائے قریب ہو  
مگر ضرورت بہت دور تھی نہیں۔ کل یا پھر دوں وہاں جاؤں گا، ایک پائل زمین پر ہے، ایک پائل  
بہت ہیں۔ تو شے کا وہ حال، گوشے کی یہ صورت۔

کل شب اٹھ کر اسی لمحہ کی اور سات جوائی کی، پہرہ دن چڑھے تھلا خط پہنچا۔ وہ  
نگھڑی کے بند کٹا گیا کہ حسین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹلی میں نزولی اجلاں کیا، پہر  
دی رہے اندام مہر ذاتی نام، میرے ہاں تشریف لائے۔ میر نے ان کو دجا و افسرہ پایا  
دل کو کھلا علی صین خاں بھی آیا، اُس سے بھی میں ملا۔ میر نے قصیں پوچھا کہ وہ کیوں  
نہیں آئے، صحابی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے اور  
اس سے ملے وہ اپنے پیٹے کو بہت پیاتے ہیں، میں نے کہا اُنکا ہی جتنا تم اُس کو  
چاہتے تھے، چھنے لگے، غرض کہ میں نے بظاہر اُن کو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگوں

کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔

نماشتہ و رداں دامتہ یک شنبہ من القہر والعصر

۲۰ جولائی ۱۳۵۵ء

راقم صاحب

۱۹ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ

(۶۱)

مولا نسی کیوں غما ہوتے ہیں۔ ہمیشہ سے اسلاف و اخلاف ہمہتے چلے آئے ہیں۔ اگر غیر خلیفہ اول ہے، تم خلیفہ ثانی ہو۔ اُس کو عمر میں تم پر تقدم دینی ہے، جانشین و وارثی منکر ایک اول ہے اور ایک ثانی ہے۔ شیر اپنے بچوں کو شیر کا گوشت کھاتا ہے، طریقہ اس کا قید آگنی منکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں، آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سمجھو جو حملے، مصلحین خدا اور رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کا بچہ کیوں نہ کہو، اہم تاریخی کیوں نہ رکھو کہ مجھ پر غم زدہ، اول مردہ کو تکلیف دو؟ علامہ المدنی خاں تبریزی جانی کی قسم میں نے پہلے لڑکا کا اہم تاریخی نظم کروا دیا تھا اور وہ لڑکا نہ جیا۔ مجھ کو اس دو ہم نے گھیر لیا کہ میری خواستہ طابع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حمید اور احمد علی شاہ ایک ایک قیدی ہیں چل رہے۔ واحد علی شاہ انہی قیدیوں کے متعلق ہوئے، پھر سنبھل گئے۔ جس کی مدد میں دس دس قیدی سے کہے گئے، وہ عدم سے بھاگ پرے پہنچاؤ، صاحب دو ملای خدائی میں نہ تاریخی ولادت کہوں گا، نام تاریخی ڈھونڈوں گا۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمہاری اولاد کو سزا رکھے اور ملو دولت و اقبال عطا کرے۔

سنو صاحب! حسن پستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امر کو دو چار برس ٹھانی کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جہاں ہے، لیکن کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اُس کی عزت اور نام اور ہی جہود کے نزدیک ثابت اور مستحق ہے اور تم صاحب بن جلتے ہو۔ مگر جب تک اُس کے قلعی نظر نہ کر



واسطے خاص "فوری" شخص چاہو گئے کہ آتا رہ سکے طبع میں ایک آم کا نام "فوری" ہے ماحول  
کلام و دلی کی فکر میں جو شخص میرے خیال میں آئے وہ آج تک بھیجتا ہوں، سہیل "سریہ" شخص  
نیا ہے اگر یہ پسند آئے تو یہ رکھو۔ والد دعا۔

صبح یکشنبہ ۱۲ مئی سنہ ۱۳۷۷  
نہایت کا طالب غالب

(۸۹)

میری جان، عکالی سہدان!

اس دفعہ وہ عمل متدن کا کیا کرنا ہے؟ فرہنگ لغات "دساتیر" تھارے پاس ہے میں  
چاہتا تھا کہ اُس کی عقل تم سے نکالوں۔ تم نے "دساتیر" مجھ سے مانگی۔ اُسی معیذ اللہ جس کی  
قسم کہ میرے پاس نہیں ہے۔ جی میں کہوں گے کہ اگر "دساتیر" نہیں تو فرہنگ کی خواہش کیوں  
ہے؟ حق ایوں ہے کہ بعض لغات کے عرب یا انہما اس واسطے فرہنگ کی خواہش ہے۔ اگر  
اُس فرہنگ کی عقل بھی دے گئے تو مجھ پر احسان کر گئے۔ "دساتیر" میرے پاس ہوتی تو کب اس  
خط کے ساتھ اُس کا بھی پائل بھیج دیتا۔ ہاں صاحب! اگر "دساتیر" ہوتی اور میں بھیج دیتا تو  
اللہ سبحانی صاحب کا مشکور ہوتا، دین دیتا میں کیوں مابعد ہوتا؟ ارسال اچا پر حصول ہر  
کیوں منزب ہو گیا؟ سبحانی وہ مذہب اختیار کیا چاہتے ہیں اور تم اُس مذہب کو حق جانتے  
ہو کہ میں جو داسد اس کے خلاف و شیوع کا ہوتا تو عند اللہ مجھ کو استحقاق ابرہہ کا پیدا ہوتا۔  
اپنے باپ کو سمجھاؤ اور ایک شعر میرا اور ایک شعر حافظ کا اور ایک شعر مولوی دقلم کا سناؤ

غالب

دوست! غلط تصور از منی پیشیاں شو

کافر توانی مشدداً ناچار مسلمان شو

جنگِ ہند اور دولتِ ہند ما عند ہند

چوں ندیدہ حقیقت اور انساں دند

حافظ

قرآنؑ مذہب عاشق ز مذہب ہمدست  
عاشقان را مذہب و ملت خداست

رات کو خواب میں ہر سائے صبح کو تھم گیا ہے ہمارا سر چل رہا ہے ابر تک  
چھا رہا ہے۔

یقین ہے کہ تھلری جہد مانجہ مثلاً اپنی سہواہ پوسے کے رواد لوبارہ ہوں اکل آج  
کی دعا لگی کی خبر تھی۔ یہ تو اسید بانلی ہے۔ ایرکا محیط ہونا اور ہوا اسرو ہونا خاص ہوں  
کی آسایش کے واسطے ہے۔ یہ منظر سراہ ہے اور اہل میٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ محمد علی  
بیگ اور سرے نکلا۔

بھئی محمد علی بیگ، لوبارہ کی سواہیاں دعا ہو گئیں۔

حضرت ابھی نہیں۔

کیا آج نہ جائیں گی؟

آج ضرور جائیں گی، تیار کی ہو رہی ہے۔

مراقبہ خندہ یکم جوی وقت کی ہے بکے سات کے عمل میں سلاطین

غائب

(۹)

جاو غائب!

یاد آتا ہے کہ تھلری علم ناسلے کے سنبے کے لغات و سائیر کی فرہنگ و لہجہ  
اگر ہوں تو کیوں دقم بھیج دیتے، خیر،

آنچے ماورد کار و دریم، اکثر سے و کار نیست

تم خبر فرمیں جو اس نہالی کے کہ جس نے میری آنکھوں کے سامنے لشکر و غایا پائی ہے اور میں  
ہوا خواہ وہاں نشین اس نہالی کا رہا ہوں کیوں کہ تم مجھ کو عزیز نہ ہو گے۔ یہی وہ  
وامید اس کی دھوکہ تھی، تم ملی میں آؤ یا میں لوبارہ آؤں۔ تم مجھ میں معصوم۔ خود



کہا کہ اس کی میرا قصد نہ ہوا، جسب تک نہ کچھ لوگ میں نکلت ہوں اور مایا جاتا ہے۔  
سنو عالم دینا: ایک عالم امداد اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ  
ایک ہے جو خود فرماتا ہے لَوْنُ الْمَلِكِ الْوَكُورُ اور پھر آپ جواب دیتے ہیں اَلْوَاجِدُ الْفَقِيرُ  
ہر چند قاصدا عام ہے کہ عالم آب و گل کے جہن عالم امداد میں سزا پاتے ہیں لیکن  
یوں بھی ہے کہ عالم امداد کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں گنہگار  
رحب شکستہ میں رہتا رہا کہ واسطے یہاں بھیجا گیا۔ سہ برس حراست میں رہا۔

دوبلہ شکستہ کو میرے واسطے حکم دیا جس صاحبہا ایک بیڑی میرے پاؤں میں  
ڈال دی اور وہی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔ شکر نظم و نثر کو  
مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلاد شریہ میں پھرتا  
رہا۔ پابانی کار مجھے سیکھنے سے پکڑا لئے اور پھر اس محبس میں بٹھایا۔ جب دیکھا کہ یہ  
قیدی گریز پاپ ہے، دو ہتھکڑیاں اور بٹھار دیا۔ پاؤں بیڑی سے لگا کر اپنے ہتھکڑیوں سے  
زخم دار مشقت معزوری اور مشکل پہ گئی، طاقت یکٹ قہم داخل ہو گئی بے میا ہوں، سال  
گذشتہ بیڑی کو زانو زندان میں چھوڑ دیا دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔ میرے امرا آباد  
سوارام پر رہنے پہ کچھ دن کم دو بیٹھے وہاں رہا تھا کہ پھر کچھ آگیا۔ اب عہد کیا کہ پھر بھاگا  
سباگوں کیا۔ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم دیا کہ دیکھیے کب صادر ہو۔ ایک ضمیمہ  
سہ ہفتا ہے کہ اسٹی ماہوی انجہ مشکتہ میں چھوٹ جائوں۔ بہر تقدیر بعد ان کے تو  
آوی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم امداد کو چلا  
جائوں گا۔

فریح آرزو کہ از خانہ زندان ہروم

سوسے شہر خود ازیں دوزی ویران ہلالم

محاسن غزل کے سات شعر کافی ہوتے ہیں۔ دو فارسی غزلیں دو آئندہ غزلیں اسے

حافظ کی تحویل میں ہے سچ جتنا سہل سمجھائی صاحب کی نند

## غزل

از جسم بہ جان نقاب تا کے  
 ایں غلج در پی خراب تا کے  
 ایں گوہر پُر فروغ، یادب  
 آلودہ خاک و آب تا کے  
 ایں ماہر و مالک حدس  
 و اماندہ خورد و خواب تا کے  
 بیتابی برق جز دے نیست  
 ماؤ ہی ہمہ اضطراب تا کے  
 جان در طلب نجات تا چند  
 دل در تعب عتاب تا کے  
 پر سسلیٰ نر فہ حساب باید  
 غم ہاے مرا حباب تا کے  
 غالب بہ چین کش کش اندہ  
 یا حضرت بوتراب تا کے

دوش کز گردش، بخت مگر بدو سے تو بود  
 چشم سو سے غمک و رو سے سخن سو سے تو بود  
 آنچہ شب شمع گماں کردی و فراق بہ عتاب  
 نغمہ پردہ کشاے اثر خسو سے تو بود

چہ عیب صانع اگر نقشب و بانس گم کر  
 کوئے خود از حیرتیاں ریختنیکو سے تو بزد  
 یہ کعبہ باد مہار ایں ہے رسوائی دل  
 کا خراز پر دلیپا شکر محسوسے تو بزد  
 مردان و جوان یہ قہارے مشہادت و ادب  
 ہم نرا اندیشہ آزدلی ہاند سے تو بزد  
 دوست دارم گر ہے راکھ بکا دم بندہ اند  
 کاہی ہمانست کر چوستہ درابر سے تو بزد  
 عالم و محن و مدد از طرف غزائش پس مرگ  
 تاجہا و رطل غائب ہوسا رسوے تو بزد

جہاں کہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اور  
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گسلاں اور  
 لوگوں کو ہے غرضید جہاں تاب کا دھوکا  
 میر و زوگھانا ہل میں اک داغ نہاں اور  
 ہے خوبی چکر خوش میں دل کھول کے جتا  
 ہوتے جو کئی دیدہ خونناہ نشان اور  
 یا رب اند وہ جگے جگے نہ سمجھیں گے میری بات  
 دے اور دل اُن کو جو نہ ہے مجھ کو نہاں اور  
 تم شہر میں ہو تو میں کیا غم حبش نہیں گئے  
 لئے تیں گے بازار سے جاگردی و جاں اور

مرتا ہوں اِس آواز پہ ہر چنڈ سراڑ جائے  
جلد کو ٹپکنا وہ کہے حبائیں کہ ہاں اور  
ہیں اور بھی دُنیا میں سخن و رہتا اچھے  
کہتے ہیں کہ غائب کا ہے اندازِ بیاں اور

اُس بزم میں مجھے نہیں ملنی میرا کہے  
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کہے  
مذک کی ہے اور بات امگر خوبروی نہیں  
تجھو لے سے اُس نے سیکڑوں دھندلا کے  
صبت میں حیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ تو  
دینے دلا ہے ہوا سے بغیر التوا کہے  
رکتا پھولوں ہوں خرقہ و جامدہ دکان سے  
مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و ہوا کہے  
کبں روز تمہیں نہ تراشا کہے حد  
کبں دی ہمارے سرچ نہ آئے چلا کہے  
غائب تھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
ماتا کہ تم کہا کہے اور وہ سُنا کہے

داؤدی نامہ ۱۳۶۵ھ

جون ۱۹۶۶ء



منہج السیاح الی اقصیٰ

عرب الی سنج و کجورنگ میں اگر پرانے سینا ڈیزہ سینا اور پیکر بوزارڈین  
 بہت دور و تاب و آند میں بشرط صحت قصیدہ نگار بہ چند ورق جو سفر ہوا  
 نے از دور دیکھا اور ڈی اخبار کاتب سے لکھا کہ تیرے اور میرے پاس ہندو برہمن  
 نائب کو دیکھتا ہوں کہ آدمی کے آدھے کے آدھے ہیں اور تم میرے طرف سے میرے پاس  
 اور انہی و اللہ ماجد کو کہ جب تھا کہ یہ کہا کہ بیچا تو کہ سنت کہ دل لگا کہ لکھا  
 کہ تھی ہر جانیگی بہ سطرین جو رب میں ہیں قہار ہر اس خط کہ کہ جو آج اس وقت ڈاک  
 سے میں نے پایا ہے نیز درجہ ثب ۲۲ برصع الادل شمسۃ مطابق بہ ستمبر ۱۸۷۱ء

(۸۱) (من اصحاب الی علیؑ)  
صاحب!

اُگ بستی ہے انہیں کراگ میں گر پڑی؟ مہینا ٹریڈ مہینا اور بچکے رہا دے دی  
ہست دور ہے۔ آواز داند میں، بشرط حیات قصد کنیں مجھ۔

یہ چند ورق یوسف مرزا نے از روئے کوئی امروز اخبار کاتب سے ٹھکانے تھے اور  
میرے پاس پڑے ہوئے تھے۔ شائبہ کو یہ تاکہ وہ کسی آدمی کے ہاتھ تم کر بھیج دے اور  
تم میری طرف سے میرے بھائی اور اپنے والد ماجد کو۔ جب اٹھا کر دیکھا کریں گے تو کئی خط  
کی دل لگی کو یہ اشعار نکلتی ہو جائیں گے۔ یہ سطور صاحب میں ہیں تمہارے اُن خطوں کو جو آج  
اس وقت اُگ سے بھانپے پایا ہے۔

قیم روز مشتمل ۲۳ رجب الاول ۱۳۵۵ھ

مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء

(۸۲)

میری جان!

کیا کہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ جو اٹھنڈی ہو گئی، پانی ٹھنڈا ہو گیا، فصل بھی ہو گئی  
انہی بہت پیدا ہو گیا۔ تو بیجِ حاشیہ مجھ سے تم کو پہچاننا، خدمت پایا۔ سجدہ سجاد کا یہ لانا پتا  
نہیں، اور وہ بھی عزیز نہ رکھتا، اس سے بڑھ کر یہ کہ بھائی نے شفا پائی، استاد ہر جان  
پہنچ گئے آخر انہوں میں ہر اکاؤنڈ ہر میں تیرے خفا کی کو بھی دہری اور پھر غریب و آس کے  
آداب کو کیا ذکر؟ آں ماہ و آرماء سے کیا فرق!

جیسے تیرے دسے ماہ و آرماء کی مہلت

برآپ کہ ماہِ خاک و استیم و خشت

اُس آدمی کو جو اس ماہ سے کہ میری بھو بھی اُن کی چچی تھیں اور یہ مجھ سے غریب

چھوٹے ہی دعا اور اس نکتے سے کہ دوست ہیں اور دوستی میں کم دشمنی میں وصال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ استاد کہلاتے ہیں ہنگام اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں اور اس مطلق معصوم اس مصرع کے :

”سوسے اللہ اللہ مانی الوجود“۔ سجد

حضرت ”د شرف نامہ“ نہیں ہے کسی احمق نے ”شرف نامہ“ میں سے کچھ غلط اکڑ غلط اکڑ جمع پٹن کر جمع کیے ہیں۔ مذہب یا جس سے کہ اس سے جامع کا حال معلوم ہو نہ تھا ہے کہ عہد مصر کا حال سمجھنے والی چیزیں الہیاء الدینی کے پاس ہے۔ اگر وہ آپائیں گے تو ان سے کہہ دیں گا۔ اگر وہ الہیائے گئے تو ان کو قیامت دے کر مولیٰ مولائی کو بھیج دیں گا۔

فصیح بکوں کے گوشت کے ٹھیلے دو پانچ سے پانچ کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو، مجھ کو خدا کی قسم اگر اس کو کچھ خیال بھی آتا ہو، خدا کو سے بچا خیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسر نہ کیا ہو، ابھی یہ قصہ کرتا ہوں کہ میری ان صاحب اس مصری کے ٹکڑے چھا رہے ہیں۔

سلسلہ ۱۵۵۱ نمبر ۱۵۵۱

نبات کا خطاب۔ غالب

(۱۳)

آج میں وقت کہ میں روٹی کھانے کو گھر جا رہا تھا، خطاب الہی غل تھا اور مصری کی مشیائے کرتائے، میں اس کو بوجھ کر گر گیا۔ اپنے ساتھ مصری ٹکڑا، آٹھ چار اور دو میرنگہ، خانہ دولت آباد۔ یہی کافی دوان ہے اور اب حاجت نہیں۔ روٹی کھا کر باہر آیا تھا کہ اس میں کتنی جواب خط کا تھا حتیٰ کہ شتر سوار جانے والا ہے۔ یہاں کھا نکلا کر لپٹنے کا ہڈی ہل لپٹ لپٹے مصری کی رسید نکھ دی۔ مطالبہ مند جواب کا جواب یہ شتر سوار میات کی سمجھوں گا۔

غالب

چاشمہ ۱۵۵۱ نمبر ۱۵۵۱



(۴۴)

مرزا علی :

پہلے انسداد میرزا علی صاحب کے قہر و غضب سے مجھ کو بچاؤ تاکہ میرے حواس و  
انتشار نہ تلخ ہو جائیں۔ میں اپنے کو کسی طرح کے قصور کا مورد نہیں جانتا۔ مجھ کو  
اُن کی طرف سے بے قیام اُن کو یوں بچاؤ یعنی اگر اُن کو صرف آشنائی و ملاقات منظور ہے  
اور میرے دوست ہی، اشیق ہیں، میرا سلام قبول فرمائیں اور اگر قرابت و رشتہ داری مطلوب ہے  
تو وہ میرے بھائی ہیں، مگر عمر میں چھوٹے، میری دعا قبول فرمائیں۔

مرحبین کی راس کا اختتام مشہور ہے، مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر یک ہر ایک  
قبل ہوا جدا نکھوں۔ آج نہ نکھانا سہی اور چاروں کے بعد نکھوں گا۔ تم مجھ کو لکھو جو لکھو  
مرحبین مرزا قریب علی بیگ اور مرزا اشتیاق علی بیگ۔

سہانی صاحب کی رضا جوئی مجھ کو منظور اور یہ غزل موزوں ہے، میری طرف سے سلام ہیں

الرحمن غزلے گیردہ فرماتے کہ مطرب

دور نے وعدہ دیا ہے نوازش و صد ہما

غزلے

جز دلی غم نہ آؤ نہ ہو آہستہ کام ما

گوئی چراغِ روز سبیا ہست جام ما

در غلو تش گزر نہ بود با دورا منو

صرصرہ خاک راہ زمانہ چسبام ما

اسے باد صبح عطریے ازاں پیرہن بیار

تسکین زبوسے غم نہ پذیرد مشام ما

در بار داد پر ہما انگنیم و سور

آید بدام دوا نہ باید نہ دایم ما

گفتی: چو حال دل مشغور، مہرِ دلِ محمود  
 مشکل کر پیش دوستِ توانِ ہر نام ما  
 از ما یہ ما پیام و ہم از ما یہ ما سلام  
 رنجِ دلی مباد پیام و سلام ما  
 مقصود ما ز دہر ہر آئینہ فیضِ مست  
 یارب کہ آہنج دوست مباد اہام ما  
 غالب بقولِ حضرتِ عاقلہ ز فیضِ عشق  
 ثبت است بر جریدۂ علم و ہم ما

جنوری ۱۳۲۵ھ

(۱۵)

صاحب!

صبح جیسے کو میں نے تم کو خط لکھا، اُن ہی وقت بھیج دیا۔

پھر وہی چڑھے ششاک شب کو پھر دور ہوا، مجھ! خود اُن سے حال پوچھا۔ علی محمد  
 بیگ کی لڑائی یہ معلوم ہوا کہ بہ نسبتِ دودہ باسے سابقِ خفیت تھا اور افادہ جلد ہو گیا۔  
 کل مرزا شمشاد علی بیگ ناقلِ خط تھے کہ مجھ سے علی حسین خاں کہتے تھے کہ غالب صاحب  
 فرماتے ہیں کہ عبادہ چلے گئے اور ہماری دلی روٹی قبول کر گئے، میں نے کہا کہ میں دلی روٹی  
 چاہتا ہوں مگر پیٹ بھر کے۔ غالب کہتا ہے کہ اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ ساکت ہے  
 سلوک منظور نہیں، نہنا ہوا سے شمشاد و سر راست!

دعویٰ ملکیتِ غولیشِ خسرواں را مند  
 حراے گوشہ نشینی، تو عاقلہ محروم شس

غالب

یکشنبہ ۱۳۲۵ھ

(۱۶)

جبراً صفر پہر من سرانی مولانا علیؒ کے خاطر نشانیاں وہاں لٹیں چونکہ آج بھی کوپا نیکی یا  
چھ گھڑی دن چڑھے، وہاں سہائی صاحب تشریف لائے، میں بھی اور ملا علی حسین خاں کو  
بھی دیکھا، غنیمتی دیر کے بعد سہائی صاحب زادہ صاحب کے پاس گئے۔ میں گرا آٹھا  
کھایا۔ دوسرے کو اتھاڑا کھایا۔ دو گھڑی لٹ پٹ کر وہاں کھانا لگا دیا۔ یہ  
مرض جو سہائی کو ہے، اس راہ سے کہ ضد صحت ہے، معقول طبع ہے، ورنہ ہرگز موجب غلغلہ  
خطر نہیں۔ میں تو بھول گیا تھا اب سہائی کے بیان سے یاد آ گیا کہ بارہ تیرہ برس پہلے ایک  
دن ناچھ یہ حالت طاری ہوئی تھی، وہ موسم جو ان کا تھا اور حضرت عاویہ امینہؓ نہ تھے،  
تغلیہ بہتے فوراً اور یہ سہائی بعد چند روز میں آیا۔ اب سہائی کہتے استغفر اللہ میں مزید  
علیہ، دورہ جلد جلد تواتر ہوا۔ اضطراب ازدواجی محبت ہے، ازدواجی حکمت اضطراب کی  
کوئی وجہ نہیں۔ لغزی میں یکتا حکیم امام الدین خاں اور لڑکے۔ محل میں چاہا کہ حکیم حسن اللہ  
خاں، وہ کوئی نہ ہے۔ حکیم محمود خاں وہ ہسائے دیار بہ دیوار، حکیم غلام نبی خاں، وہ دوست  
تدیم، صادق اللہ، حکیم بلکہ خاندان میں وہ صاحب مروجہ تیسرے حکیم سمجھے، وہ بھی  
شریک جو جائیں گے۔ اب آپ فرمائیے، حکیم کون ہے؟ ہاں وہ ایک فاکٹر، بہ اعتبار کم قوی  
حکام، ہمدرد، کوئی ایک آدھ بیہوش منور ہی اہ گنام۔ یہ ہر حال خاطر جمع رکھو، خدا کے فضل  
پر نظر رکھو، شہنائی اللہ، تم مجھ سے سدا رخا کرو، میں امین الدین خاں کی تمہاریسے پیروی دل  
یا میرے دل میں ابھان، جس کو محبت بھی کہتے ہیں، بہ قدر پریشاد و سرور بھی نہیں، سالہ  
حکما کی راہ پر رہے گا، مذہب اور فہم خدای میں اگر تصور کروں، تو گناہگار۔ موالا ایچے ہو قی  
میں اسے احباب میں خلعت کہہ دیتے ہیں۔ مرض مختصر، دوا میں۔ سوج مزاج مبالغہ  
نہیں، مبالغہ ہے اور ملاہ بارہ ہے۔ کوئی طبیب سواسے تختے کے کچے تدریج نہ سوچے گا  
تختے میں سواسے تختہ تپ، ہنم اور کچے تجویز نہ کوئے گا۔ تجویز ہے کہ وہ دن کے بعد تجویز

ہوا یا ریح کا سہل دیا جائے۔ اسما و آیات شفاء بنفسی مقرر ہیں۔ روزِ محمود و نوح کا ای کے ذریعے سے تصور ہے۔ لیکن ان عاؤں اور قائم عواؤں نے نہ قول دیا ہے کچھ نہیں جانتے اور انہیں بجاتے ہیں۔ تمہارے آپ پر کوئی سحر کیوں کرے گا بے چارہ الگ ایک ایسے گوتے میں رہ جائے کہ جب تک خاص وہاں کا عقد نہ کرے کبھی کوئی وہاں نہ جائے۔ یہ خیال عبت اہل خیرات و مساکین سے طلب دعا اور اہل اللہ سے استمداد و مقہرین مساکین شمار سے پہلے اہل اللہ میں ایک حافظ عبد العزیز۔ حاجی خیر شہاب مسعود۔

وقت نماز ظہر غائب دعا ختم ہو مشیت

۱۵ قریب ۱۶۳۷ء

نجات کا طالب۔ غائب

وہی اور تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں

(۹۷)

صاحب!

کی تمہارے خدا کا جواب بھیج چکا ہوں، پہنچا ہوگا۔ آج صبح کو بجائی صاحب کے پاس گیا۔ بجائی میاں الدین خاں اور میاں شہاب الدین خاں بھی وہیں تھے مولوی عبداللہ میر سے ملتے آئے، حکیم محمد و خاں کے طوطے پہنچا کر دیا ہے۔ یعنی انھوں نے نوا لکھا ہے اسو اس کے موافق محبوب بن گئی ہیں۔ نفع کی دعاں آج آکر بھیجیں گی۔ کل صبح کے قریب وہ نفع پیا جائے گا مگر اخلاص اور اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حضرت مریم کی اور ان کے بھائیوں کی رائے میں قصداً اس استعلاج کا مطلب ہے۔ منتفی کی حقیقت کو میرزا بنظر ہی لول رہے ہیں۔ استادمیر جان بھی تھے، نیم نامعلوم مرزا اسد علی لکھا تھے۔ سب طرح خیر بہت ہے۔

کی تمہارے خط میں دوبارہ کل مرقوم دیکھا کہ دینی پڑا شہ ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔ اسے میرزا جان ابو وہ دینی نہیں ہے، جس میں تم پیدا ہوئے ہو، وہی نہیں



جرب میں مرکب روٹیں تھیں۔ بہت بے چین رہے آخر دعا دست آئے۔ آخر روزِ مزاج بحال ہو گیا۔ تنقید اچھا ہوا۔ باب فیضی الہی اچھے ہیں اور یقین ہے کہ مرضِ عمود نہ کرے۔ دلی گرفتار نہ رہے۔ اپنے والد کی راس پر رختہ دو۔ یہ قدر مناسب، وقتِ عزمِ خیر خواہ نہ کچھ کہوں گا۔ عزیزان لیکن نہ جاہرام میں تم سے زیادہ اُن کا مزاج داں ہوں۔ یہ خود اپنے اندر مہذبِ سہارشی کا اثر ہے۔ مثلاً بچوں کے مقدسے کو طبیعتِ اسکان پر چھوڑ دو۔ میں دلی نہ کروں گا۔ ہاں اگر خود مجھ سے پوچھیں گے یا میرے سامنے ذکر کھالے تو قریب اچھی کہوں گا۔

برجہ بادِ نبائے کہ ناسزا گوید

برادِ ماننا۔ اگر یہ دونوں سہانی یا ان میں سے ایک رفیق ہو گیا، میں تمام عمر خوشی مند رہے، لیکن تم کے ہر اس کے پیچھے اس کے جلتے کارِ بند آتے ہو۔

صبحِ شنبہ، یکم مارچ ۱۳۱۷ء

غائب

(۱۹)

صاحب !

میرا برادرِ عالی قدر اور افسارِ والد ماجد باب اچھا ہے۔ از روئے عقل اعلیٰ مرض کا احتمال باقی نہیں ہے۔ دوا دہم، اُن کی دوا حقان کے پاس بھی نہیں۔

مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھو گے، میری طرف سے جواب دہی چکا، جو آگے نہ چکا ہوں یعنی میں تم شافی محض رہوں گا۔ اگر بھائی صاحب مجھ سے کچھ ذکر کریں گے تو بھی کہوں گا۔

آپ کے ہم حال مفدار جو فرماتے ہیں کہ غائب کو بیٹھے ہوئے ہزار دم تسوئات و طیبات دکھائی دیتے ہیں، حضرت نے اپنی ذات پر میری طبیعت کو طرح کیا ہے اور وہ یہ کہے ہیں کہ میں طہریں میٹھکے و ساوس و اوام ہوں اور لوگ بھی اسی طرح بخداستہ مزاجی ہی گزرتا ہوں گے۔ قیاس میں الفارقی ہے نہ عقل صادق۔ بیانِ نامتوا

الّا اھلہ کے بارۂ آپ کا مطلب گراں پڑ جائے ہوئے اید کفر و اسلام و نور و نور کا کٹنا  
ہوئے بیٹھے ہیں :

کہا غیر و کو غیر و کو نقشِ فیہ

مولے الشرا و الشرا مافی الوجود

”خیرین“ ہر مذہب کا گراں ”فتت عربیہ“ نہ عرب میں یہ نہیں کہ سکتا کہ  
پہنچوں ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کی تحقیقات ازہد سے الفاظ الہدیٰ مکن ہے  
”آج اُنھں نے تجاہد کیا وہی دھت آئے“ خود خوب اخراج ہوا تاہم غیر نصیب آؤ  
ظلمے پہل گرفت ”وہ دست آمدند مواد عجب برآمد“ ”لاہی صبیح“ ”عہد ظلمے پکا و  
دار سے صہلی آشا سید“ ”ما شام وہ بار نشست“ یا وہ بار بہ سسترا رشتہ  
یادہ بار بہ بیت الکلافت۔ ”مادۂ ناسد چنانکہ باید“ ”اخراج یافت“

معلوم رہے کہ ارمیوں کے مطلق میں ٹھوس اور الہیاد اس کے دھرمو میں ٹھوس  
استعداد ہے ”یہ دن“ ”چنانچہ ایک تذکرے میں مرقوم ہے کہ اسفہان میں ایک امیر نے شراک  
دھوت اپنے باغ میں کی۔ مرنہ اصابت اور اُس حصر کے کئی شراک جمع ہوئے۔ ایک شاعر کہ  
تذکرے میں اس کا نام چند دج ہے اور جس نے شراک لکھا ہوں۔ کوئی تھا ”معدہ اس“ ”ضیبت  
تھا“ ”عرس و شہرہ کے بدب سے بہت کھا ہوا تھا۔ بھگت ذکر سکتا تھا۔ کھا کھا کھا کر شراک پہلی  
کر دودھ بار کا منتقل کر کے سب سو رہے۔ اس عہد کو الٰہی فضول نے رات بھر میں سارا  
باغ آگ بھرا۔ ایک بڑا بکری اُس کی دی میں، ”کبھی اُس دھن پر کبھی اُس دھت کے شراک  
بھی اُس دیوار کی بڑی۔ ”جنت نظر نہایت ظہر و دھیا سے وہ چاند گری رات دے بیٹا سے  
کہہ کر پہلایا۔ ”جگ کو جب سب جاگے“ اُس کو ابرار و عہد نہوٹا، ”کبھی نہ پایا“ ”مگر حضرت کا  
فضل کئی بڑا نظر آیا۔ ”مرزا صاحب نے اُس کو لایا : ”پارہ شہا چہ افکارہ است کہ سے  
گنید“ ”نکاتہ در باغ نیست“ ”یہی پیغم کہ خدوم ہم دریں باغ چند ہا نشستہ است“  
”یہ ہر دہشتان مشقت“ ”نہ ہر ہشتانہ سالہ دہشت“

نہائی خط میں لکھا بھول گیا کہ میں نے بھائی کو جنت میں بھیجی تھی :

اے کروہ پر ہر روز نشانی تسلیم  
پیدا نہ کلاؤ تو شکوہ درہم  
بادا بتو فرخندہ زریرواں کریم  
پر دانگی جسدہ اقطاع مدریم

(۲۰)

یار سچو، اگر یا بھائی، سرورِ اعلیٰ !

عذاکِ دہائی نہ میں دوسا ہوں گا، جیسا تجر سکا ہے اور تم مجھ کو کھچے ہو یعنی غنڈائی اور خیال  
تراش دی دوسا ہوں گا جیسا مرزا علی حسین خاں بہادر لکھے ہوں گے :

لے کاش کے ہر آنچہ ستم ، روانہ

دو چالے میں میرا انتظار اور میرے آنے کا تکیہ شادی پر مدار یہ بھی خعب ہے انہی  
تکڑوں کا جس سے تمہارے چچا کو گٹھان ہے مجھ پر جہان کا۔ جاگیرِ داد میں نہ تھا کہ یک جا گویا دل  
کو بھگا کر میں نہ تھا کہ اپنا ساتھ دسا مان لے کر چلا ہوا اور وہاںے ہا کر شادی کھاؤں اور پھر  
اس فصل میں کہ دنیا بگڑا کر ہو۔ تھوڑا بھائی کد کچھ کو نہ چاؤں اور پھر اُس موسم میں کہ جاٹے  
کی گری بازار ہو۔

کل استاد میر جان صاحب نے تمہارا خط مجھ کو دکھایا ہے میں نے اُن کو جاننے نہ  
جاسکے میں محترمہ پایا ہے، ہائیں نہ جائید میں اپنی طرف سے ترقیب کرتا رہتا ہوں اور کہتا  
ہوں مجھ خدامِ حق خاں اگر کسی وقت آہائیں گے تو اُن کو تمہاری تحریر کا خلاصہ خاطرِ نشان  
کر دل گا۔ حق شہادِ تعالیٰ ان دونوں صاحبوں کو یا ایک کو ان میں سے توفیق دے یا مجھ کو  
طاقتِ راجہ کو انصاف کر میرے خاٹے کو دلی کی دل بستی پر محمول ذکر و۔ مجھ کو شک ہے  
جو یہ فیصلوں کے حال پر عموماً اور کبھی غریب آباد پر پھوٹا کہ جہاز سے آکر کہ موز میں عرب میں





چو بسج زهر بود ملک صفای چو بر دست برآید هم خبر نماند که  
 میرای خون و آگه و گنج فدا چو رو به نهاده کعبه بود بر یکبار آید  
 صفت آنست که بر سر هر شمع خورشید ملک نام است و در هر صفت است  
 صفت است ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت  
 بهشت

چو بسج زهر بود ملک صفای چو بر دست برآید هم خبر نماند که  
 میرای خون و آگه و گنج فدا چو رو به نهاده کعبه بود بر یکبار آید  
 صفت آنست که بر سر هر شمع خورشید ملک نام است و در هر صفت است  
 صفت است ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت  
 بهشت

چو بسج زهر بود ملک صفای چو بر دست برآید هم خبر نماند که  
 میرای خون و آگه و گنج فدا چو رو به نهاده کعبه بود بر یکبار آید  
 صفت آنست که بر سر هر شمع خورشید ملک نام است و در هر صفت است  
 صفت است ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت  
 بهشت

که ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت  
 که ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت

که ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت  
 که ستم زدن دل و هر چشم که از دست گشت و هر چشم که از دست گشت





در روز مجلس حاج و غلبہ نتوان برد  
 در روز مجلس باد و ساغر نتوان گفت  
 در شنگی ساعد و گردن نتوان جست  
 ز چنگی یارہ و پرگر نتوان گفت  
 پیوستہ دم باد و ساقی نتوان خورد  
 بمحارہ تراشدیت داند نتوان گفت  
 در گرم روی سایہ و سرچشمہ نہ جوئیم  
 باماسخن از طوبی و کافر نتوان گفت  
 ہنگامہ سر آمد چہ زنی دم ز قتلیم  
 گر خود سستی رفت بہ عشر نتوان گفت  
 آن راز کہ در سیمہ نہاں ستادہ خلاست  
 بردار نتوان گفت و بہ غیر نتوان گفت  
 کارے عجب افتادہ بریں شیفۃ مارا  
 مومن نہ بود غالب و کافر نتوان گفت

مثنوی  
 در روز مجلس

کوئی امید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی  
 آگے آتی تھی عالی دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی  
 موت کا ایک دن مبین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 دباغ دل گر نظر نہیں آتا بوجہا لے پادہ گر نہیں آتی  
 جانتا ہوں ثواب طاعت و نہم پر طبیعت ادھر نہیں آتی  
 ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری عیب نہیں آتی

کچے کس سے جاؤ گے غالب  
شرم تم کو مگر نہیں آتی  
ولہ

تھکتے ہیں بے غم دل، اُن کو سنائے دے  
کیا بنے بات، جہاں بات بنائے دے  
میں بلاتا تو ہوں اُن کو مگر اے جذبہ دل  
اُن پہ بن جائے کچھ ایسا کہ بن آئے نہ بنے  
اس نزاکت کا بڑا ہو، وہ بچے ہیں تو کیا  
ہاتھ آئیں، تو انہیں ہاتھ لگائے دے  
بوجھ وہ سرے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے  
کام وہ کن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے  
غیر پھر تا ہے جیسے رُخ کو خط کو کہ اگر  
کوئی پڑھے کہ یہ کیا ہے تو چُھپائے نہ بنے  
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب  
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

نگار آریہ ۱۸ جولائی ۱۹۵۷ء

(۲۲)

لوسا صاحب پرسوں تھا، رانا خط آیا اور لکھ دو پیر کو استاد میر جان آئے، جب اُن سے  
کہا تو جواب پایا کہ میں مدت سے آمادۂ سفر لوبا رو بیٹھا ہوں، عظیم صاحب کی گاڑی کی  
مدد سے وہاں کے وقت میں نے اپنی گھڑی بھیجی تھی وہ پھر آئی، اس مُراد سے کہ گاڑی میں بسکند  
گھڑی کی دوسری کی۔ ناپاوار چُپ ہوتا۔ اب وہ گھڑی دوسری کی بند کرائی تھی۔ جب وہاں  
تھاں اور وزیر لہاں روانہ ہوئے اور منشی احمد حسین بھکر کو اطلاع دیں گے تو میں فوراً

پہل دھنکا۔ پاب رکاب ہوں رگیں ہی آخر مذ غلام حسن خاں آئے، یکن آنہوں نے پڑتے  
 دن کھانا کھا یا تھا۔ بیٹہ بڑھیا تھا۔ بے متواتر دست پے بہ پے، طرمن نکالے گئے۔ کہتے  
 تھے کہ آج جو دہائی کی آواز سن رہا ہے۔ حیرتوں یہ لہجہ پہاڑوں آگست کے اور حسن ہاں سکا۔  
 نگوہ لے کر ہاٹ ہاٹ کر ایک دن دھندروں گا۔ عوام کی راہوں کو جاننے والی لڑکی سے  
 تمہارا پیغام کہا گیا، کیا بید ہے جو غلام حسن خاں کے ہم سفر ہو جائیں۔

بھائی کی قربت سے فتنی اعداد میں خلی کو گھسوا بیجو کہ میاں طاں دفیرو کے ساتھ  
 آستہ کو ضرور پہنچنا اور تم اپنی طرف سے اپنے جان غلام حسن خاں کہ بہ عوام میری تحریر کے  
 عبادت اور اعلیٰ آگست میں روانگی کی تاکید کر رہو،

در بزم وصال تو بہ ہنگام تماشا

نظارہ زہنبدن طرنگاں محمد وارو

یہ زمین حدیسی علیہ الرحمۃ کے حصے میں آگئی ہے، میں اس میں کیوں کر تم پر نری  
 کروں؟ اور اگر بے حیائی سے کچھ بات چاؤں چاؤں تو اس شعر کا جواب کہاں  
 سے لاؤں؟

ہرگز نتواں گفت دریں تافیر اشعار

یہاں است بریلور، اگر از من غلو وارو

اتواے شرب شراب ۳۴ جون۔ شراب شراب ۱۰ جولائی

المنۃ للک کہ در میسکہ باز است

۱۸ جولائی ۱۸۶۷ء ۴

(۲۳)

میرزا جان!

میں نے بیخوشی، بخشنہ آٹھ، چھوڑا ہفتہ دیں، اتوار گیا۔ ایک خطہ برہم ندوں  
 میں نے نہیں تھا۔ اس وقت خدمت سے برسرِ پا ہے۔ انگلیشی میں کوٹے دیکھا کہ اس دیکھ

جے ہیں۔ دوسری ٹکس اور کاغذ کو آگ سے سبک لیا کیا کروں، ہاتھ لٹکا کر بچوں کو  
لو سکتے جاؤ، مرزا شمشاد علی بیگ کو تھا راضی پڑھا دیا۔ انھوں نے کہا کہ لکھنا  
کی محبت پر کیا موقوف ہے، مجھے آج سواری مل جائے، کل چل نکلوں۔ اب میں کہتا  
ہوں کہ اونٹ ٹوٹا کا موسم نہیں، کھڑکی کی تدبیر ہو جائے، میں۔

بچہ اس برس کی بات ہے کہ اٹلی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین ٹھیکہ دہانی میں نے  
صوبہ اٹک غزل لکھی۔ بیت الغزل یہ :

پلاوے اوک سے ساتی جو ہم سے لغت ہے  
پیالہ گر نہیں دیتا، ندوے، شراب تو دے

مقطع یہ :

استد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے

کہا جو اُس نے خدا میرے پاؤں داب کر دے

اب میں دیکھتا ہوں کہ مطلع اور چار شعر کسی نے کھد کر اس مقطع اور اُس بیت الغزل کو  
شامل اُن اشعار کے کر کے، غزل بنائی ہے اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں۔ مقطع  
اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی اور کے۔

ہب شاعر کی زندگی میں گاتے ولے، شاعر کے کلام کو سنا کر دیں تو کیا سید ہے  
کہ وہ شاعر حوتی کے کلام میں سطریوں نے غلط کر دیا ہو۔ مقطع بے شک مولانا سفر کی  
کا ہے اور وہ شعر جو میں نے تم کو لکھا ہے اور یہ شعر جواب لکھتا ہوں :

دامان گنگہ تنگ و محل سن تو بسیار

چلین بہار تو ز داماں محلہ دار و

یہ دونوں شعر قدسی کے ہیں بھرتی قدما میں اور عرفا میں ہے جیسا عراقی، ان کا کلام دھانی و  
صالحی قصود سے ہے، قدسی شاعرانہ شعرا میں صاحب دھیم کا جسر اور جم جٹم، ان کا کلام شاعرانہ



ان بزرگوں کی طرز و روش میں زمیں آسمان کا فرق ۔

بحان کو سلام کہتا اور کہتا کہ صاحبِ دوستانہ نہیں، اور سحرِ اداس سے عرض  
 کیا اور وہ باری خا کو مارا اور خوب چند چمن سکے کی کوٹنی بانٹ دی۔ ہر ایک پاس تنگ  
 مہری موجود، شہدِ نگاہ، چاٹو نہ مول نہ سودا اس سے بڑھ کر بات کہ روٹا کا خرچا ہاں  
 بھر چکی کے سر۔ ہا میں ہر گنا خان نے کچھ دے دیا، کچھ اور سے کچھ دلوایا، کچھ والے  
 کچھ اگر سے سے بچا دیا۔ اب میں اور ہاتھ دپیے آٹھ آٹے لکڑی کے، سو روپیے رام پور  
 کے، عرض دینے والا ایک میرا ممتاز کار۔ وہ سوڑا، ہوا، لیا پالے۔ مول میں تسلا اس کو  
 دینی پڑے۔ انکم ٹیکس جدا ہو گیا، جدا سوڈا مول بھڑائی بی جدا آپ کے جدا، شاگرد پیر جدا  
 آمد وہی ایک سو باٹھ۔ تنگ آگیا، گزارا خشک ہو گیا، روز مرہ کا کام بند رہنے لگا، سوچا  
 کہ کیا کروں؟ کہاں سے گھانٹنی نکالوں؟ قہر و غصہ بھان بھونٹا۔ صبح کی تیرہ بج کر  
 پاشت کا گوشت آدھا رات کی شراب و تلخ موقوف دین بائیں روپیہ ہینڈ پاء ہندو  
 کا خرچہ چلا۔ یادوں نے پوچھا، تیرہ و شراب کب تک نہ پیو گے؟ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ  
 پائیں گے۔ پوچھا کہ نہ پیو گے تو کس طرح پیو گے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ پائیں گے  
 ہمارے جیسا کہ نہیں گزرا تھا کہ رام پور سے علاوہ دیر مقرر ہی اور روپیہ آگیا، عرض مستطاب  
 ہو گیا، مستغرق ہوا، اخیر ہو۔ صبح کی تیرہ رات کی شراب جاری ہو گئی۔ گوشت چرانے لگا۔  
 ہوں کہ بھائی سنے دیر موقوف اور بھائی پوچھا تھی۔ اُن کو یہ عبارت پڑھا کرنا  
 اور محزونہ حال کو بعد سلام کہنا،

لے بے خبر از لذتِ شربِ مدامِ ما

دیکھا ہم کو یوں پلائے ہیں۔

درجے کے جنوں کے لوندوں کو پڑھا کر مولوی مشہور ہوا اور ضائل ابو حنیفہ کو

کو دیکھنا اور مساکینِ جین و فاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقتِ حق

وہ سب وجود رکھنے والے نہیں کرتا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں  
 مشرک بناتے ہیں مشرک وہ ہیں جو مسٹر کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شرک گردانتے ہیں  
 مشرک وہ ہیں جو مسلمانوں کو ابوالانکر کا ہم سر بناتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے  
 موجد خاص اور موجد کامل ہوں۔ زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہوں اور دل میں تو کہتا ہوں  
 إِلَّا اللَّهُ لَا شَرِيكَ لِي إِلَّا يَخُوهُ إِلَّا اللَّهُ کہتے ہوں۔ انجیا سب واجب و ممکن اور اپنے  
 اپنے وقت میں سب مقرر حق الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ خاتم المرسلین  
 اور خاتم العالمین ہیں۔ قطعی نبوت کا مصلح امامت اور امامت خدا جانتی۔ بلکہ میں اللہ ہے  
 اور امام ہیں اللہ علی علیہ السلام ہے۔ ختم حسن ختم حسین۔ اسی علی تاجہدی موجود علیہ السلام  
 بریکہ ذیستیم اہم بریں بختورم

ہاں اتنی بات اند ہے کہ امامت اور زندقہ کو مروجہ اور شراب کو حرام اور اچھے کو مباح  
 سمجھتا ہوں۔ اگرچہ کہ دوزخ میں شامل ہو گا تو میرا جلا تا مقصود نہ ہو گا بلکہ میں دوزخ کا ایذا من  
 اصل کا اور دوزخ کی آگ کو نیز کروں گا تاکہ مشرکین اور مشرکین جو تھے مسلمانوں کا سب  
 مقرر ہو اُس میں ہیں۔

سنو مولوی صاحب اگر بیٹ و حرمی ذکر و حجے اور کتب الہی کی کوئی نہ جانے تو امامت  
 تم کو یاد ہو گا اور کہو گے کہ ہاں یاد ہے۔ جن روزوں میں تم علماء الدین خاں کو گلستان  
 اندر بستہ تھے پڑھاتے ہو اور تم نے ایک دن غریب کو روئین تپا چکے مارے ہیں۔  
 نواب امین الدین خاں اُن دنوں میں لوماند ہیں۔ علماء الدین خاں کی والدہ نے تم کو  
 ٹوڑ مارا پرے اٹھا دیا۔ تم باپ بچہ پر آب میسے پاس آئے۔ میں نے تم سے کہا کہ بھائی  
 قریب لاکھوں کو اور سواد لاکھوں کو چشم نانی سے پڑھاتے ہیں مارے نہیں۔ تم نے یہ ہا  
 کیا آئندہ یہ حرکت ذکر نہ تم نام ہوئے۔ اب وہ مکتب نشین طفل سے غور کر چرچا دے گا  
 کے واسطے۔ تم نے کئی قانون میں ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ہے نہ میں پیر پڑی حافظ

اور پھر پٹھے پر اس کے سامنے کہ اس کی نظم کا دفتر مانتے کے دیوان سے دو چند اسے چند ہے۔ جو دفتر جدا گانہ اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر مانتا کا یہ ہے اور ہزار دفتر اس کے خلعت ہیں۔

صوفی بیا کہ آئند صاف ست جام را  
تا بگری سفای سے فصل خام را

شراب ناب خود و دوسے سے جیتاں میں  
خطاب مذہب کمال جہاں ایناں میں

ترسم کہ سرور تیرہ روزہ باز خواست  
تاں طالعی شمع ز آب مسرام ما

ساقی منگر و عیضہ مانتا زہار و داد  
کا شفقہ شگفت طرہ دستار مولوی

میاں میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ کل مراگی دیواریں گر گئی ہیں۔ پانچاد لکھ گیا۔  
ہفتیں چک رہی ہیں۔ تمہاری چوچکی کتنی دینا: اسے دینا، اسے مری، دیوان خانے کا  
حال کل سراسے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔ فقہان راحت سے گھر آگیا ہوں۔  
چھت چلتی ہے۔ زبردو گھٹنے برسے تو چھت چار گھنٹے برسی ہے۔ ایک اگر چاہے کہ  
مرمت کرے تو کیوں کر کرے؟ سینہ کھلے تو سب کچھ ہو اور پھر اثناے مرمت میں یہاں  
بیٹھا کس طرح رہوں؟ اگر تم سے ہو سکے تو برسات تک بھائی سے گھر کو وہ لوٹا، جس میں  
میرمن رہتے تھے اپنی چوچکی کے رہنے کو اور کٹھنی میں سے وہ بالاناد مع والا اپنیرینا

یہ انہی نہیں ہیں مروجہ مسکن تھا، میرے رہنے کو دلوانو۔ برسات گزر رہا ہے گی، عروس سے  
 رہا ہے گی پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ اپنے قدیم مسکن میں آ رہی گئے۔ تمہارے والد کے  
 بیمار و مفلک کے یہاں بھر پر اسان ہیں ایک یہ عورت کا اسان میرے پاپان عمر میں ہو چکا۔  
 سچ یکشتہ ۲۰ جولائی ۱۳۵۵ء

عاب

(۲۳)

مولا علیؑ

ذبحے خوب رنگ اندھوئی مہر ہے۔ میرا غیب بہ لطافت عقیدۂ قدس، پھر ہے تم سے  
 میاں بلی گری کی۔ بھائی نے ہوا پر دوری کی، تم بھیے سرجو، وہ سلامت رہیں، ہم اسی حویلی  
 میں آ قیامت رہیں۔

اس ایہام کی توضیح اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مینہ کی شدت سے چھوٹا لڑکا  
 ڈرنے لگا، اس کی دلدی بھی ٹھہرائی۔ بھگد کو خلوت خانے کا دروازہ غریب دھیر اور اس کے  
 آنکھ ایک چھوٹا سا سہ ذرہ یاد تھا جب تمہارے پاؤں میں چوٹ لگی ہے تو میں اس کی  
 دردناک سے تم کو دیکھنے آیا تھا، یہ بھگد کو خلوت خانے کو محل سرا بنایا چاہتا تھا کہ گڑنی ڈوئی  
 کوڑی اینٹیں، کامین، خلیں، تمبولی، کیکاری، اپسنداری، ان فرقوں کا میر وہ دردناک بھگد  
 میرے اور میرے بچوں کی آمد و رفت دیوان خانے میں سے رہے گی۔ میاں باہر اندھ لوگ  
 دیوان خانے میں سے آئیں جائیں، اپنے بیچے کو ہر وقت بچل پائیاں نظر آئیں۔

یہ مقدار جن کو تم کہہ اور بھائی کو پ جانتے ہیں۔ اب تمہاری پھر کی نے خیم، غلام رنگ  
 بنایا ہے۔ باہر نکلتی ہیں، مسجد اکبریا لائیں گی، مگر خلیں اور ملنا، حیدر، دھچکوں سے باتیں  
 کرتی پھرتی ہیں، جب وہ محل سے نکلیں گی، مسکن نہیں کہ اطراف جہر کی سیر نہ کریں گی۔ مسکن  
 نہیں کہ وہ اس کے سپاہیوں سے باتیں نہ کریں گی، مسکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں، صلیبی کی کو  
 لے جا کر دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تھی، چھلکے جینے کی کافی کے ہیں، غریب صاحب

ہلکا کے بیچے کی بیماری کے لیے) ہے۔ ایسے حالی شان دیوانہ نالے کی یہ قسمت خود بچے سے  
 نازک مزاج دیوانے کی یہ شامت، عہدِ ناسِ سرودی کو اپنے آویسوں کے اور لڑکوں کے کتب  
 کے لیے ہرگز کافی نہ تھا۔ مورد اور کبریا اور خیر اور بکری باہر گھوڑوں کے پاس رہ سکتے تھے۔  
 تَعَوَّذْتُ بِكَ يَا رَبِّ بِسَبْعِ الْعَوَاقِمِ پڑھا اور پُپ ہورہا۔ مگر تمھاری خاطر خاطر توج رہے کہ اسباب  
 وحشت و خوف و خطر اب دوسرے بیچہ نکل گیا ہے۔ یہ کسان کے مانگوں کی طرف سے وعدہ خیر و امان  
 ہے۔ نہ لاکھڑا ہے نہ بی بی گھبراتا ہے۔ نہ میرا بے تمام ہوں۔ ٹکڑا ہوا کوٹھا۔ چاندنی رات کا برا  
 سوہا تمام رات ٹھک پر مڑنا پڑنا نظر دو گھڑی کے تلے گزیرا۔ جلدیگر اور پانچ مغرب میں  
 خود آگھر مشرق سے نہرو نکل بیوی کا وہ نکلتا روشنی کا وہ عالم۔

عاقب

۶ اگست ۱۹۳۷ء

(۲۵)

ہاں عاقب! مگر ہم سے اگلی ہوئی ہاں!

قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع ہے، خدا کا اسماء عز و اقران اگلی یگ تمھاری کشش کے  
 تھک رہے ہیں۔ وہ تو خود سا کبھی تڑپاں، صاحبزادہ سموات مند و خواتین، موسیٰ کے آپ  
 ٹھک ہیں۔ نواب صاحب کا ہم پہنچا اور آپ کا ہم ہندہ ہوتا بہتر ہوا، کاش تم یہ کھینچ کر متا ہر  
 کیا مقدر ہوا، انا مشرقی ایک تم ہر سو تمھیں کیا اختیار ہے، اہلہ طرہ جھڑکی اولیت ہر  
 عار ہے۔ ہاپ تمھارا عاقب، قاعدہ اہل سنت، جماعت مشرقیوں سے ٹھک کو کم کرتا تھا، روضہ  
 نے خدا مانا کیوں کرانا، وہ تو ٹھک کا دم بھرتا تھا۔

تھوڑا خاں صاحب کے باب میں ہندہ بھیا اس خبر کا ہے کہ اب دوبارہ سے اُن کا ارادہ

کدھر کا ہے؟

روضہ اُن کو دیا پہنچے۔ نواب صاحب کی مناسبت اور مولانا طائی کی صحبت بہانہ

دوسرے پر کسب و چہا ہوں کہ تم نواب شخص ہی اور وہ کہتے ہیں، کیا کہتا ہے؟ اور میں پوچھتا ہوں

میں کا، تو وہ فرماتے ہیں، 'مرزا شمشاد علی بیگ کا یہی' اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے؟  
 دیکھو دوست جی! میں نے جیسے ہیں، میرا سنگم موجود ہے، 'وہ صاحب' میں کیا خوشامدی ہوں جو  
 مندرجہ کیوں، میرا شیوہ حفظ الغیب ہے۔ غائب کی تعریف کرنی کیا عیب ہے؟ ہاں  
 صاحب آپ ایسے ہی وضع دار ہیں، اس میں کیا عیب ہے؟

غائب

محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

(۳۶)

میاں!

تم میرے ساتھ وہ معاملے کرتے ہو جو ایمان سے معمولی و غیر معمولی حکم بہاویہ، غزل بعد  
 اصحاب کے بچتی ہے۔ جناب انصاف! گورنر بہادر نے وہ بار کیا، میری تعظیم و توقیر میرے حال پر  
 ملت و حریت میری درشتی و احتماق سے زیادہ، بلکہ میری خواہش اور تصور سے سوا مہذول کی، اس  
 دھوکہ اور غباہتانی اور آکام نموداری کو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ یہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ دل وہ علم  
 سے کوئی چیز ہو گیا ہے، کسی بات سے کوئی نہیں ہو سکتا، ہرگز کو خجالت کہے ہوئے ہوں، اور نہ بات  
 کا طالب ہوں۔ کئی دن سے کوئی تقریر دل پذیر تمہاری نظر نہیں آئی۔ نہ مجھے تم نے یاد کیا، نہ  
 اپنے بھائی کو گپ کرکھا، اب اس معاملہ کا جواب جلد لکھو۔

پچھلے اپنے بچوں کا حال، پھر وہاں کے اوضاع، جیسا احتمالاً قاعدہ ہے، متفق اور مطلق  
 لکھو۔ فقط۔

خجالت کا طالب۔ غائب

اداکار، تاریخ، مشق، مشق

(۳۷)

اقبال نشانی

بچہ و عاقبت و فتح و نصرت لوہار و پچنپا مبارک ہو۔ مقصود ان خطوط کی تقریر سے یہ  
 ہے کہ مطیع اکمل الطحاوی میں چند احباب میرے سوا تہذیب کے جج کرتے ہو اور ان کے

چھوٹے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ ہر سے سوعات مانگھیں اور اطراف و جانب سے بھی فراہم کیے  
 ہیں۔ یہ اسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہاں بھیجا ہوا وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے  
 تھما سے پاس بہت ہوں گے، اگر ان کا ایک پادسل بنا کر پسیل ڈاک بھیج دو گے، ان کی  
 میں کوئی بدھرتنے والا ہو، اس کو دے دو گے تو موجب میری خوشی کا ہوگا اور میں ایسا ہانتا  
 ہوں گا اس کے چھاپے جانے سے تم بھی خوشی ہو گے۔ بچوں کو دعا۔

اپریل - مئی ۱۹۶۹ء

فات

(۲۸)

ولی جہدی میں شادی ہو مبارک

عنا یا سب الہی ہو مبارک

اس امر فریغ و بہاؤ کی خبرت میں کوششیں بے عملی ہے اور اس کے اختتام پر  
 عقلائیہ تمام اپنی زبان پر نہ لائے، اگر کوئی اور کہے، مانع نہ آئے، نہ اختیار نہ اختیار۔  
 دودھ ہوا مگر مدت سوینے کے بعد اور پھر جھٹک کا نہ آنا ان تھما سے پکارتے سے  
 متنبہ ہو جانا، ماوسے کی گئی کی ملائیں ہیں۔ خدمت میں اس قدر اذیت ہوئی ہے۔

میرے خطوط اردو کے اسمال کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا، تھما سے سن لین پر تم  
 سے بعید تھا۔ میں سخت بے مزہ ہوا، اگر بے عزتی کے وجہ لکھوں تو شاید ایک خط کا فائدہ  
 سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات مزید مختصر لکھتا ہوں۔ سنو یہاں اگر ان خطوط کا تم کو اتفاق  
 منظور ہو، انھیں تھما سے ملانی ہیں، تو ہرگز نہ بھیج، قصہ تمام ہوا، اور اگر ان کے تلف ہونے کا  
 اندیشہ ہے تو میرے مختل خطوط اپنے پاس رہنے دو اور کسی مصدری سے نقل آکر دیکر چاہو  
 کسی کے (تھما) پسیل پادسل اسمال کرو، لیکن بلد۔ خدا کے واسطے کہیں فیکٹ میں لاگڑا عطا  
 تو یہ لکھائے تو کہہ کر اصل خطوط نہ بھیج دینا کہ یہ امر میرے خلاف مقصود ہے۔ بھلا صاحب  
 ڈرنا ہوں میں تم سے اور خط پڑھا اور جواب لکھ کر ڈاک میں بھیجا۔ تھما خط رہنے دیا

ہے۔ جب آکا شاد دلی بیگم آئیں گے، پڑھائیں گے۔

غالب

اپریل مئی ۱۸۵۷ء

(۲۹)

ڈاکٹر جوزف آکاشڈ اُس نے اپنی قسم میں کریم نے ایسا مانا ہے اور اُس کے سوا کسی کو موجود نہیں جانا ہے کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھا اور عام حال و تھا۔ غالب کے ذوق کو شست پا کر میں متوقف ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور غالب کتب کا سوداگر ہے، اپنا اثاثہ تنہا سو پتے کو دولت بہت کو ہانپ چکا۔ میں متوسط کو بہتم سمجھا تھا اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپو اسے علم نہیں دے گا۔ ایک جگہ سے لے کر اُن کو بھیجے، اُس کی امید میں تقریباً انھوں نے طلبہ مقدمات، تکلیف سوداگر نکلی اور اُس سوداگر کو مفقودا الجھ کر نکھا۔ ظاہر اُن کیس نے کر کہیں کیا ہو گا یا کتا میں لے گیا ہو گا۔ یہ تمہیں خدا نے اور چنتیس خط بہ دستور میرے کسی میں موجود نہ محفوظ رہیں گے، اگر متوسط بہ تقاضا طلب کرے گا۔ اُن خطوط کی نقلیں اُس کو اور اصل تم کو رنگا دوں گا۔ وہ تمھارے بھیجے ہوئے کاغذ تم کو پہنچا جائیں گے۔

میاں! ان خطوں کے ارسال میں تم نے مجھ سے وہ کیا ہو میں نے تم سے دو ہاتھ میں کیا تھا۔ بھلا میں کو پر غرت ہوں اور میں خرافات کو نسیاں لازم ہے، تم نے کیا مجھ کے پڑا لیٹ کر اور نظم کر کے بھیجا، خطوں پر ایک جلیل القدر شی کاغذ لیٹ کر ارسال کیا ہوتا اگر شعی بہادری لالی میرا اور شہاب الدین کا دوست نہ ہوتا تو کیا اس روپیہ کا کھوکھلا ہوا لگا،

وصید، بد بلاے و لے بغیر گذشت

غالب

۳۰ مئی ۱۸۵۷ء

(۳۰)

بدامست مرگ، و لے بد برا از گمان کو نیست

مکرر لکھ چکا ہوں کہ نصیب سے کامو وہیں نے نہیں رکھا، مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے



یاد نہیں کوئی سیڑیاں ملنے پہنچنے ہو کہ رہا میں کچھ قصیدہ کیجی۔ یعنی اس کے یکا کر  
 جو نمبر اب کے تو مقرر کیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، تورات کی قسم، زبور کی قسم،  
 ہود کے چار بیوہ کی قسم، دوسا جیز کی قسم، ژندہ کی قسم، پاژندہ کی قسم، آتش کی قسم، بھڑو کے  
 گرنجھ کی قسم، ذمیرے پاس وہ قصیدہ نہ لے دے با میلا یاد۔

گلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں:

برہانیم کہ ہستیم وہاں خواہد بود

بہر میں دس پندرہ جلدی مشکلاں گا، ایک بھائی کو اور ایک تم کو اور اسی بیوں ۴  
 اور اگر بھائی کو جلدی ہے تو گھنٹوں میں اور دوا اخبار کا ملے گا، تاکہ اس کا خوشی ہو اور کٹوڑ ہو اور خوشی  
 جلدی میں چاہوں گھنٹوں سے مشکلاں۔ میں بہ ہر حال خود جلدی میں وقت صبح ہو گا کچھ دلیں گا۔  
 ۱۱ ہوں غلط شدہ  
 نہات کا طالب، نائب

(۳۱)

میری جان!

مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے۔ میں نے خطوط اور سطر قلم سے ایک خط ان  
 کو دیے۔ اب تمہارے پاس بھیجے گا ان کو اختیار ہے۔ رسید کا اجزہ لے کے انتظار ہے۔ علی حسین خاں  
 سے آئے کی حیثیت اور یہاں اقامت کی مدت پتہ نہیں گئی۔ جواب پایا کہ ایک ہینا دس دن کی  
 رخصت لے کر آیا ہوں۔ بی بی زیادہ ہے۔ اس کا انتظار منظور ہے۔ میری جان علی حسین خاں کے  
 کام آئے تو دریاغ نہ کروں۔ بھلا یہ بہانہ کیا، بلکہ بے شک تبلیغ دعوے، لیکن قریب قریب ہی کے  
 یعنی جو چیز اسکاں سے باہر ہو، اس میں قصور کیوں کر کیا جائے گا؟ بلکہ شاید چاہا ہی سپردی  
 کی بھی حاجت نہ ہو، مگر سوچ کر آئیں غم غماری و اندوہ گساری کیا ہو گا، میرزا بدوش بدوش  
 انہیں کہ پند و جند کا محتاج ہو، کوئی اس کا مقصد کسی جگہ میں دانا نہیں کہ مصلحت و مطلوب کی  
 احتیاج ہو رہے اس پر خاں علی حسین بی بی اندہ اس کے آبا و اجداد خاں کے سطرے اس میں نہ تم کو



”عصرہ“ لغت فارسی نہیں۔ سسرے کی تقریب کے سنہ پیدایا ہوا ہو تو کیا اب یہ نام سے اس کی تائید  
 چاہی جاتی کہ یہ لغت عربی الاصل نہ ہو، وہ معلوم ہو اگر عربی نہیں لغت جدید ہے۔ مگر سنہ  
 احمد نہ ہی تھا میرا عقیدہ۔

میں سین خاں آئے۔ دو تین بار مجھ سے مل گئے۔ اب نہ رونا سکے ہیں۔ نہیں ہاں سکا  
 ہوں۔ نصیب دشمنان وہ منگڑا سے نہیں ہوا۔ اس کے ہاؤں کا حال مفصلی تم کو معلوم ہو گا جو کہیں  
 لگیں کیا ہوا کہاں تک قربت پہنچی۔ میری حقیقت سنو۔ مہینہ بھر کے زیادہ کا عرصہ ہوا انہیں ہاؤں  
 میں دویم کھٹ پائے پٹت پاگو لکیرا ہوا پٹڑی تک آسان کھڑا ہوتا ہوں تو پٹڑی کی دھجیں  
 پٹنے لگتی ہیں۔ لیزو ڈاٹھا۔ رونی کھانے مل سوا ڈیگا۔ کھانا نہیں ملتا کیا۔ چٹاپ کو کیوں کر ڈاٹھوں؟  
 حاجی رکولی۔ پیرا کرڈو بیٹھے بات نہیں ہتی، پانے کو گرہ دھرے سسرے دن ہاؤں۔ گرہاں کو کہ  
 یہ سب موقع خیال میں آکر سوچا تو کہ کیا گورتی ہو گی؟

آفت از قحط مزید طعیر یا مستزاد

پیری و صدوب چیں لغت اند

پہتا یہ مصرعہ بار بار چکے چکے پڑتا ہوں،

اے مرگ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے۔

مرگ، اب ناگہانی کہاں رہی؟ سبب آئندہ سب فراہم ہیں۔ اسے الٹی لکھتی ہیں غور

نکلیا مصروا ہے۔

آہ جی ہاؤں تنہا جانے اگر بیان کہیں

زائدہ جہ فائدہ

مرگ کا طالب۔ غالب

جمر ۳ جولائی ۱۹۷۷ء

(۳۳)

جانا مالی شان!

پچھلے عطر اور پیر۔ تو سب پر غور علی سین خاں۔ جملہ کلیات فارسی کہنے ہجرت ہے کہ

پارسہ پختیت کتاب اور چلے آئے حصول ذاک قصاب الخباز میں اگر پانچ روپے قیمت اور  
پانچ آنے حصول کر رہا ہوئے، نیز جہاں سوداں سوائے میرا مال نہیں اور تمامہاں حال مجھے  
معلوم ہے :

ایسا ہم اندر عاشقی بالائے غم دے دگر

اب کے چنے میں شاید دے سکوں، تو میرے حال میں یہ کہاں تمہارے پاس ہاں ہاں  
پانچ روپے، وانشاء اللہ اعلیٰ تم کو ہم۔

میں بے میاں تھا ملا، اچھا ہوئے لگا، عورتوں میں مخموت ہے، طاعت آئی ہلی ہے، غمخیزیا

در ہمارے جز ایسا مصرعہ شاعر چو کریم

اے دلے ز محرومی دیدار، دگر بچ

نجات یکشنبہ، ۲۰ خیریت، ۲۰ نجات کا طالب، غالب

(۳۴)

اتہال نشان مرزا علیہ العزین خاں بہادر کو غالب گوشتہ نشین کی دعا کہتے ہوئے دوا  
علی حسین خاں آیا، مجھ سے ملے، بھائی کا حال اس کی نہانی معلوم ہوا، میں تعالیٰ اپنا فضل کرے۔  
اکوڑی سو روپیہ، تم اس کے مصداق کیوں بنے، ہفت خان و سراق اگر چہ تمہارا عذر ناہوڑی  
ہے، لیکن آج تک تمہاری خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا، اب کیوں آیا ہاں اگر آیا تو ہرگز اس کو ٹھہرنے  
درو، ہانگ دوا، میرداد اس کو اپنے پاس رکھنے نہ دیتا۔

شفیق اکرم و لطیف محرم تولیٰ طور صاحب، بی بی بی بی لاکر وہاں آئے، مجھ سے اور تمہارے  
بچا اور تمہارے بھائی شہاب العزین خاں سے ملے، خالق نے اُن کو میری صورت اور خطری  
کی صورت عطا کی ہے، گویا یہ ہے خود قرآن العزین ہیں، تم سے میں نے کچھ نہ کہا تھا، کلیات کے  
دیں جلد کی قیمت یہاں ساں لکھتے، اب اُس سے جو ذکر آیا تو انہوں نے پہلی قیمت ٹھہرا دیا  
یعنی قبول کی، یعنی تین روپے چار آنے فی جلد، اس صورت میں دس جلد کے تیس روپے

آٹھ آٹھ میں دوں۔ اور تجیس روپے آٹھ آٹھ کے تم دو چکی ہوسٹو سلطان احمد انباریہ پہنچنے والی  
میں دو مہر بادہ مال کی دسویں گیارہوں کو خطاب ہوں گا۔ کہو: تجیس روپے آٹھ آٹھ کے علی مین خاں کا  
دسے وہاں کہو لکھنویک دوں۔ اس لکھنوی کا جواب جلدیجیو۔

بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہتا اور استاد میر جان کے میری طرف سے تقدیر کرتا  
پنجشنبہ ۱۱ جمادی الثانی سال ۱۲۸۰

مطابق ۳ دسمبر سال ۱۲۸۰ء

نجات کا خطاب۔ غالب

سال کیا غضب ہے یہ کھٹکے لڑیہ گروا یہ تھکے جاب ادب گرو جی وہاں گن صاحب ہمارے ہے  
مردانہ طوائف ! (۳۵)

وہ خدا علی حسین خاں کا بیان ہے قصصائے محبت تھا ہر بار کہتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ تم بہانے  
اُن کے ہے، دو کوئی ہم کن، دو کوئی ہم نفس، دوسیر نہ شکار نہ بھیس، دو دوسرا ہمتیانی و بے تسلی  
اور میں۔ چہ نہ کیوں کر گھر لائے مختلفاں کیوں کر نہ ہو جائے !

دو دن یاد نہ تار تار، آج پوچھا یا بھئی شادی بھول گیا ہوں، پانچواں دن ہے کہ ملتی  
توئی کشور ہر سوار کی ملک، وہ گراے کھٹو ہوئے، کل ہٹکا گئے ہوں یا آج ہٹکا جائیں۔

آج روز پنجشنبہ میرو دوسرے کی ہے۔ ایک دن ملتی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے کہ بھٹو باد  
شہاب الدین خاں بھی تھا میں نے ثاقب کو خطاب کر کے کہا کہ اگر میں دنیا دار ہوتا تو اس  
کو نوکری کہتا مگر چونکہ فقیر تھی دار ہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ تین جنگ کا دوزخ دار ہوں۔

ساڑھے باٹھ دس بجے مئی سات سو یکاس روپے سال سرکار انگریزی سے پائا ہوں، بارہ سو  
سال سام چود سے اور چھریس روپے سال ان مہاراج سے۔ تو فتح یہ کہ وہ ہری سے

ہر پہیچ میں چار بار اعلیٰ بار خجہ کو پہنچتے ہیں، قیمت نہیں دیتے مگر ہاں، دس بیس لکھڑی ہاں میں  
پہنچا دیا کرتا ہوں۔ تجیس روپے آٹھ آٹھ کے ہر میلے پر چھ لکھ علی حسین خاں کے حواسے  
کروں مقصود اس سے یہ تھا کہ اس سال ہر میل ہٹو دی و شوار ہے، میرزا اب میں آج ہنگامہ

پہنچاں لکھوا کر تم کو کچھ دیں گا۔ تم سب سے پہلے منگوا لیجو۔ خدا پاس ہے تو میری روپیہ  
تمہارے پاس پہنچ جائے۔

استاد یوں صاحب کو قدم بوس کر کر کچھ کو فرعون بٹھا پڑا۔ دہائی خدائی اب ایسا نہ کروں گا۔  
میرا سلام بلکہ دعا ان کو کہہ دیتا۔

ہر سول مولوی مسدقہ علی صاحب کو لکھی ہو گیا۔ سید صاحب اتورہ گیا ہے۔ زبان مٹی ہو گئی ہے۔  
بات شکل سے کرتے ہیں اور کم کچھ میں آتی ہے۔ میں اپنا کچھ ہوں چاہیں سکا۔ جو ان کو دیکھا آتا ہے،  
اُس سے ہی کامال پر چھا جاتا ہے۔ دن تار تار مسدقہ لکھا پڑا ہوں۔ صاحب کا نام غالب ہے  
کہ وہ خط سے پہچان جاتو۔  
بک فہرہ ۱۳ دسمبر ۱۳۲۷ء

(۳۶)

خدائی مولائی کو غالب طالب کی دعا ہے۔ چارے مرزا کا معاملہ علی حسین خاں کی معرفت  
ٹپ ہو گیا۔ یہاں چندہ کا سوال، وہاں دس میں سے کچھ کم کرنے کا خیال، متوسطہ و سوسا  
یوٹیل سین خاں پہلے کے بعد وہ یہاں آئے اور کیا کرے اور کیا کہے؟ مرزا خان و توکل  
جیہا نہ چندہ مانگتے جیہا نہ دس، اللہ میں ماسوا ہوں۔

صاحب تروٹین صاحب، بھائی کے دوست، دلی آئی آئے۔ لاٹ صاحب کہاتے ہیں۔  
مستحق ہوں کہ کل اکبر آباد جاتے ہیں۔ بھائی علی بخش خاں عدت سے زیادہ تھے۔ دست کو بارہ پر  
دوبیکہ مر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

تمہارے تم تندر آج دن کو بارہ بیکے سلطان جی گئے ہیں۔ میں وہاں کا قیصر و مکیفین  
اُن کی طرف سے مل میں آئے گی۔ بارہ زمین بیکے ریط میں نے قسین لکھا ہے۔ کل شب دو جو منگنا  
کڑک ٹھہر چکا عدل کا شفق شفق میں یہاں صاحب کو سلام مع الفا کرام۔

بک فہرہ ۱۳ دسمبر ۱۳۲۷ء  
نہایت کا طالب۔ غالب

(۳۷)

میری جان !

غائب کثیر الخطاب کی کہانی سن کر میں اگلے زمانے کا آدمی ہوں۔ جہاں ایک امر کی ابتدا  
 دیکھی میری جان کیا کہ اب یہ امر مطابق اس بدایت کے نہایت پذیر ہو گا۔ یہاں اختلاف طوائف کا  
 وہ حال کہ آغاز منقوش، انجام منقوش، مہلتا خبر سے یہ لگانہ شرط ہوا سے محروم، سنا اور سنا اور  
 سنا کہ قصہ طے ہو گیا اب علماء الدین خاں کا قیاس آئیں گے۔ دل خوش ہوا کہ اپنے محبوب کی  
 شکل میں اس کے نکاح کے دیکھوں گا۔ پھر دوسروں (آخر روز بھائی) پاس گیا۔ اٹھائے اٹھکھاوا و غیب  
 میں نہیں نے پوچھا کہ کہو بھائی عطا اللہ یہ خاں کب رخصت گئے؟ جواب کہ نہیں۔ اپنی وہ قصہ تو طے  
 ہو گیا، ہاں وہ تو، وہ میری لئے دے سکی وہ میری لئے کہا تو اب چاہیے کہ وہ آئیں۔ فرمایا کہ شاید  
 ابھی نہ آئے۔

### معلوم ہوا کہ خیر، خیرنگا باب

پاپا دارا وہ کیا کہ جو کچھ کہا تھا اب وہ لکھ کر لے جوں، پچھوں تو شام ہوئی تھی کل کل گیر مرنے والوں  
 نے دم نہ بچھ دیا، اُس پر مڑو یہ کہ شائق نے کہا کہ بھائی تم سے شاکہ ہیں، اب عطا آپڑا کر گلا اور شاکہ  
 عطا سے پہلے تھا اسے دفعہ طاعن میں کلام کروں۔

بھائی تم میرے لڑکے جگہ بہ لڑکے ہو۔ اگر میرا سبلی بیٹا اس دودھ و دانستہ دھریہ و  
 تقریر کا ہوں تو میں اس کو اپنا باپ و دادا و عزیز و شکر ہا تھا۔ میرے عطا کے نہ پہنچے کا لکھ  
 غلط و حقار کوں سا عطا آیا کہ اس کا جواب یہاں سے نہ کھینچا؟ میرے پاس جو منہ صبر و بردی  
 فراہم تھے وہ میں نے اس تقریر سے نہ کھینچے کہ اب تم آتے ہو زبانی گفت و شنید ہو جائے گی۔  
 شائق نے چلتی کھڑی میں روٹا اٹکا دیا تب مجھے تو طبع و تہجد میں ایک رات نکلتا چلا وہ عطا  
 نگارشی یہاں سے ہوتا۔

یا املا بشر غائب :

ہاں از جہل مدد میں مشورہ تا مشعل

کہ گزشتہ رقم کم اسی بدو شش مدوح عظیم

پہر سالہ موسم بہار قرقا طبع ہوا۔ "اٹکب" نے تم کو بھیجا ہے میرے بھتیجے بھتیجے اور اسی  
 اور سال سے میرا مدد ہے کہ اس کے معائنہ کے وقت اسی کتاب کی بے دخلی میرا رستہ پر اور میری  
 اپنی ثابت اور نسبت اسے ضرورہ پر نظر کرو۔ بڑا داد دہندہ نکھو اور اندوے انسان کم ہنر ہے تین دلیل۔  
 اُس نے جو کچھ کو یہاں دی میرا اُس پر ضرورہ کرو۔ غلطیاں مہارت کی اشدت اسباب نکل  
 کی صورت، سوال و دیگر جواب دیکھو۔ ان باتوں کو مطلع نظر کرو، بلکہ اگر دوست مسامتہ کرے  
 تو اس جواب کو الگ ایک کاغذ پر لکھو اور بعد اتمام میرے پاس بھیج دو، میرا ایک دوست داخل  
 کوہہ غیورہ ہال انویسٹ ہے۔ ان باتوں کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ تیرے بھتیجے نے اس کو مدد دی  
 ہے۔ تم بھی بھائی مدد دو اور وہ امر بہم کہ جو قصہ کے والد کی تقریر سے دل نہیں نہیں ہوا کہی  
 قصہ نکل بنا اور دینی آیت اُس کا بہرہ منقص و مشرح لکھو۔

دن کا سرخ اپنا نام، آٹھ لکھ بہت میں کھرا آیا ہوں، اب اس سال جواب کی تاکید کے  
 موافق کیا کہوں، فقط۔

نکا کا وقت، اپنا رہنمائی، اٹکب کے بقول عوام ہی حیدر کا دن

(۳۸)

اسے تیری جان!

شعوی، اگر پھر ارادہ کون ہی فکر باز نہ تھی کریں، جلد کر لیتا، کیا کہ میں موجود ہے، سہذا  
 شباب الدین خاں نے لکھا کہ اسی میں مکر کیا لکھتا؟

تپ غریب کے دیکھنے سے انکار کیوں کرتے ہو؟ اگر منافی طبع تحریر کو بہ سبب ان کا  
 دیکھا کرتے تو فریقین کی کتب سے مواظباں سے موجود ہو میں؟ انہوں نے کو میں نے عربی جانا عربی  
 نہیں ہے، اب نا، یہ ایک بہرہ طبیعت تھا، میرا اعزاز حق تو مخلوط بحث پر ہے، انہوں نے "و



”فسوی“ ایک کیوں ہو جانتے۔

یہاں کے اطوار کچھ سے باوجود قُرب غفنی اور تم پر بے ادبی نہ تھا، آشکارہ۔ دورِ اپنی تاثیر  
ورسہ خور، دُورِ دیکھاں بے صبر و دور۔ وہ پیرا گیا، دلی سے نکلا، غزلیں سے نکلا۔ ہاتھ سے نہیں نکلا۔  
جب ہاتھ سے نکلی جاتے تھے اور جنس مولیٰ لی جاتے تھے، تو یہ گند کٹ جائے گا، تب تیراں تیراں  
پیش تھوڑا داری میں تمہارے یہاں آئے کے باب میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ میں ان دنوں محدود  
بھی ہوں۔ والسلام

مجموعہ باب الابرار عفتنم  
پارہ نور بدو ناکہ نور واری  
میت ہاشم کہ از چمن پسرے  
فاک رہتیں عزیز تر واری  
گفت میت است از تر خواہش نور  
کہ تو گنجینہ گہر واری  
گنجہاں سخن حوالہ تست  
نور بہ ہیں تاجہ لے پسر واری  
پیش من نور کھاست ہاں پدر  
بہری ہرچہ در نظر واری  
عفتنم ایک بہ چہ پیانے  
نور بہ من می وہی اکر واری  
سر زخیل آں سر عیتار  
کوز عیاریش خیر واری  
بخش نور و نور برین ویکوے  
کہ ہیں مدعا منکر واری

مخلص بابا قضاۃ بودہ سہ  
چہ فرد بیزم و چہ بردار

برائے شہرہ ۱۴۱۱ھ کی تاریخ

1995

179

1240

نائب کو اچھا دیکھو اور غیر غوا تصور کریں۔ امام اسے تدریجاً گوند آپ قابو نظر میں لائیں  
اور دیکھو کہ اس امر شکر کی تکلیف دیں۔

بھائی! بھو! خرید چھ من میں جملہ عبادت میں لیکن تقریباً کہہ دیتے ہیں کہ آج بڑی سعادت ہے۔  
 کسوں نے اس کی جو من قصیدہ نہیں لکھا۔

ایسا ادا ہو جسے کدو کا تھوڑا سا ٹکڑا سے حسدات میں کھائی جائے۔ شام تک ہر چنگی اجڑ جائے۔ غصہ و اشتہا  
سب کچھ کو جہنم لاندہ کسی کو طوائف اور عداوت کو ظاہر ہوا اگر کدو کا ٹکڑا نہ کھائے۔

کائنات کا اہم نجم سے چار برس چوٹا تھا میں مسئلہ حل ہو گیا تھا میں نے چار برس کی عمر پائی۔ نئی تقریر و تقریر کا وہی تھا۔ اگر آباد میں میرا صاحب سے ملے۔ اٹھائے نکالت میں کہنے لگے کہ میرا چاہاں کے ساتھ لاڈ ایک صاحب کے لشکر میں موجود تھا اور جو گھر سے جو صاحبات ہوتے ہیں اس میں شامل ہوں۔ بے ادبی ہوتی ہے۔ وہ اگر قیاد پیر میں انکار کر دے گا تو سارا بدی نکالے گا۔ ہے۔ باہر ہاتھ اور پرچی کے زخم ہیں۔ وہ ایک بیدار مغرور و وہ وہ آدمی ان کو دیکھ کر کہنے لگا کہ: خراب صاحب ہم ایسا ہاتھ ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں چار یا پانچ برس کے ہو گے یہ سن کر آپ نے کہا کہ وہ مستحق کا اہل تھا ہوتا ہے۔

تقاضا بخش بہا مرزا و پیری دوست (۱۷۳۶) ہے ایک نیک نگار اور

(۳۰)

اجی مرزا، ملانی !

قلب صاحب دو بچے تنگ کی اہانت دے چکے اور یہی خبر کراچی نہیں کرتا، مرزا ملانی کو  
 بیگ کی زبانی چکر ڈالے صاحب ملاو الدین خاں سے کہ چکے ہیں کہ قصہ سٹ گیا ہے، اب تم حقوق  
 سے دلی ہاؤ اور پختہ سے لے کر دھچکنگ کی تم کو دوست ہے پھر تم کیوں ڈاٹے۔ خدا نے دعا، خداوند نے  
 استدعا قبول کی۔ تمہاری طرف سے حسرت تھی اور دل مروری کی کیا وجہ؟ اگر جاکی کی بجائے  
 جوت ہے تو تم کچھ سو کر مبرا کیا ہے؟

مرزا دوست ملی خاں عزیز تمہارے بلائے ہوئے اور مہدی حسین، بھائی صاحب کے  
 مطلوب، مرزا عبدالقادر بیگ کے قبائلی کے ساتھ کل روانہ ہو رہے ہیں۔  
 فتنہ عا، خیر، شکستہ  
 نجات کا خطاب۔ نائب

(۳۱)

مرزا ملانی، مرانی !

خدا بھر سے خط لکھا نہ جواب دے۔ یہ تدبیر بادۂ حق جو اٹھنا بلکہ امیدوار، صاحب جو کسی  
 طرح کی توقع نہ رہی تو شکوہ طرازی کا موقع ہاتھ آیا۔ اگرچہ بات ہوں کہ ایک گھر سے کتنے چھا  
 سطوی، امرہ، برابر ایک دھماکہ کھو گئے اور ہزاروں نہیں جو یہ بیان کرو گے۔ میں اس قصہ کا مزہ  
 اٹھا رہا ہوں کہ دیکھوں کیا کہتے ہو؟

دلی صاحب سے کھونا، اچھو کی صاحب سے کھونا، نائب سے کھونا، بعد حصول  
 اہانت نہ آتا اس کے بھی کچھ معنی ہیں یا نہیں؟ اچھا میرا میں کچھ اس باب میں لکھ چکا ہوں اور  
 ایک مہرلی اور ایک بیلا کوئی درجہز مہارک۔

پلوں کو میری دعا کہتا اور ملک کی غیر رعایت لکھتا۔ استاد میر جان صاحب کو سلام۔  
 مزہ تو بے لے گا کہ تم دلی کا اور اپنی زبان سے لاجپتہ کے چٹا ترانہ گن کا حال بیان کرو۔  
 چھا فتنہ، نو میر، شکستہ  
 نجات کا خطاب۔ نائب

میری جان !

تیرا خط بھی آیا اور مٹی سین خاں غم اللہ میں بھی تشریف لایا۔ اگر سر نوشت آسمانی میں بھی  
اور اگر وہ جب یا اوائل شعبان میں بہارِ اتحادِ ارضیہ شینا مندرج ہے تو نہائی کہ سن لیرنگے۔ قلم کو  
ان اسرار کی حوسیت نہیں ہے جو شخص اپنے ملک و مال و جان و تھوڑنگ و نام کے احمد میں آشتی  
مگر وہاں بلکہ عاجز و میراں ہوا دوسرے کو اُس سے کیا نحو۔ اسے نظیر آری ،  
بالا بجانِ طوطی ، باغ و غور و دوسرے کشی  
از مادر ز غور و آخر ازاں کہی

محفل و ہوش و راس سوتیاہ ۱۰ اینوں کا مگر ہو جانا علامہ۔ اظہر ہے چاہے سو گئے۔ ایسا  
پیارا باغ و بہار بھائی یوں بگڑ جاتے ۔

بسم ۹ و بحرِ مختصر ۲

۴ دہبِ مختصر ۱۰ نجات کا طالب ۔ غالب

(۴۳)

اوصافِ اہلِ عزا دہبِ بیگ مرے ، اُن کی عزت آپ نے نہ کی۔ شعبان بیگ پیدا  
ہوئے اُن کی اُن کی پٹی ہو گئی آپ شریک دہستے ،

لے دے ز غروی ویدار و دگر دیکھا

یہاں خدا جانے کس طرح یہ چار سطری تہ کو گھسی ہیں۔ غمِ اللہ میں خاں کی باری  
نے میری لذیت کا مزہ کھو دیا میں کہتا ہوں کہ اس کے عوین میں مرادوں۔ اشرا اس کو جیتا دیکھا  
اس کا ارغ بھ کو نہ دیکھائے یا دہب اُس کو صحت دے گا یا دہب اس کی کر بڑھاوے ۔

تھکے پٹے ایک اب پیدا ہونے والا ہے یا دہب اُس کو کوہ و کے سر پہ سلامت دیکھو۔

۵ جنوری مختصر ۲

۶ شعبان مختصر ۱۰

نجات کا طالب ۔ غالب

(۳۴)

میری جان !

تاسا تری روزگار و ہے دلکشی اطوار و بہ طریق و راغ بالائے دل و آئندے ویدار۔ وہ  
وہ آتش شرمہ بار آور یہ ایک دریا سے نہ پیدا کنار کو فنا آؤ نہ لفظ اب السلاب۔

خدا نے بھائی ضیاء الدین خاں کے بڑے چاہے پادری میری بے کسی پر دم فرمایا۔ میرا  
شہاب الدین خاں نکاح نکاح امرا میں مختلف میں مگر خیا تھا۔ ہوا میری خانی، زحیر چپ، سارے اپنے  
اب میں تھی التوجہ صحت حاصل ہے۔ جسٹ جاتے ہیں جاتے گئے کون سے قوی تھے  
کہ اب ان کو ضعیف کہا جاتے، ایک بڑا کسی لگی میں جاتے جاتے مٹو کر کھا کر گر پڑا کئے گئے  
آئے بڑے چاہے پادری اور دیکھا جب ہانا کہ کوئی نہیں ہے کہتا ہوا بڑا حاکم۔ "جوانی میں کیا پتھر  
پڑتے تھے۔ والسلام

جنوری ۱۹۲۷ء ۲ غالب مستہام

(۳۵)

میری جان !

نئے بہان کا قدم تم پر مبارک ہو! اللہ تعالیٰ تمہاری اور اُس کی اور اُس کے بھائیوں  
کی عمر و دولت میں برکت دے۔ تمہاری طرح تم پر سے صاف غمرا معلوم ہوتا کہ سعید ہے یا  
سعید ہے۔ شاکب اُس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے۔ واضح کھو تا احتمال دفع ہو۔  
خدا شاکب کے نام کا تو بہ خط کا ہے کہ ایک تختہ کا خدا کا میں نے سراسر چھا الطیف  
و بذرا دشواری و دشواری چھی لا بہان جب کہتے کہ خواہے عمارت سے جگر خون نہ ہو جاتا۔ بھائی کاظم  
بہدا، ایسا کن گنرا، ایسا انہاں آورد، ایسا عیام طوار۔ یہوں عاجز و حسا خدہ و لا کار دیکھ ہو جاتے۔  
تمہارا ظم بہدا، ساغراول و خدہ کیا دل لے کر آئے کیا زبان لے کر آئے کیا علم لے کر آئے  
کیا عقل لے کر آئے اور پھر کسی دولتی کو بہت نہ سکے۔ کسی شخصے کی داد نہ پائی۔ اگر انہی کی تمہاری

زبان سے کہتا ہے :

جو ہر بنیاد میں درتہ زنگار بسا خد

آنکھ آنکھ سے من ساخت دیہ و اخت ، ویدیا

ہماری اس موعظ میں ، میں بھی تیرا ہم طالع ہوں۔ ہم وہ ہیں ، اگرچہ ایک نئے ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نعل و نعل کی داد و اعزاز دے چاہی ہے۔ آپ ہی کہا ، آپ ہی کہا ، تندرستی و آئنا و دیوار و کرم کے جو وہ الی میرے خالق نے مجھ میں بھری ہے۔ میرا ہنر ہر ایک ہنر میں قائم ہے۔ وہ وہ طاقت ہے کہ ایک لاشی ہاتھ میں دوں اور اس میں شعر آتی اور ایک فن کار شمع سویت کی دی کے ٹکڑوں اور پیادہ پاہل دوں۔ کہیں شہزادہ جاناں کہیں مصر میں جا شہزادہ کہیں جنت میں جا چھوڑ دو وہ دستہ کھوکھلے کا ایک عالم کا ہیزاں بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہ ہو کنگدہ ہی جس شہر میں رہوں اس شہر میں تو مجھ کا کنگدہ نکلے گا۔

نہ ہستان سراے ، نہ میمنہ

نہ دستان سراے ، نہ جہان

نہ دقیا پر سیا پیکر اس برسا

نہ خوفائے را مشگراں در دہا

خدا کا مقہور خلق کا مردود ، جو بڑھا ، اتارا ، بھارا ، فقیر ، غلبت میں گرفتار ، تنہا ہے حال میں غریب اور چاہاک اس کا نظیر ہم پہنچاؤں۔ وہ تو کہ بلا سے نسبت نہیں دے سکتا لیکن واللہ تنہا حال اس دیکھنا میں ، بسینہ ایسا ہے میرا مسلمین عقید کا حال کو نے میں تھا تھا مارا خالق تھا اس کا تھا کہ سے بچوں کی جان و اکبر و کا ٹکڑا ہوں میرے اور معاملات حکام و کمال سے قطع نظر کرو ، وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود بہ اور بھیک مانگتے وہ میں ہوں۔

صبح دو شنبہ مشاخر و ہم از و میام سلاطین

۳۱ فروری ۱۹۷۷ء

(۳۶)

صاحب !

کل تمہارا خط پہنچا۔ آج اُس کا جواب لکھ کر دوا کرتا ہوں۔ جب بیگ شہان بیگ رمضان بیگ پر نامور پہنچے ہیں، سو خالی گئے۔ شمال بیگ آدمی کا نام نہیں سنا۔ اُن ہی بیگ ہو سکتا ہے۔ پس جب عید ہے اور روزِ سعید ہے تو کیا عید ہے کہ یہ خط انہیں لکھنا اعلیٰ اس پہنچے ہیں تم آسکو؟ ہے ہے میں تو کہتا ہوں وہ آسکو اس ماہ مبارک میں اعضائے حکم سرکار کا، ہنگام گرم ہو کہ پادریوں کی تیبہ کو سر بر نشیں کا گان گزرنے اور کیوں جاؤ، ہولی کی دھول پڑی کا سماں لوہا میں جھک جائے۔ ایک خیر واد کی سواری بڑی دھوم سے نکلے حسنِ اتفاق پر گزری وہی موسم ہے۔ ہولی اور عید کو سر نشیں کا زمانہ باہم ہے، تخت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار جوتے ہیں۔ کل آفتاب تخت میں آیا ہے۔ کو سر بر نشیں اور ہولی کا مزہ دیا ہے۔ لیکن یہی چند روز اور کچھ بڑھتی اور تیرے دیدار کا مشتاق رہی اور کو سر بر نشیں اور ہولی کی رنگ ریاں منانے اور تیرے ہونے کا چہرہ سمجھنا پڑے گا۔

سلام الدین خاں! واشر آؤ میرا قرعہ روحانی معنوی ہے۔ فرقہ اسی قدر ہے کہ میں جاں ہوں اور تو مولوی ہے، اسے عالم! اُس کو سر بر نشیں کی داو دے عقل کر امت ہے! الہام ہے! طبع ہے! کیا ہے؟ یہ اسم کس قدر مناسب مقام ہے۔

صبر کا مقدم تم پر مبارک ہو۔ شائبہ کب سے لڑتا تھا کہ بہتیا ہے، میں کہا تھا کہ ہوتی ہے۔ بارے میں جتنا ادب شائبہ ہمارا، عزیزہ جو گناہ استاد میر جان صاحب کے نام پہنچتا ہے۔

پنجشنبہ ۲۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

۲۶ نورانی ۱۳۳۷ھ

نائب

(۳۷)

شکر یزد کہ ترا با چہ دستِ صلح قرار  
خودیاں در قفسِ کنانِ ساغرِ شکر اندازد

قدسیاں بہرہ طاعت و الہ پدست

قرعہ خالی بستام میں دیوانہ زدہ

یہاں اکم جانتے ہو کہ میں عازم رام پور تھا۔ اسباب مساعد ہو گئے۔ بشرط حیات  
بچے کو روانہ ہوں گا۔ لڑکے ہاتھوں کی غیر عاقبت علی حسین خاں کی تحریک سے معلوم ہوتی رہتی ہے۔  
میرا گھٹنا خد ہے ایک بار میں صاحب کشتہ کی عیادت کو گیا تھا۔ فرخ مرزا بگیا میرے ساتھ  
جیل خانہ کی غیر معمولی آمد بھائی صاحب کو میرا سلام کہنا۔

ایک شنبہ یکم اکتوبر ۱۳۱۷ء  
راقم۔ غالب علی شاہ

(۳۸)

یہاں علی شاہ!

خط پہنچا، سچا اٹھا۔ تمہاری آشفۃ حالی میں ہرگز شک نہیں، تم کہیں مقبالیٰ کیوں،  
والہا فہرہ ساز گوارا انجام کھاتا پڑا، ایک لادہ سوا زار، اندر تھلا یا در، علی تھاٹا دو گار۔  
میں ہاں در کتاب، بلکہ نعل در آفتاب، کب جاؤں اور فرخ میر کو دیکھوں۔ ایک خط میں نے علی حسین خاں  
کو لکھا، ہاں سے اُس کا جواب آگیا، رو میا پھر ٹھہرے پھنس میں مبتلا ہے۔ لہذا اُس کو صحت دے۔  
شش ماہی بیگ کہاں اور پہنچا اور اس طرح آگیا کہ شہاب الدین خاں سے بھی مل کر دیا گیا بیرو  
رموز مصلحت طویش خسروان دانند

یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جمشید اگر دیکھتو میراں رو جاتا، شہر سے  
دو کوں پر آفا پیر نامی ایک بستی ہے۔ آٹھ دس دن سے وہاں غلام برپا تھے۔ پرسیوں  
صاحب کشتہ بہادر بریلی سے چند صاحبوں اور میوں کے آئے اور میوں میں اُنکے کچے کم  
سو صاحب احمدیم تھا ہوئے سب امر کا رام پور کے یہاں اہل سرشت پانچا و میر خود پرورد  
جسے عمل سے آفا پور قشربہ لے گئے۔

باد پرورد بک گئے اور شہ کو پانچ بجے غلہ لے چکے تھے۔ وزیر علی خاں خانساہن خواہی



میں سے رو پر پھینکتا ہوا تھا۔ وہ کوس کے عرصے میں دو جزاء دیے سے کم نہ نثار ہوا ہو گا۔ آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے چین، شام کا کھانا پیس کھاؤں گے، دھننی آتش بازی کی وہ فریاد کہ رات دن کا سامنا کرے گی۔ عزائم کا وہ جو دم حکام کا وہ، لیج کہ اس مجلس کو طوفان الملوک کہا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے کہ صاحب کشتی بہادر، اس صاحبان عالی شان کے کان پہنیں گے کوئی کہتا ہے ہوسوں رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں، تو رنگ، شکل، شانیں، یعنی بھائی بہا الدین خاں کو فریق اور کچھ چہرہ اور لویہ شرافت، حرم، ظہیق، ہاڈل کریم متواضع، ششدر، متورع، شتر، قہم، سینکڑوں شعر یاں، نظم کی طرہ تو بد نہیں۔ خیر کھتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ جہاں سے ملتا ملتا کی طرز رہتے ہیں ڈنگلہ جیسے ایسے کہ ان کے دلچسپ سے قلم کو سوں بھاگ جائے۔ فصیح بیان ایسے کہ ان کی تقریر میں کہیں کہیں دھج صاحب میں آئے اللہم لعلی الہ و زلوا آجلا لہ

بعد اہتمام مداخل طالب نصحت ہوں گا بعد وصول نصحت دلی ہاڈل عجز بھائی صاحب کی خدمت میں بہ شرط بھائی صاحب گریانی سلام کہنا اور بچوں کی خیر و عافیت جو تم کو معلوم ہوئی ہے، وہ لکھ کر لکھنا۔ چھ دسمبر ششدر کی آمد کا دن جس کے آثار بجا پاتے ہیں۔

۶ دسمبر ششدر ۶  
کاتب کا نام ہے غالب ہے کہ تم جانتے ہو گے

(۴۹)

مرزا!

دوہرو ہاڈل چلو، آؤ میرے سامنے، بھو، کنک، کنک کے ساتھ بے باقر علی خاں اور حسین علی بہ عود و مرہا، چھوڑے اور آثار چھوڑے، لکے کے دلی کو دعا دے رہے، دو آؤ کی میرے ان کے ساتھ گئے، کھو اور لڑکا نہاد علی بن ڈیڈا، دلی میرے پاس ہیں۔ غالب صاحب نے وقت نصحت ایک ایک دو ٹاؤ مرہٹ کیا، مرزا انیم، بیگ، بیگ، دو بھٹے سے رہائی وارو اور اپنی بہن کے پاس ساکن ہیں کہتے ہیں کہ میرے ساتھ دلی چلوں گا، خود دلی سے لیا، ہاڈل کا میرے چلنے کا حال یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی بنتے ہیں چلوں گا۔

آپ چال چکے۔ اور ٹھٹھے ٹھٹھے ہوئے کہ شکل ایک مطلب پر تھا، اس کو تم نے فائن  
 میں لکھ لکھ کر بھی مقصد یہ نہ کہ امیر کو اور اپنے بزرگ کو بھی یہ سب مفروضہ لکھیں یہ وہی  
 بھائی ہے "بڑی سست" کا قصہ ہے، غیر، خط و کتابت کا۔ مکتب فیہ کہ کچھ اعلیٰ درجہ کا رہا ہے  
 اچھے وقت فرما سیر کے اکائی کی زبان بھائی کو کبلا بجا تھا کہ تم اگر کوئی اپنا مدعا ہو تو میں اس کی  
 دہشت کرتا ہوں۔ جواب آیا کہ اور کچھ مدعا نہیں، صرف مکان کا مقدمہ ہے۔ میں اس مقدمہ سے  
 میں میرے اور میرے شرکا کا کوئی دہاں موجود ہے۔ اگر وہ اس امر کا ذکر کرتے تو میں ان سے ان  
 کے خالوں میں صغریٰ کے نام و مرض یا خط لکھواؤں گا، ہر حال اب بھی قاصر نہ ہوں گا، پہنچاؤں  
 کھڑا۔ نام اپنا بدل کر غلوب دکھایا ہے۔ فقط۔

جس ۲۲ دسمبر ۱۹۷۷ء بارہ پر دو بجے میں کا علیٰ

(۵۰)

مناجی!

تھرا خط پہنچا۔ مطالبہ ملی نہیں ہوئے۔ غولہ کے خلق سے مجھ کو غرض نہیں۔ یہی اپنی بات  
 ہے کہ کاک!

سوزن بہ نیاں غریب مستم داند  
 کافر جہاں، خدا پر مستم داند  
 مژدم نہ خط بھی مردم، مردم  
 اسے کاش کے ہر آنچہ مستم داند

بھائی! سے پھر نہیں ملے، بازار میں نکلتے ہوئے ڈنگا ہے۔ جواہر جبردار میرا سلام نہیں  
 گوہر ان کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے، اسی کو قبولیت جانتا ہوں،  
 تاپ لائے ہی بنے گی غالب  
 واقعہ مختلف ہے اور ہاں عزیز

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نہ لکے  
بہت لکے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نہ لکے

پہنچنے اور مطلع مندر بہت دیران ہے۔ مگر اس وقت یہ دونوں شہر سب حال نظر آئے  
اس واسطے لکھ دیئے گئے۔ تم نے اشداد جہد مانگے، خاطر تھادی عزیز۔ ایک مطلع سرت  
وہ مصرعے آگے کے کچھ جوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں۔ اُن پر لکھ کر کے ایک مطلع  
اور پانچ شعر لکھ کر سات ہیئت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس صحبت سے  
وچھے رہیں! تو آئی ہیں اور وہ بھی بلند رہتے نہیں:

بہت سہی غم گیتی، خراب کم کیا ہے  
غلام ساقی کو تر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

مطلع ثانی :

رقب پر ہے اگر لطف آسٹم کیا ہے  
تھادی طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے  
کئے تو شب کہیں کھائے قہر سب کھلاوے  
کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ تم بہنم کیا ہے  
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود  
کسے خبر ہے کہ وہاں جنبی حکم کیا ہے  
دشمن و دشمن کا قائل نہ کیوں دولت کا  
خدا کے واسطے ایسے کی پھر ہم کیا ہے  
وہ داد و دید گرا نوا و شہر طے ہم دم  
وہ گرنے مہر بیاباں و بیابان ہم کیا ہے  
سخن میں خاتمہ غالب کی کہ بخشش نشانی  
بھیس ہے ہم کو بھی لیکن اب کس میں لگا ہے

اوسا سب، قصہ دار فرماں تمنا تو مان، بھائی مگر اس منزل کا مسودہ میرے پاس نہیں ہے  
اگر ہا حتیٰ مادر کو گئے اور اندو کے دیوان کے حاشیے پر چڑھا دئے تو اچھا کرو گئے۔ عمر فرادوان  
و دولت خروں بار، فقط۔

۲۶ دسمبر ۱۹۶۹ء

(۵۱)

ہا ہا !

ایک خط میرا تمہارے دو خطوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہو گا۔ آج میں علی اصغر خاں پیادہ  
کے گھر گیا۔ اُن سے میں نے تذکرہ کیا، قریباً اگر فرخ میر کی ماں کو گھوڑا کر سال بھری تو او کی رسید  
تنگا دی۔ یہاں سے وہ پیر تیکا دیا جاتے گا۔

آج منگل ہے، سات شہبان کی اور چیس دسمبر کی دونوں بستی تمہارے محلے کے اسی بائیں  
دھبر کو اندو دی ہوئے۔ میں چرسوں روم انجینس کو مرحلہ چار ہوں گا۔

اولیٰ ما آخر ہر سنتی، اور اکرام و عزت

آخر ما حبیب تمنا تھی، از مال و دولت

تنگا کو وہ پہلا کرنا دی جنگرا کر، مجھ سے ہندی کی چند ہی سن، ایک فیل احمد نے دینی  
کہا ہے۔ ایک علی اصغر خاں سے انجی دونوں کی آئیں گی۔ مرزا نعیم بیگ، بن مرزا کریم بیگ، دین  
ہفتے سے یہاں دار و اور اپنی بہن کے ہاں ساکن ہیں۔ ترلوک نندائے شیش فقیر پیر کی داخل  
وہ جائیں۔ فقط۔

شہبان علی علی

۲۶ دسمبر ۱۹۶۹ء

غالب

(۵۲)

میاں !  
چلتے وقت تمہارے چہانے خیل کی لادیش کی تھی۔ رام پور بٹکا کر وہ بے سی و کا مشل

اتھ آگئی، جوڑ لکھی، لوگوں نے حادسوں نے سب نے مجھ سے من لیا کہ یہ نواب منیا سادہ ہیں غلامی کے واسطے ہے۔ اب چلنے سے ایک مہینے پہلے تم نے غلیل مانگی، یہاں کیا جانوں کہ کتنی جھوٹی کہیں، ہم نہ سوچتی۔ دس روپیہ تک مول کو نہ ملی، نواب صاحب سے مانگی، تو خرخر خانے میں بھی نہ ملے۔ ایک امیر کے پاس پتا لگا، دوڑا ہوا گیا، کچھی موجود پائی۔ لیکن کیا کچھی؟ جیسے جنت غلامی کے عہد کے قورانیوں میں ہماری تمہاری اٹھی، ہوا لے کی فرست کہاں؟ آج لی، مگر چل ویا اس بانس کی تھکنا اندر اس کو اپنی طرح بخرا لیتا۔ بادشاہ فرما سیر اندر اس کے اخوان خوش و خرم یہ قورانیوں کی ماں نے باج سے کا سلو و کھین کھلایا۔

مشہد ۲۵ شعبان ۱۲۵۷ھ

۱۱ جنوری ۱۲۵۷ھ

نجات کا طالب۔ غالب

(۵۳)

میاں!

معا اصلی ارج طور کی تحریر سے یہ ہے کہ اگر کئی کیٹی ہیں گئے، تو تیسرے سوال کے پڑے جانے کا حال گھو۔

معا ذکر ایک دربار کا لکھا ہوا ہے جو کہ نے اس عہد کے مسلمات لکھے، سب تھکا ہیں، احمق، عیبت انفس، عاصدا، طبیعت بری، کجہ بری، قسمت بُری، ایک بار میں لے دکن کی دشمنی میں گھریاں کھاتیں۔ ایک بار بنا دکن کی دشمنی میں گھریاں کھاتوں کھاتوں نے برقیوں اس کے باب میں لکھا تھا، دو برس اس کی یہ بھی کہ میں نے سنا تھا کہ تم نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا ہے یا کہا چاہتے ہو کہ اس کو بازار میں بے حرمت کریں، یہ غلامیہ شیوخہ مؤمنین ہے، خلاصہ یہ کہ یہ قصہ نہ کرنا۔ یہ موبد اس قول کا ہے جو میں نے تم سے پہلے کہا تھا کہ تم یوں قصور کرو کہ اس نام کا آدمی اس محلے میں بلکہ اس شہر میں کوئی نہیں۔

غالب

۲۸ جولائی ۱۲۵۷ھ کے بعد

(۵۴)

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے  
 ہیں بارہ تاب اور آم کھاتیں  
 سر آغا ز موسم میں اہل سے ہیں ہم  
 کہ دلی کو چھوڑیں ، لوہ رو کو جہانیں  
 سوانح کے جو ہے مغلوب جہاں  
 نہ وہاں آم پائیں ، نہ انگور پائیں  
 ہوا مسک باد چوں کہ کہ ہاں  
 ابھی جا کے پوچھ کہ کھل کیا پکائیں  
 وہ کھتے ، کہاں پائیں ، اہلی کے بھول  
 وہ کڑوے کر پٹے کہاں سے منگائیں  
 فقط گوشت ، سو بھڑکا ریٹے دار  
 گھر ، اس کو ، کیا نکالے ہم منہ آٹھائیں

## قطعه

خوانی بہ سوئے خویش و ندانی کہ مردہ ام  
 دانی کہ مردہ را در و رسم غرام نیست  
 نے مسیح سد و ام ، نہ الہ بخش ، مرگ من  
 از عالم جہانیت و مرگ مسرام نیست

۱۵۶۵ھ بمطابق ۱۸۶۹ء



کو چہ تم کو تھو دیتا ہوں کہ تم اور میں فقرا و مشرأ تم سے جائزین ہو۔ چاہیے کہ میرے ہاتھ والے  
جیسا تجھ کو جانتے تھے، ویسا تم کو جانیں اور میں طرح تھو کو جانتے تھے، تم کو مانیں۔

ثُمَّ شَرِّفْنَا بِكَ الْأَوْجُهَ وَبَوَّعْنَا وَجْهَ رَيْبَكَ ذُو الْجَنَاحِ وَالْإِثْمَامِ۔

پھر تجھے سلجھ صفر عتق

۱۱ جون ۱۱۷۷ء دہلی

(۵۶)

سعادت و اقبال نشان مرزا علاء الدین تھان بہادر کو فقیر سدا شد کی دعا پہنچے۔ کل شام کو  
مقدمہ کا جواب آکا محمد حسین مراد پور کی بڑی بڑی رائے مانند دوست و لڑکاء کہ ناگوار آوے، فقیر کے  
چچے میں انگریز لائے شب کو جناب ڈپٹی و لایٹ حسین خاں کے مکان میں آکر ام لڑایا، اب وہاں  
آئے ہیں، قریب طلوع آفتاب سے چچے میں ایم ازیہ رتو تھارے نام لکھا ہے۔ جو کچھ جی چاہئے، وہ  
مخلص نہیں لکھ سکتا، مختصر مٹیو آکا صاحب کو دیکھ کر یوں سمجھنا کہ میرا بڑا سا چچا غالب جان پر  
بیکار کی سیر کو حاضر ہے۔ پس نور پشیمان راحت جان مرزا باقر علی خاں بہادر و مرزا امین علی خاں  
بہادر، جناب آکا صاحب کا قدم میں بجا لائیں لو کہ ان کی خدمت گزاری کو اپنی سعادت اور میری  
خوشنودی سمجھیں، امیں۔

ہاں مرزا علانی اگر کر نعل المکرور اسلحہ بہادر سے غلٹات ہو تو میرا سلام کہتا۔

غالب

(۵۷)

میں! یا

میں تمہارے باپ کا ایک اقتدار مطلق، فرخ مرزا کا فرماں بردار، مگر امیں، اٹھا ہوں اپنے  
کوئی نہیں لکھا کہ میں کوئی ہوں، لیکن فرخ صاحب کے نام کا رتو پہنچا جائے گا۔ چچے جبر تمہارے  
دوسرے ہوتے میری ہمدی حسین صاحب کو دے دو، باقی دن چڑھے، اعیان مطلق جی بر میں تو



غالب

(۵۸)

صاحب !

بہت دن سے تھا مانتا نہیں آیا۔ آپ کا وکیل بڑا پرہیزگار ہے مقدمہ اس نے جیت  
 لیا، چنانچہ اس کی تحریر سے تم کو معلوم ہوا ہو گا۔ منتا ہوں کہ تمز و خاں کو اس دنوں میں شائع  
 کا زور ہے اور مقتدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں،

کسی تک یزداں پرستی کمند

ہا آواز دو لاسب سخی کمند

نوامہدک کرے۔

# مثنیٰ کے مآخذ

اس باب میں پہلے تو خطوط غالب کے اُن مجموعوں، مختلف کتابوں اور رسالوں کی فہرست دی گئی ہے، جنہیں مثنیٰ کے آخذ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ پھر یہ خط کا پہلا فقرہ نقل کیا گیا ہے۔ خط کی تاریخی تحریر دے کر اس کے مثنیٰ کے آخذ کی نشان دہی کی گئی ہے اگر کسی خط کے مثنیٰ کے آخذ کے طور پر ایک سے زیادہ کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پہلا آخذ کے مثنیٰ کو بنیادی نسخے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور باقی آخذ سے مثنیٰ کا ارتداد کیا گیا ہے۔

۱۔ خطوط غالب کے نمونے۔

۲۔ مدارت، احقر گراہ اور سبر ۱۹۲۲ء (مدارت)

۳۔ اردو سے مثنیٰ، مطبع اکمل المطابع، دہلی، ۱۹۹۹ء (اردو سے مثنیٰ)

۴۔ حمزہ ہندی، مطبع بہتائی، میرٹھ، ۱۹۹۹ء (حمزہ ہندی)

۵۔ حمزہ ہندی، مطبع بہتائی، میرٹھ، ۱۹۹۹ء (حمزہ ہندی) کاری پر مشتمل سائنسی مہیا

حقائق تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ص ۳۶-۳۳ (حمزہ دوم)

۶۔ اردو سے مثنیٰ، مدارت، مطبع اکمل المطابع، دہلی، ۱۹۹۹ء (اردو سے مثنیٰ)

بہتائی

- ۷۔ نکاحِ غائب، ڈاکٹر نعیم احمد قادری، مول، مشعل ۱۹۹۷ء (نکاحِ غائب)  
۸۔ نقوش، احمد، مکتبہ نمبر (نقوش، مکتبہ نمبر)

## مرزا ہرگوپال گفت

- ۱۔ صاحب، اردو پادشہ جس کو تم نے بہت کثرت خط بنا کر بھیجا، پہنچا۔  
(اردو کے معنی بہت بڑی حد ۲۶ ص ۳۹)
- ۲۔ بہادران، ایک کامیابی کا سرچشمہ۔  
(اردو کے معنی ص ۸۲)
- ۳۔ بھائی، یہ مصرع جو تم کو ہم پہنچا ہے، فی تارک گوئی میں اس کو کرامت اور اعجاز کہتے ہیں۔  
(اردو کے معنی بہت بڑی حد ۲۶ ص ۳۹)
- ۴۔ کیوں بہادران، اگر میں آتا ہوں تو میں ہی بخش صاحب کے ساتھ فخریٰ خانی کہنا اور ہم کو یاد دلاتا۔  
(اردو کے معنی ص ۱۵)
- ۵۔ شفیق، بالمشیتِ شفی ہرگوپال گفت ہمیشہ سلامت رہا۔  
(اردو کے معنی ص ۴۹)
- ۶۔ بندہ پرورد! "میش از میث و کم از کم" یہ ترکیب بہت دلچسپ ہے۔  
(اصل خط)
- ۷۔ کاشغہ دلی کے ماوراء ہند، معنی ہرگوپال گفت، خرمیر میں کیا گیا تھر ترائیاں کرتے ہیں۔  
(اردو کے معنی ص ۴۶)

۸۔ کل نیرا خط کیا۔ راز نہائی مجھ پر آشکارا ہوا۔

(اردو کے نعلی میں ۱۱۳)

۱۰ دسمبر ۱۸۵۲ء

۹۔ صاحب! دیکھو! پھر تم دنگا کرتے ہو۔

۱۲ ۱۸۵۲ء

(اردو کے نعلی بہتانی حصہ ۲ میں ۳۸)

۱۰۔ واہ! کیا خوبی قسمت ہے میری۔

۱۲ ۱۸۵۲ء

(اردو کے نعلی بہتانی حصہ ۲ میں ۱۵)

۱۱۔ بھائی! برسوں شام کو ڈانگ کا ہرکارہ کیا اور ایک خط تمہارا ادا کیا گیا جانی ہی کا لایا۔

۲۵ فروری ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۹۵)

۱۲۔ بھائی! آج مجھ کو بڑی خوشی ہے اسی خط میں تم کو کمال سزاگی میں نکلتے ہیں۔

۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۶۰)

۱۳۔ پرسوں تمہارا خط کیا۔ حال جو معلوم تھا وہ پھر معلوم ہوا۔

دسمبر ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۹۵)

۱۴۔ آج منگل کے دن پانچویں اپریل کو تین گھنٹی دن ہے ڈانگ خداد کا ہرکارہ کیا۔

۶ اپریل ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۳۵)

۱۵۔ بھائی! باب میں نے ربدۃ الاخبار میں دیکھا کہ رانی صاحب مر گئیں۔

اپریل ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۱۱۷)

۱۶۔ بھائی! تم نے مجھے کو سا دو چار سو روپے کا نوکر پا چسں دار قرار دیا ہے۔

۳۰ مئی ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۱۱۳)

۱۷۔ عجب تماشا ہے! بابو صاحب کچھ چکے ہیں کہ ہر دو سنگہ آگیا۔

۵ جون ۱۸۵۳ء

(اردو کے نعلی میں ۱۱۸)

۱۸۔ تمھاری غیر جانیت معلوم ہوئی۔ لڑل نے منت کر لی۔

(اردو کے مغل ص ۳۶) ۹ جون ۱۸۵۵ء

۱۹۔ بھائی! جس دن تم کو خط پہنچا۔

(اردو کے مغل ص ۳۷) ۱۳ جون ۱۸۵۵ء

۲۰۔ بھائی! میں نے تمھاری شاعری کو۔

(اردو کے مغل ص ۶۰) ۳۱ اگست ۱۸۵۵ء

۲۱۔ میں تم کو خط پہنچ چکا ہوں، پہنچا رہا ہوں۔

(اردو کے مغل بھتیجی حصہ ۲ ص ۳۷) اکتوبر ۱۸۵۵ء

۲۲۔ قریب صحت یہ لفظ نیا بنایا ہے۔

(اردو کے مغل بھتیجی حصہ ۲ ص ۲۸) ۳ جنوری ۱۸۵۶ء

۲۳۔ بندہ پروردگار ایک مہربانی نامہ سکھ رہا ہے اور ایک غلطی گڑھ سے پہنچا۔

(اردو کے مغل ص ۷۰) ۲۳ فروری ۱۸۵۶ء

۲۴۔ غلط صاحب! تمھارا خط اس دن یعنی کل بدھ کے دن پہنچا۔

(اردو کے مغل ص ۷۸) ۲ اپریل ۱۸۵۶ء

۲۵۔ شفیق میرے لالہ ہر گز ہاں نفرت میرا قصور معاف کریں۔

(مخاطب غالب ص ۸۵) جون ۱۸۵۶ء

۲۶۔ میرا سلام پہنچے غلط اور کاغذ اشتہار پہنچا۔

(اردو کے مغل ص ۱۱۹) جولائی ۱۸۵۶ء

۲۷۔ صاحب! دیکھا ہے وہ تقریر کا لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جیسا تم کو دیوان

کا لکھ لینا۔

(اردو کے مغل بھتیجی حصہ ۲ ص ۲۸) اپریل مئی ۱۸۵۶ء

۲۸۔ تھارا خط پہنچا۔ مجھ کو بہت رنج ہوا۔

(اردو سے نقلی ص ۸۳) قبل ۱۸۵۵ء

۲۹۔ صاحب اکرم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا۔

(اردو سے نقلی ص ۷۸) ۵ دسمبر ۱۸۵۵ء

۳۰۔ آج پینچہ بار کو دوپہر کے وقت فاک کا ہرکارہ آیا۔

(اردو سے نقلی ص ۸۰) ۳ جنوری ۱۸۵۶ء

۳۱۔ از غرور دولت ہر خودار باشد۔

(اردو سے نقلی ص ۸۵) ۳ فروری ۱۸۵۶ء

۳۲۔ صاحب اکرم نے لکھا تھا کہ میں جلد آگے جاؤں گا۔

(اردو سے نقلی ص ۸۳) ۵ مارچ ۱۸۵۶ء

۳۳۔ جابجمن و جانا بن من اکھ میں نے تم کو سکندر آباد میں بھج کر فط بھیجا۔

(اردو سے نقلی ص ۹۷) ۹ مارچ ۱۸۵۶ء

۳۴۔ صاحب اختیار سیادت مندی کو چار ہزار آفری۔

(اردو سے نقلی ص ۱۱۵) ۱۴ مارچ ۱۸۵۶ء

۳۵۔ صاحب اکیوں مجھے یاد کیا۔ کیوں فط لکھنے کی تکلیف اٹھائی۔

(اردو سے نقلی ص ۳۸) ۱۴ اپریل ۱۸۵۶ء

۳۶۔ مرزا افتخار علی بھابھ اتفاق ہوا۔ پہنچنے کے دن ۲۲ اپریل کو کھانا خط ڈاک میں ملا کر آیا۔

(اردو سے نقلی ص ۳۶) ۲۵ اپریل ۱۸۵۶ء

۳۷۔ صاحب ابھیں اپریل کو ایک خط اور ایک پارس ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں۔

(اردو سے نقلی ص ۵۵) ۳۰ اپریل ۱۸۵۶ء

۳۸۔ بھائی! اور خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا کہ یہاں ہو گیا۔

۲۴ مئی ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۱۰۶)

۳۹۔ کیوں صاحب! انھو سے کیوں خطا ہو؟

۱۹ جون ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۷۳)

۴۰۔ مجھے راجو اور خوشی دہو۔

۲۶ جون ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۱۰۳)

۴۱۔ مرزا افتخار کو دے دیا پیچھے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا؟

۱۸ جولائی ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۷۷)

۴۲۔ مرزا افتخار اپنی قریب مدد پر کے ڈاک کا ہر کارہ 'وہ جو خط بانٹا کرتا ہے کیا۔

۲۸ جولائی ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۵۸)

۴۳۔ دیکھو غالب مجھے اس تلخ نرائی میں سات

جون جولائی ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۱۲۳ عہد نول ص ۹۹)

عہد دوم ص ۹۹)

۴۴۔ مرزا افتخار! تمہارے اوراقِ عشوی کا پمپلٹ پاکٹ پر یوں چندہ آگت کو۔

۷ اگست ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۳۸)

۴۵۔ صاحب! عجب آفتاب ہے۔ آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیر کے خاؤں

کا چھپتے ہیں اپنے خلیق کوڑا کی تھک چکا تھا۔

۲۴ اگست ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۹۶)

۴۶۔ فریادِ دل و لب بجز مرزا افتخار! تم کو معلوم ہے کہ رے صاحب کرم و عظم۔

۲۸ اگست ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۹۱)

۴۷۔ بھائی! تمہارا وہ عہد جس میں اوراقِ عشوی طغوت تھے۔

۱ اگست ۱۸۵۵ء

(اردو سے نقلی ص ۵۶)

۴۸۔ صاحب! عجب تماشا ہے۔ تمہارے بچے سے غشی شیروازن صاحب کو خط لکھا تھا۔

(اردو کے سٹی میں ۱۲۱)  
۱ ستمبر ۱۸۵۵ء

۴۹۔ بلاتے الشکر، تمہارا قضا کا ابدال سودا زونے آرام پایا۔

(اردو کے سٹی میں ۵)  
۲ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۰۔ مرزا افتخار کو دیا پیچھے۔ دونوں فقرے میں غلطی پر بتائے ہیں۔

(اردو کے سٹی میں ۵۲)  
۳-۹ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۱۔ مغلون میرے گرم ملز میرے اقبال خط اور میں دودھ کے چھاپے کے پیچھے۔

(اردو کے سٹی میں ۴۳)  
۷ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۲۔ اچھا میرا بھائی! غیب! الے دودھ کے چار سو ہوں! پانچ سو ہوں! سب بدلاؤں۔

(اردو کے سٹی میں ۷۴)  
۱۹ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۳۔ بھائی! تجھ میں تم میں نامزد گائی کا ہے کہ ہے، مکالمہ ہے۔

(اردو کے سٹی میں ۵۸)  
۷ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۴۔ بھائی! آج مجھ کو بے سبب حکم صاحب کے تقاضے کے شکوہ! میرا خط جناب مرزا صاحب

کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔

(اردو کے سٹی میں ۱۰۱)  
۲۰ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۵۔ صاحب! قصیدے کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب میں نے تجھ کو کی دی ہے۔

(اردو کے سٹی میں ۶۷)  
۲۱ ستمبر ۱۸۵۵ء

۵۶۔ میوں صاحب! اس کا کیا سبب ہے کہ بہت دن سے ہادی آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔

(اردو کے سٹی میں ۱۲۰)  
۴ نومبر ۱۸۵۵ء

۵۷۔ اللہ اعظم! ہم کو کئی سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔

(اردو کے سٹی میں ۱۰۷)  
۴ نومبر ۱۸۵۵ء



۵۸۔ کیوں صاحب! کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلی کے خاک نشینوں کو خط نہ لکھیں۔

(اردو سے نقلی ص ۵۳)

۱۴ نومبر ۱۸۵۵ء

۵۹۔ آج پنجشنبے کے دن اٹھارہ نومبر کو تمہارا خط آیا اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں۔

(اردو سے نقلی ص ۵۰)

۱۵ نومبر ۱۸۵۵ء

۶۰۔ برآمدہ دار! تمہارا خط پہنچا۔ اصلاحی فزلی کی جسیہ معلوم ہوئی۔

(اردو سے نقلی ص ۱۰۵)

۱۶ نومبر ۱۸۵۵ء

۶۱۔ میرزا آقے! تمہارا خط آیا بغیر کوٹھیر کا حال معلوم ہوا۔

(اردو سے نقلی ص ۹۲)

۱۷ نومبر ۱۸۵۵ء

۶۲۔ صاحب! تمہارا خط آیا، میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔

(اردو سے نقلی ص ۹۵)

۱۹ دسمبر ۱۸۵۵ء

۶۳۔ کیوں صاحب! دوستے ہی رہو گے، کبھی منو گے بھی؟

(اردو سے نقلی ص ۸۱)

۲۵ دسمبر ۱۸۵۵ء

۶۴۔ دیکھو صاحب! یہ باتیں ہم کو پسند نہیں۔

(اردو سے نقلی ص ۹۶)

۳ جنوری ۱۸۵۶ء

۶۵۔ صاحب! تمہارا خط مع دفعہ عربی لکھ پہنچا۔

(اردو سے نقلی ص ۵۰)

۲۶ جنوری ۱۸۵۶ء

۶۶۔ صاحب! میرٹھ سے اگر تم کو خط لکھ چکا ہوں۔

(اردو سے نقلی ص ۴۴)

۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء

۶۷۔ صاحب! تم تو اپنے خاصے عادت ہو۔

(اردو سے نقلی ص ۸۷)

۱۹ فروری ۱۸۵۶ء

۷۰۔ صاحب ! تمہارا خط آیا ، دل خوش ہوا۔

(اردو کے سٹی ص ۸۹) ۲۷ فروری ۱۸۵۹ء

۷۱۔ اچھی مرزا گفتہ ، بھائی غشی بھی بخنیں کہ تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے۔

اردو کے سٹی کی بعد کی اشاعتوں میں یہ پیرا گراف ۲۸ اچھی مرزا گفتہ : ۱۱ ایک انگ

خط بنا دیا گیا ہے۔ یہ درست نہیں۔ یہ خط نمبر ۲۷ صاحب تمہارا خط آیا دل خوش

ہوا ۱۱۱۱۔ سہا خری پیرا گراف ہے۔ اردو کے سٹی کی پہلی اشاعت میں یہ خط

ایک ہے۔

۷۲۔ کیوں مرزا گفتہ ، تم بے وفا یا میں گنہگار ؟

(اردو کے سٹی ص ۹۰) ۲۷ مارچ ۱۸۵۹ء

۷۳۔ صاحب ! آج تمہارا خط آج کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں۔

(اردو کے سٹی ص ۱۰۷) ۵ جون ۱۸۵۹ء

۷۴۔ صاحب ! ہم تمہارے اخبار لوئیں ہیں اور تم کو خبر دیتے ہیں کہ برصغیر میرا دشاہ آئے ہیں۔

(اردو کے سٹی ص ۸۸) ۱۷ جون ۱۸۵۹ء

۷۵۔ صاحب ! ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اس میں مندرجہ کر میں میٹرڈ ہاؤس کا۔

(اردو کے سٹی ص ۱۱) ۲۹ جون ۱۸۵۹ء

۷۶۔ بھائی ! تمہارے ذہن نے خوب اضمحلال کیا۔

(اردو کے سٹی چوتھائی حصہ ۲ ص ۲۵) ۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء

۷۷۔ صاحب ! تمہارا خط آیا ، حال معلوم ہوا

(اردو کے سٹی ص ۹۹) ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

۷۸۔ میری جان ! کیا مجھے ہو ؟ سب غلوئیاں گفتہ وفات کیوں کر بن جائیں۔ ؟

(اردو کے سٹی ص ۵۷) ۲۳ دسمبر ۱۸۵۹ء

۷۶۔ بھائی! میں نے دلی کو چھوڑا اور دام پور کو چلا۔

(اردو کے سٹی میں ص ۸۶)

۲۱ جنوری ۱۸۵۶ء

۷۷۔ صاحب! تمہارے یہ ادنیٰ سکندرِ باج سے دلی اور دہلی سے دام پور پہنچے۔

(اردو کے سٹی میں ص ۲۵)

۱۰ اگست ۱۸۵۶ء

۷۸۔ میری جان! آغزا کے ہوا بات کو دیکھ۔

(اردو کے سٹی میں ص ۷۳)

۳۰ فروری ۱۸۵۶ء

۷۹۔ برخوردار! سلوک آثارِ فشی ہر گرہاں ملے اشرقیان۔

(اردو کے سٹی میں ص ۸۶)

۱ مارچ ۱۸۵۶ء

۸۰۔ مرزا آفتاب! اس فزونی میں مجھ کو ہنسنا تھا داری کام ہے۔

(اردو کے سٹی میں ص ۵۳)

۳۲ مئی ۱۸۵۶ء

۸۱۔ مرزا آفتاب! ایک امر عجیب تم کو گھستا ہوں۔

(اردو کے سٹی میں ص ۶۵)

۲۹ اپریل ۱۸۵۶ء

۸۲۔ بھائی! آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔

(اردو کے سٹی میں ص ۹۰)

۶ مئی ۱۸۵۶ء

۸۳۔ برخوردار مرزا آفتاب! دوسرا مستودہ کی کل پہنچا۔ تم بچے اور میں حضور۔

(اردو کے سٹی میں ص ۷۳)

۳۰ جولائی ۱۸۵۶ء

۸۴۔ مرزا آفتاب! کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا۔

(اردو کے سٹی میں ص ۱۱۳)

۱۹ نومبر ۱۸۵۶ء

۸۵۔ صاحب! تمہارا خط میرے شرم سے آیا۔

(اردو کے سٹی میں ص ۸۵)

۲۰ جنوری ۱۸۵۷ء

۸۶۔ اہی مرزا آفتاب! تم نے رو پر یہ بھی کھول دیا اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈال دیا۔

(اردو کے سٹی میں ص ۶۶)

۱۹ اپریل ۱۸۵۶ء

۸۷۔ میاں مرزا الفتہؒ : ہزار آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بدور۔

(اردو کے معنی ص ۶۲) ۱۹ اگست ۱۸۹۵ء

۸۸۔ مرزا الفتہ صاحب : اس قصیدے کے باریب میں بہت باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۳۹) ۹ ستمبر ۱۸۹۱ء

۸۹۔ صاحب : اگر میرا "خاور راہ" یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۷) ۱۲ ستمبر ۱۸۹۱ء

۹۰۔ "انگلش ٹری" روزنامہ "دونوں ایک ہیں۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۶) ستمبر ۱۸۹۱ء

۹۱۔ صاحب : قصیدے پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۴) ۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء

۹۲۔ صاحب : یہ قصیدہ تم نے بہت خوب لکھا ہے۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۹) اکتوبر ۱۸۹۱ء

۹۳۔ تم کو معلوم ہے کہ ممدوح تمہارے یہاں آئے ہیں۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۳۲) اکتوبر ۱۸۹۱ء

۹۴۔ صاحب : دونوںوں سے مرکب ہے۔ یہ فارسی شعاع ہے۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۲) ۲۷ اگست ۱۸۹۲ء

۹۵۔ بھائی : "دیرمیا" "دیرمیا" عروقات ہے۔

(اردو کے معنی بہت باری ص ۲ ص ۲۹) اگست ۱۸۹۲ء

۹۶۔ مرزا الفتہؒ : جو کچھ تم نے لکھا ہے بے حد ہی ہے اور بد گمانی۔

(اردو کے معنی ص ۹۹) ۲۷ نومبر ۱۸۹۲ء

۹۷۔ صاحب ہندو! میں نے بھی کایک ایک خانہ دیکھا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۱۱۱) ۳ مارچ ۱۸۹۳ء

۹۸۔ صاحب! ہم نے لفٹ گورنر کی عازمت اور غلط پر قناعت کر کے اٹھائے  
ہذا موکوت کیا۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۶) اپریل ۱۸۹۳ء

۹۹۔ حضرت! آپ کے سب خط پہنچے سب قصیدے پہنچے۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۱) ۳ جولائی ۱۸۹۳ء

۱۰۰۔ حضرت! پرسوں صبح کو تمہارے سب کو اٹھ ایک لحاظ میں بند کر کے ڈاک گھر  
بجولایے۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۰) ۵ جولائی ۱۸۹۳ء

۱۰۱۔ مرزا آغہ! یہ فعلی تمہارے کلام میں بھی نہیں درجی تھی کہ شورا مولدوں پر۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۱) ۱۶ جولائی ۱۸۹۳ء

۱۰۲۔ ہاں ہے اگر آپ استاد کا مصرع نہ کہتے تو میں۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۴) ۲۴ جولائی ۱۸۹۳ء

۱۰۳۔ صاحب! کشیدہ کی جگہ "دکشیدن" جگہ "برکشیدن" کی جگہ "دکشیدن" دیا ہے۔

(اردوئے معلیٰ بہتائی حصہ ۲ ص ۳۱) مارچ۔ تحریر ۱۸۹۳ء

۱۰۴۔ نور چشم غالب! از خود رفتہ مرزا آغہ! خدا تم کو خوش اور تندست رکھے۔

(اردوئے معلیٰ ص ۱۱۰) ۲۴ نومبر ۱۸۹۳ء

۱۰۵۔ صاحب! کل پارسل اشعار کا ایک آٹے کا کٹ لگا کر

(اردوئے معلیٰ ص ۱۰۹) ۶ ستمبر ۱۸۹۳ء

۱۰۶۔ بھائی! تم سچ کہتے ہو کہ بہت مستعدے اصلااح کے واسطے فراہم ہوتے ہیں۔

(اردوئے معلیٰ ص ۹۴) ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۳ء

۱۰۷۔ فشی صاحب! میں سالانہ گزشتہ یاد تھا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۱۰۰)

۹ دسمبر ۱۸۹۶ء

۱۰۸۔ آؤ میرزا آقے، میرے عکسے لگ جاؤ۔

(اردوئے معلیٰ ص ۹۳)

۱۴ دسمبر ۱۸۹۶ء

۱۰۹۔ فشی صاحب! سعادت و اقبال نشان فشی ہر گویا صاحب سلاطین تباری۔

(اردوئے معلیٰ ص ۱۱۰)

۱۵ فروری ۱۸۹۶ء

۱۱۰۔ مرزا آقے کہ پورستہ بد دل ہمارو

(اردوئے معلیٰ ص ۱۰۹)

۱۶ فروری ۱۸۹۶ء

۱۱۱۔ مرزا آقے! پیر خرو و بیاموز۔

(اردوئے معلیٰ جہتباتی حصہ ۲ ص ۱۹)

۱۳ مئی ۱۸۹۵ء

۱۱۲۔ صاحب! تم نے حق حق کا ذکر کیوں کیا؟ میں نے اس باب میں کچھ نہ لکھا تھا۔

(اردوئے معلیٰ جہتباتی حصہ ۲ ص ۳۳)

۱۷ مئی ۱۸۹۵ء

۱۱۳۔ میرے ہرمان، میری جان، مرزا آقے! سخن دانی۔

(اردوئے معلیٰ ص ۹۸)

۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء

۱۱۴۔ نصیب! کچھ بڑی کھائی دل بہلائے۔ کچھ بڑے بھائے لگ کر کو آئے۔

(اردوئے معلیٰ ص ۱۰۸)

۱ جنوری ۱۸۹۶ء

۱۱۵۔ مرزا آقے! صاحب! پرہیزوں تھا راہ و سرا خط پہنچا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۹۳)

۱۸۹۵ء

۱۱۶۔ لا حول ولا قوۃ، کس بلوں نے بہت بڑی شوق اشعار کی اصلاح فرمائی۔

(اردوئے معلیٰ جہتباتی حصہ ۲ ص ۳۴)

۱۱۷۔ سیال! تمہارے انتخابات نہیں نے مارا۔

(اردوئے معلیٰ جہتباتی حصہ ۲ ص ۲۴)

۱۱۸۔ صاحب! واسطی اسداب کا ذکر کتبہ مطبوعی میں بھی ہے اور لڑائی کے ہاں بھی ہے۔  
(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۳۹)

۱۱۹۔ حضرت! اس قصیدے کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔  
(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۳۲)

۱۲۰۔ مرزا قاسم! کیا کہنا ہے؟ نہ ظہیر کا پستانہ قاتب کا۔  
(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۳۲)

۱۲۱۔ میاں! منو! اس قصیدے کا ممدوح شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے۔  
(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۲۵)

۱۲۲۔ ولی پسرے! واغدار بود، نماند

(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۳۶)

۱۲۳۔ حضرت! اس غزل میں پردانہ و بیاد و نوبت خاتمہ کن نکلنے آئی ہیں۔  
(اردوئے معلیٰ بمبتدائی حصہ ۲، ص ۳۶)

## نواب علار الدین خاں علانی

۱۔ مرزا نسیمی کو دما چاہیے۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۱۰)

۱۸۵۵ء

۲۔ آج بدھ کے دن ستائیس رمضان کو پیروں پر چڑھے کہ جس وقت میں کھانا کھا کر باہر آیا تھا۔

۱۸۵۵ء

(اردوئے معلیٰ ص ۳۳۳)

۳۔ خاکِ خننا کم و تو باد بہار

۲۲ اگست ۱۸۵۸ء

(اردوئے معلیٰ ص ۳۲۵)

۳۔ سبحان اللہ! ہزار برس تک نہ پیام پہنچتا نہ خط لکھتا اور پھر لکھتا تو سراسر خط لکھتا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۳۳۵) ۲ جولائی ۱۸۹۶ء

۵۔ صاحب امیری داستان سنئے۔ جس نے کم و کاست جاری ہوا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۰۲) ۸ جون ۱۸۹۶ء

۶۔ مولانا نسیم! کیوں خطا ہوئے ہو؟

(اردوئے معلیٰ ص ۴۱۰) ۳ اپریل ۱۸۹۶ء

۷۔ میری جان! تخلص تمہارا بہت پاکیزہ اور میرے پسند ہے۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۱۳) ۱۲ مئی ۱۸۹۶ء

۸۔ میری جان! مولائی ہمدان! اس دفعہ غل غلطی کا کیا کہنا ہے۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۰۷) ۱ جون ۱۸۹۶ء

۹۔ جانِ غالب! یاد آتا ہے کہ تمہارے علم نامدار سے سنا تھا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۹۰ - حور اول و دوم ص ۶۹) جون ۱۸۹۶ء

۱۰۔ مولائی مولائی! اس وقت تمہارا خط پہنچا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۰۳) ۲۵ ستمبر ۱۸۹۶ء

۱۱۔ صاحب! آگ بھستی ہے کہیں کر آگ میں گر پڑوں یہیٹا ڈیڑھ۔ بیٹا اور بچکے رہو۔

(اصل خط) ۳ ستمبر ۱۸۹۶ء

۱۲۔ میری جان! کیا کہتے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟

(اردوئے معلیٰ ص ۴۲۳) ۱۵ اکتوبر ۱۸۹۶ء

۱۳۔ آج جس وقت کہ میں مدنی کھانے کو نکل رہا تھا۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۹۸) ۲۱ نومبر ۱۸۹۶ء

۱۴۔ مولانا! پہلے استاد میر جان صاحب کے قہر و غضب سے مجھ کو بچاؤ۔

(اردوئے معلیٰ ص ۴۱۴) جنوری فروری ۱۸۹۶ء



۱۵۔ صاحب ! کچھ جیسے کریں گے تم کو خط لکھا۔ اسی وقت بھگا دیا۔

(اردو کے مغل ص ۲۲۱) ۹ فروری ۱۸۶۸ء

۱۶۔ "نیز اصغرؑ سپہر سخن سوزی مولانا مغلانی کے خاطر نشان دول نشین ہو۔

(اردو کے مغل ص ۳۳۸) ۱۵ فروری ۱۸۶۸ء

۱۷۔ صاحب ! کل تمہارے خط کا جواب لکھا چکا ہوں ' پھر پناہ لگاؤ۔

(اردو کے مغل ص ۳۴۰) ۲۹ فروری ۱۸۶۸ء

۱۸۔ صاحب ! پیرسوں تمہارا خط آیا۔ کل مجھے کے دن نواب کا مہل تھا۔

(اردو کے مغل ص ۳۴۱) ۱ مارچ ۱۸۶۸ء

۱۹۔ صاحب ! میرا مراد عالی تعداد تھا اور والدہ ماجدہ اب اچھا ہے۔

(اردو کے مغل ص ۳۴۶) ۷ مارچ ۱۸۶۸ء

۲۰۔ یاد دیجئے، گویا بھائی مولانا مغلانی۔ خدا کی دہائی۔

(اردو کے مغل ص ۳۵۰) ۱۹ جون ۱۸۶۸ء

۲۱۔ جانِ کاتب ! دو خط تمہارے متواتر پہنچے۔

(اردو کے مغل ص ۳۵۹) ۱۸ جولائی ۱۸۶۸ء

۲۲۔ صاحب ! پیرسوں تمہارا خط آیا اور کل دو پیر کو استلام میر جاں آئے۔

(اردو کے مغل ص ۳۶۹) ۱۸ جولائی ۱۸۶۸ء

۲۳۔ میری جان ! سن پختہ پختہ آٹھ چھوٹی ہفتہ دس تواریخ گیارہ ایک حوزہ برہمنوں  
میں نہیں تھا۔

(اردو کے مغل ص ۳۷۲) ۲۷ جولائی ۱۸۶۸ء

۲۴۔ مولانا مغلانی ! ترجمے غلط مرگ دو دھوکہ دہر ہے۔

(اردو کے مغل ص ۳۷۵) ۹ اگست ۱۸۶۸ء

۲۵۔ جانِ غالب، مگر مہم سے نکل ہوئی جاں۔

(اردو کے معنی ص ۴۴۹)

۹ ستمبر ۱۸۶۲ء

۲۶۔ میاں آتم میرے ساتھ وہ معاملے کے پر جو احمیائے مرسوم و مسمول ہیں۔

(اردو کے معنی ص ۴۱۳)

۱۰ اؤٹ مارچ ۱۸۶۳ء

۲۷۔ اقبال نشانِ ابرہیم و مانیق و فتح و نصرت لو پارو پہنچا مبارک ہو۔

(اردو کے معنی ص ۳۹۸)

۱۱ اپریل ۱۸۶۳ء

۲۸۔ ولی احمدی جس شکاری پر مبارک۔

(اردو کے معنی ص ۴۲۳)

۱۲ اپریل ۱۸۶۳ء

۲۹۔ لَا تَوْجُوْا اِلَّا اللّٰهَ

(اردو کے معنی ص ۴۲۸)

۳۰ مئی ۱۸۶۳ء

۳۰۔ بدستِ مرگ، ولے بدستِ ارگمان تو نیست۔

(اردو کے معنی ص ۴۲۹)

۱۱ جون ۱۸۶۳ء

۳۱۔ میری جان! مرزا علی حسین خاں آکے لور مجھ سے ملے۔

(اردو کے معنی ص ۴۰۸)

۱۲ جون ۱۸۶۳ء

۳۲۔ صاحب! میں ازکارِ رفتہ و در ماندہ ہوں۔

(اردو کے معنی ص ۴۳۲)

۳ جولائی ۱۸۶۳ء

۳۳۔ جانِ عالی شان! پہلے خط اور پھر تو سدا بر خود دلی حسین خاں بھلا کیا سدا  
کار کیا پہنچے۔

(اردو کے معنی ص ۴۲۶)

۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ء

۳۴۔ اقبال نشانِ مرزا علی الدین خاں بہاد کو نائبہ گرفتہ نشین کی دعا پہنچے۔

(اردو کے معنی ص ۴۰۵)

۲۳ دسمبر ۱۸۶۳ء

۳۵۔ مولانا غلامی! دانشور، علی حسین خاں کا بیان بہ مستحق ہے محبت تھا۔

(اردو کے سٹل میں ۳۳ ص ۴۴)

۳۶۔ غلامی مولائی کو غالب طالب کی دعا۔ ہے چارے مرزا کا معاملہ علی حسین خاں کی معرفت  
میں ہو گیا۔

(اردو کے سٹل میں ۳۵ ص ۴۵)

۳۷۔ میری جان! غالب کثیر المطالب کی کہانی سن۔

(اردو کے سٹل میں ۳۶ ص ۴۶)

۳۸۔ میری جان! عشق تو ابرگہ بارہ کوں ہی ٹکر چڑھ گئی کریں چھ کوں بھرتا۔

(اردو کے سٹل میں ۳۷ ص ۴۷)

۳۹۔ غلامی مولائی! غالب کو اپنا دعا گو اور غیر خواہ معذور کریں۔

(اردو کے سٹل میں ۳۸ ص ۴۸)

۴۰۔ اہی مولانا غلامی! انواب صاحب دو بیٹے تک کی اہانت دے چکے۔

(اردو کے سٹل میں ۳۹ ص ۴۹)

۴۱۔ مرزا غلامی مولائی! لاہور سے غلط گھسنا نہ لو بارہ سے۔

(اردو کے سٹل میں ۴۰ ص ۵۰)

۴۲۔ میری جان! قصداً خط میں کیا دہلی حسین خاں نجم الدین بھی تشریف لایا۔

(اردو کے سٹل میں ۴۱ ص ۵۱)

۴۳۔ کو صاحب! وہ مرزا راجب بیگ مرے۔

(اردو کے سٹل میں ۴۲ ص ۵۲)

۴۴۔ میری جان! اپنا سا کر لے گا رو بے رطوبت الطوار۔

(اردو کے سٹل میں ۴۳ ص ۵۳)

جنوری ۱۸۶۹ء

۳۵۔ میری جان ! سنے مہمان کا قدم تم پر مہلک ہو۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۶) ۱۳ فروری ۱۸۹۶ء

۳۶۔ صاحب ! کس تھرا برا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۶) ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء

۳۷۔ شکرا از دیکہ ترا با پدرت صلح شد۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۵) حکیم انور بریلوی

۳۸۔ جانے حال شایا ! خط پہنچا۔ خطا اٹھایا۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۵) ۲۶ دسمبر ۱۸۹۶ء

۳۹۔ مرزا ! اردو پرویز اور بیلا تو ڈمیر سے سامنے بیٹھ جاؤ۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۴) ۲۶ دسمبر ۱۸۹۶ء

۴۰۔ صاحب ! تھرا برا خط پہنچا۔ مطالب دل نہیں ہوئے۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۳) ۲۶ دسمبر ۱۸۹۶ء

۴۱۔ جانا جا ! (کب میرا خط تمہارے دو غلوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہو گا۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۶) ۲۶ دسمبر ۱۸۹۶ء

۴۲۔ میاں ! چلتے وقت تمہارے چھپانے ٹھیل کی فرمائش کی تھی۔

(اردو کے مغل ص ۳۹۵) ۱۳ جنوری ۱۸۹۷ء

۴۳۔ میاں ! دعا اہل ان سطور کی تحریر سے یہ ہے۔

(اردو کے مغل ص ۳۳۲)

۴۴۔ غلطی ہے یہ کہنے کی برسات تھی

(مسند اعظم گرامر، دسمبر ۱۹۲۲ء - مسند)

نائب کی نام تحریر کیا میں نے غلطی پہنچا دی تھی

۵۵۔ اقبال نشان والا نشان صدر و عزیز خزانہ جان 'مرزا اعلا الدین خاں کو روئے و سر شاد' صاحب دیوان پہنچے۔

(اردو کے نکل میں۔ ۴۵)

۴ جون ۱۸۶۹ء

۵۶۔ سعادت و اقبال نشان مرزا اعلا الدین خاں بہادر کو فقیر سدا اللہ کی دعا پہنچے۔

(اردو کے نکل میں ۴۶)

۵۷۔ میاں میں تمہارے باپ کا تاج 'تھالا طبع' مرزا ابراہیم بہادر۔

(اردو کے نکل میں ۴۷)

۵۸۔ صاحب! بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا

(اردو کے نکل میں ۴۸)

# حواشی

- ص ۱۵-۱ - فتاویٰ کے غیر خواہد نظام غوث خان کے تحریر "الآباد" سلسلہ ۱، ص ۱۲۹  
 ص ۳-۱ - خطوطِ غالب، مرتبہ پیش پرشاد، ص ب ی ۲ - ایضاً، ص ۵  
 ص ۵-۱ - خطوطِ غالب، مرتبہ پیش پرشاد، "نقل" یا "بہلے" "یا نقل"  
 ص ۵-۱ - خطوطِ غالب، ص ۵۷ - ۳ - ایضاً، ص ۵۷  
 ص ۵۹-۱ - ادبِ حیات، محمد حسین آزاد، سرورِ پریس لکھنؤ، ص ۶۳۸  
 ص ۳۰۰ - ادبِ حیات، ص ۶۲۵

ص ۱۰۵

- ۱- نوادرِ مرصع، عطا حسین حقین، مرتبہ سید نور الحسن، "الآباد" ۱۹۵۸ء، ص ۶۵  
 ۲- بارغ و بہار، میرامن دہلوی، مکتبہ ۱۹۰۳ء، ص ۱۵

ص ۱۰۹

- ۱- بارغ و بہار، ص ۱۱

ص ۱۰۵

- ۱- فتاویٰ عجائب، سراج علی بیگ، مرتبہ لکھنؤ (ذاتی کشور)، مکتبہ صہبہ، ص ۱۳-۱۳  
 ۲- ایضاً، ص ۱۵

۱۔ یگانہ و یگانہ سوانح اطلاع حسین خاں کوپڑیہ رشتہ داروں میں ۱۰۱

۱۔ غالب نامہ، فیچہ محمد اکرام، (طبع اولیٰ) میں ۱۰۱

۲۔ غالب شناسی، ڈاکٹر طاہر انصاری

۱۔ خاکسرخ معین الرحمن، غالب اور انتخاب ناموں میں ۱۹۷

۱۔ درانی، غالب مرتبہ مرزا احتیاد علی خاں دکنی، ۱۸۶۵ء میں ۶۳

۲۔ پنج آبجنگ، ص ۶۳

۱۔ پنج آبجنگ، ص ۱۲۵

۱۔ العلم کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء میں ۳۷۷

۱۔ خاں نے عبدالرزاق شاکر کے نام غالب کے ساکسوں کی خط سے یہ کتاب حاصل کی ہے۔

۲۔ "تربا بدائی نے" ناؤ خطوط غالب کے نام سے ایک مجرور چھاپا تھا، میں نے اس کے پر حادوا

میکر کر اسے حسین کراخت بدائی کے نام غالب کے ۲ خطوط میں یکم جنوری ۱۹۷۷ء کے ایک

خط میں بطور ان کے غالب لکھے ہیں۔

"شاہ صاحب کو غالب بتاؤں گا سلام پہنچے۔ یہ پہلا خط ہے جو میں انھیں آنسو دہن میں

لکھ رہا ہوں۔ نہایت غامضی میں خطوط کا کٹن آنسو سے متروک ہے۔ پیرائہ سال ۱۰۷۰

صفت کے صدیوں سے منتظر ہوں اور اب کوئی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ (۱۷۰۰)

خطوط غالب مکتوب ۱۹۸۹ء، ص ۱۳) یہ خط اصل ہے۔ اسے بدائی نے خاں کے نام





یا نہیں۔ باقی دونوں حقروں پر غائب نے اس خط میں اصلاح دلی ہے اور یہی دونوں کی بیعت کا اعلان اور مشروطہ میں کیا گیا تھا۔ اگر مشروطہ میں دیوان بیعت کی ضرورت سے گزر رہا تھا۔ (موجودہ زمانہ مغربی کے اعلانات و بیانات میں ۱۸۵۱ء) اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ مشروطہ کے بعد آخریے قبل ہی یہ دیوان مرقب ہو چکا تھا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ خط اور مشروطہ سے قبل ہے۔ ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ غائب نے دونوں اخبار پر جو اصلاح دی ہے وہ لکھنے سے قبل انہیں اس مکان تک کہ کہ لکھنے پہلے لکھیں چھاپیں اور پھر اصلاح کے پتے لکھیں۔

۲۔ غائب نے حقیر کے نام ایک خط میں اس دیر لے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ہر روز اس خط کو دیکھنا صاحب دفتر نے ایک نعرہ اچھا دیا ہے، ”اگرچہ یہ خط دیر لے کا ہے اور دیر لے کا یہاں اس فقرے کا ذکر ہے۔“

صفحہ ۴۵۳

۱۔ اس خط میں ”جانے گئے“

۲۔ اس خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غائب نے اس خط میں وہی دو باتیں لکھی ہیں جو انہوں نے ۳ جون مشروطہ کے خط میں حقیر کو لکھی تھیں (۱۸۵۱ء) غائب (۲) ایک نوٹ کے دیوان آگاہ کے دریا ہے میں ایک فقرے کے اضافے کی باعث اس دوسرے ہائی کو متوجہ کرتے گا ترکیب اس لیے غائب نے فقرے کے ہم بلائی مشروطہ میں لکھا ہوا کہ ”وہی کے ساتھ چھپے پہلے“ تقریباً اس اعتبار (اگر) کے ۲۰ اگست مشروطہ کے شمارے میں شائع ہوئی تھی جس کی بنیاد پر مولوی امین پرشاد نے اس خط کی تاریخ تحریر اگست مشروطہ حسین کی تھی۔ مولوی امین پرشاد کے مرقع خطوط غائب ”مشروطہ“ میں اور آفاق حسین آفاق کی عزت ”ادارہ غائب مشروطہ“ میں شائع ہوئی تھی، اس لیے حقیر کے ہم غائب کا شکریہ خدا مولوی صاحب کی نظروں میں لکھ رہا ہوں۔

صفحہ ۴۵۴

۱۔ مجاہد کی مسے ”خدا“

۲۔ فاش صاحب سے ملنے کے عشق میں بنی حقیر۔

۳۔ خدا پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مولوی امین نے اگست مشروطہ تجویز کہ ہے اور کہ دیر لے کی تھی

کی خط میں نائب نے لکھا ہے: ”جب تمہارا دیوان چھاپا جائے گا تو قطعہ کو چھپ جانے کا کوئی  
 موقع اختیار مل نہیں سکتی تھی۔ یہ کہ وہ قطعہ میں لکھا کہ اس خط میں ہے دیوانہ کی گفتگو میں چھپ کر شہسوار  
 کا کھڑا ہوا ہے۔“ (اسلم، کراچی، ”جنور کی کتابچہ ششگلزار“، ص ۴۰۴) اس صورت میں اس کا ذکر کیا ہے  
 کہ یہ قطعہ آگست ششگلزار میں لکھا گیا ہو۔ تاہم عبدالمجید اس تاریخ پر تقریباً کہہ رہے ہیں کہ یہ  
 قطعہ ان کی خط نویزیر بعد از ان کا انڈیا میں بہت جلد پہنچا ہوا ہے۔ میں نے یہ قطعہ بھی معلوم کیا ہے اس کی  
 صورت میں خوب ظاہر کیا گیا تھا“ بے چارہ جتوڑا۔ (سماضر، جوڑا کی ششگلزار، جلد ۱، ص ۱)

ص ۲۳۰

۱۔ ”کوئی“ سے مراد کوئی ایسا شخص ہے جو کوئی مینی علی گڑھ کا رہنے والا تھا۔

ص ۲۳۲

۱۔ اس خط کے بارے میں نائب نے ۴ اپریل ششگلزار کے ایک تاریخی خط میں گفتگو کو لکھا تھا: ”زنگی آباد  
 عبد بنفشانی با“ ”کافیہ والا“ ”میں اگرچہ پہلے قلم لکھ کر دیا تھا لیکن ایک ایسا دوسرا خط لکھ دیا ہے۔  
 جس سے پتہ چلے گا کہ یہ خط لکھی ہو جانے لگا۔“

رایگان است زندگانی

میں تو ان کروہ بنفشانی

کس چہ نازد بہ بانفشانی

آخری دو مصرعوں میں سے جو پہلے آئے اسے مصرعہ نکالی بنا لیں: ”وہاں دو روز میں ۱۰۰۰ (۱۰۰۰)“

۲۔ ”نائب“ سے مراد ”نکسار“ جو بہت قلم معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اصل قطعہ ”سورخ“ ہے۔ ”ہندی“ میں  
 یہ ایک ناگنی نام ہے۔

ص ۲۳۲

۱۔ ”نائب“ سے مراد ”نکسار“ ہے۔ یہ بہت قلم ہے۔

۲۔ ۲۳ اپریل ششگلزار کے ایک تاریخی خط میں نائب نے گفتگو کو لکھا ہے: ”کالیے صاحب کی وفات  
 کے بعد اس گھر کے دو دیوار نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ (یعنی دیوار کے ٹوٹنے سے میں نہیں رہا) میں نے  
 کوئی دیوار اس میں ایک گھر لے لیا ہے۔ امید ہے کہ اس گھر سے میری لاش بھی نکالے گی“ (ششگلزار، ص ۱)



صفحہ ۲۴۷

۱۔ اردوئے معلیٰ مہربانی "فرح"

۲۔ اردوئے معلیٰ مہربانی "یا" بھائے "یاسے"

صفحہ ۲۴۸

- ۱۔ غلط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے غلامیوں میں "سیکسٹر" کی بحث کی ہے۔ یہی انگلستان کے غلاموں کے نام اور غلام محمد ۲ مارچ ۱۸۷۷ء "سیکسٹر" اور فارسی خط ۲۲ مارچ ۱۸۷۷ء اور تاریخ ۲۷ مارچ ۱۸۷۷ء (۲۶) میں لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط غالباً سیکسٹر کے لکھے ہوئے ہیں۔

صفحہ ۲۵۱

- ۱۔ غلط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے اپنا دیوان راجا جے پور کی خدمت میں پیش ہونے کا ذکر کیا ہے۔
- ۲۔ سیکسٹر کے خط میں "سیکسٹر" نے لکھا تھا کہ "صالح" کے پاس سے یہ دیوان نہیں آیا۔ ان میں شاید پھر اس کے بعد اس کی تیار کرنے کے بعد کہیں گا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط سیکسٹر کے لکھے ہوئے ہیں۔

صفحہ ۲۵۲

- ۱۔ بھرت پور کے راجا کا انتقال ۲۷ مارچ ۱۸۷۷ء کو ہوا۔ اس وقت حادثہ دہلی کی فوجوں میں ہوا تھا۔

FOREIGN DEPTT. 145-151-8TH APRIL 1883

صفحہ ۲۵۳

- ۱۔ اردوئے معلیٰ پڑھ "۔ غالب نے یہاں کہیں "پڑھ" لکھا ہے، میں نے اسے پیش کر دیا ہے۔
- ۲۔ اس خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غالب نے لکھا ہے "راجا صاحب دیوان کے دیکھنے سے کوئی ہجرت نہ ہوئی تھی۔" اس کے استقبال کو گئے ہیں۔ یہی بات غالب نے ۲۷ مارچ ۱۸۷۷ء کے خط میں پیش کی تھی کہ ان الفاظ میں لکھی تھیں "کتاب اور خطی راجا صاحب کے پاس لکھی ہے اور کوئی ہجرت نہ ہوئی تھی۔" اس کا ہنگامہ تھا وہ بھی تم پر ہوا۔ اب دیکھ لیں کیا ہوا ہے۔ اس کا ہنگامہ یہ خط لکھا گیا اور پھر اس خط میں لکھا گیا۔

۱۔ اردو کے ادبی و فنی ماحول

۱۔ خط پر تادیب تحریر نہیں۔ خط میں غائب نے لکھا ہے کہ اگر راجا سراج الدی نہیں مری میری خدمت ہے کیونکہ راجا سے مراد بھرت پور کے راجا نوش بدونت سنگھ سے ہے، ان کا انتقال ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کو ہوا تھا۔ اس وقت ولی محمد راجا جیونت سنگھ کی بیوی کے تھے (راجا کے بہن: ہادی ندیا، عیسیٰ گڑھ، لومبر اور دھانویر سنگھ) غائب کے اس خط سے بھی ولی محمد کی عمر کی تائید ہوتی ہے۔ راجا کی بیوی اور راجک کا ذکر غائب نے اپنی بار ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کے خط میں کیا ہے۔ پھر ۲۱ مارچ ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھا ہے کہ راجا کے مرنے کی خبر پائی۔ اس لیے یہ خط غائب کی غائب میں لکھا گیا ہو گا۔ غائب نے اس خط میں میرا کہنا کہ جیونت راجا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نوش کے بہنوں میں بھی مصافحت تھی۔

۱۔ غالب ایس انکم ٹیکس کا ڈانگر رہے ہیں جو ان کی پین پر لگا تھا۔  
 ۲۔ اردو نے سٹی میں اس خط پر دو مشہور مافی مشننگ ورکس شروع ہے تقریباً گندے مٹی کا کوسو روپے  
 نہیں سر فہرہ ہے۔ مولوی امجد علی صاحب نے "مافی" کو "مافی" مکتوب ہے۔ بہتر لکھا  
 صاحب لے لے۔ "مافی" قرا لیا ہے۔ انکم صاحب کی تقریر کر دیا گیا ہے۔ مسلم ہوئے ہے۔ "مافی"  
 کو روشتہ تھا۔ غالب نے اس خط میں لکھا ہے: "مافی" صاحب (تقریباً) ایک خط اس سے لکھا گیا  
 کا جواب اس کو دیا کہ یہاں ۱۰۰ مافی کے خط میں غالب نے لکھا کہ یہ بیان کرنا اس قدر  
 سے عجیب ہے، "مافی" تقریباً ۱۰۰ اس عبارت سے بھی اعداد ہوتا ہے کہ زیر بحث خط ۱۰۰ لکھا گیا  
 ۳۔ اردو نے سٹی میں ایس ہے جب کہ غالب نے اس خط میں جو صاحب لکھا ہے اس کا گندے مٹی کا  
 رہتی ہے۔ یہاں ہر جہاں ہے۔

۱۔ اوروں سے مل کر تاریخ تحریر کی گئی، اور ان کے لئے یہ ہے لیکن وہ ان کو بھولنے نہیں دیتے۔

5500

PH-2

۱۔ غائب کے لب و لہجے سے اعتراف ہر کالج کے کمرہ دارا جاسے پر سے جو پاپا سمرو پے لٹنے والے تھے۔  
فکرتے تھے ان میں سے کچھ روپے اٹکے تھے۔

T T V V

۱۔ اس خط پر تادم نگہ کر رہے ہیں کہ یہ مولانا بریلوی نے اس کا سہد تحریر فرمایا ہے یا نہیں کیا ہے؟  
 دوسرے غریب معلوم ہوتا ہے اس خط میں نقاب نے عطا اللہ خاں آگاہی ہو کر لکھا ہے۔ ان ہی عطا اللہ  
 خاں آگاہی کا اگر نقاب نے جو اصل حقیقہ کے نام خط مورخہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں لکھا ہے اس میں یہ انویاں  
 ہے کہ خط اکتوبر ۱۹۷۷ء میں لکھا گیا ہے۔

792

۱۔ ڈاکٹر خازن احمد خاں نے یہ خط پہلی بار لغوی (لاہور) سالانہ مشاعرے میں پیش کر دیا تھا۔ پھر یہ خط ان کی سب سے سلاخی غائبہ میں شامل ہوا۔ اس خط پر تاج محل تحریر نہیں ہے۔ خاں نے غائبہ صاحب نے دعائی سے ثابت کیا ہے کہ یہ خط عربی مشاعرہ میں لکھا گیا تھا۔ مجھے ان کی رائے سے اتفاق ہے۔ چونکہ یہ خط غائبہ غائبہ میں غائبہ سے نقل کیا گیا ہے۔

2012/12/24

۳۔ خط پر کار بننا تحریر نہیں۔ نقاب نے جو ان کی شکایت کے خط میں منسوبی بھائی تحریر کر رکھا ہے کہ بھائی! اب کے تہنیتیہ عید میں وقت صبح کے کسی اعلان کے لئے جس کی دیکھو گے تو خط لکھا تو گئے پر سوں یا ان سوں دعا ذکر ہے اس پر گو پال صاحب لکھی دیکھا دیکھا لکھنے کے نام اس خط میں بھی دو قصیدہ لکھا اور فقیر کے نام خط لکھا ذکر ہے اس لیے اس کا نام بھی ہے کہ یہ خط جو ان کی شکایت کے نام سے لکھا گیا۔

Figure 2

- ۱۔ یہ تھکے کے دوسرے دن اپنی نرسی کا رگہ چہرے میں اپنی مشتعلہ میں ملایا تو کوہ نور و ہمد سے شاکل پر آتا۔
- ۲۔ غلام پر نرسی کا حجر پر نہیں لگتا تب تک ۲۵ منی مشتعلہ کو بخش لی بلکہ حجر کو کھاتا (آفتاب محمد سے

حق ہیں۔ حکم تھا کہ وہ ان کا دریا چھٹکے۔ چمکے کہا، صاحب! تم ہر سال ایک دریا ان  
کھولتے، میں دریا چھٹاں لگ لگ کر دل لگاؤ۔ گفتہ کے نام پر خط ہے، جس کا قاتب نے  
ڈاکر کیا ہے۔ اس پہ خط اپریل یا مئی ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا تھا۔

۳۔ اس خط میں قاتب نے ابو صاحب سے بھی جانی پہنچی کہ ڈاکر کیا ہے۔ قاتب نے ابو صاحب کا ذکر  
مولا پرگاپال گفتہ اور سید بدیع الدین اور العلویہ بن بغیر کے خطوں میں بھی کیا ہے۔ خطوط قاتب ہی  
ان کا اگر پہلی بار گفتہ کے نام سے مولا پرگاپال گفتہ میں اور آخری بار سید بدیع الدین اور  
العلویہ بن بغیر کے نام سے مولا پرگاپال گفتہ کے خط میں آیا ہے۔ اس پہ خط قاتب ہے کہ یہ خط گفتہ  
پاس سے چل کر لکھا گیا۔

صفحہ ۲۶۵

۱۔ قاتب کا یہ بیان درست نہیں کہ قند کے دوران انھوں نے قند کا خوب چمکانی صنعت میں دل  
نہیں دیا۔ قاتب قند کے دوران کئی بار صنعت دہا میں سامو جوئے جگ انھوں نے کم سے کم چم  
تصید سے بہادر شاہ ظفر کے خدمت میں چلے گئے۔ ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اگر ان کے افات  
مختبروں کے بیان سے کوئی بات پائی نہیں گئی۔ ایک جاسوس عمری مشکر نے ۱۹ جولائی ۱۸۷۷ء  
کو انگریزوں کو اطلاع دی تھی کہ قاتب نے ایک مسٹر کز کو قند کے قند کیا ہے۔ عمری کا مشکر کہ اس  
پرہیز لے قاتب کو کافی پریشانی میں مبتلا کیا تھا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو قاتب اور شاہانہ انگریز  
محرم ۱۲۹۷-۱۲۹۸ ق. قاتب نے تاریخی تحریر خط کے متن میں لکھا ہے۔

صفحہ ۲۶۰ - ۱۔ اندوئے علی "اگر" - ۲۔ اندوئے علی "تیرا ایک" - ۳۔ "ہر زمانہ"۔

صفحہ ۲۶۳

۱۔ اندوئے علی میں "مشکر" ہے۔ ظاہر ہے یہ سہو کا تہ ہے۔

صفحہ ۲۶۲

۱۔ اندوئے علی "ساتھ"

۲۔ قاتب نے یہ خط "بہت عجیب" ہے "ابن آصف" کے مفہوم میں استعمال کیا ہے قاتب نے  
فطی فی مجلس منقر کے نام سے خط ۴۴ و ۴۵ پر مشکر میں بھی یہ خط اسی مفہوم میں استعمال کیا

یہ گفتہ کے "خط میں غالب کا شمار گفتہ کے لڑکے کی وفات کا قوت ہے۔" ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء  
 کے خط میں غالب نے عشق بی بخش حقیر کو نکاحاً لکرم کو گفتہ کی بھی کچھ فریب ہے۔ یہ نہیں سہی اس  
 لڑکوں پر مر گیا۔ اسے اسی فریب کے دل پر کیا گزری ہو گی۔

صفحہ ۲۵۶

۱۔ اردو کے "محل" سے۔

۲۔ اردو کے "محل" صورت۔

صفحہ ۲۵۷

۱۔ اردو کے "محل" "افسانہ عجائب"۔

۲۔ پشتر معنی کے شاگرد نور الاسلام مشفق کا ہے۔ سرکوتے فساد عجائب "اس "مر" صحت اس طرح  
 لکھا ہے: "یاد رکھنا تم فساد ہی ہم لوگ۔"

۳۔ اس خط پر دی گئی تفسیر ہے لیکن سب سے پہلے یہ خط میں غالب نے گفتہ کے "اس" کا وہی وہی ان کا  
 ذکر کیا ہے "خوشنود" میں پہلے کہ "خدا ہو سے شائع ہوا تھا اگرچہ وہی اس پر سزا شامت  
 شعلہ ہے لیکن ممکن ہے کہ یہ اوائل شعلہ وہی چھپ کر تیار ہوا ہو۔ گفتہ کا پہلا وہی شعلہ  
 ہی چھپا تھا لیکن شعلہ وہی ۲۶ جن کو پنجشنبہ ہے۔ شعلہ وہی ۲۶ جولائی کا ہے۔ اس لیے  
 ان کا ہی کہہ کر یہ خط شعلہ وہی کا ہو۔ وہی پیش نے بھی اسے شعلہ کا تسلیم کیا ہے۔

صفحہ ۲۵۹

۱۔ اردو کے "محل" "شال"۔

صفحہ ۲۶۰

۱۔ محمد اول و دوم "سودا"۔

۲۔ اردو کے "محل" "پچھلے تم کو"۔

۳۔ اردو کے "محل" "محمد اول" "کر" "خدا"۔

۴۔ محمد اول و دوم "پڑھ دینا"۔

۵۔ محمد اول و دوم "ہوئی"۔



- ۶۔ عود اول "پہرا"  
 ۷۔ اردو کے معنی "نہارو"  
 ۸۔ عود اول "زندگی اپنی اسی ڈھب سے جو گری خاک"۔

صفحہ ۲۸۱

- ۱۔ عود اول "انگریزی"  
 ۲۔ عود دوم "اپنے"  
 ۳۔ غلط پر تاسیخ "خون نہیں"۔ غلط میں غائب نے انقلاب ششدر کے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مولوی اسٹیل پر شاہ نے جو ششدر اور جلالی ششدر کے درمیان غلط فہمی اس لحاظ کو مرتبہ دہرایا ہے۔ یہ ظاہر یہ نقطہ نہیں معلوم ہوتا۔

صفحہ ۲۸۲

- ۱۔ اردو کے معنی "سگرہ"

صفحہ ۲۸۳

- ۱۔ "تفہیق" سے مراد غالب تھا مثنوی غلام غوث خاں نے لکھا ہے۔ غالب نے فقرہ کے نام میں "ششدر" کے غلط میں لکھا ہے۔ تم نے کہا تھا کہ مثنوی غلام غوث خاں صاحب کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا۔  
 ۲۔ اردو کے معنی میں "ہزارہ" معنی ہے۔ جب کہ اسے غور خواہ چاہیے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ سہر غالب سے  
 ۔ ہراسہ یا کاتب سے۔

- ۳۔ اردو کے معنی "پارسہ"

- ۴۔ اردو کے معنی "حیات"

صفحہ ۲۸۴

- ۱۔ اردو کے معنی "بھرپور گھر" "آگہ زانو"  
 ۲۔ اس غلط پر غالب نے "دن" کا درجہ اور یہاں لکھا ہے لیکن سہر نہیں لکھا۔ یہ ششدر ہوتا  
 چاہیے۔ کچھ نہ غلط میں "سہر" کی طبیعت کا ذکر ہے۔  
 ۳۔ اردو کے معنی "اسی"



میرے خیال سے "چاہیں" قرأتِ درست ہے۔

ص ۲۹۵

۱۔ اردو سے پہلی تحریر "خالد"

ص ۲۹۶

- ۱۔ خط پر تاریخِ تحریر میں مسند نہیں لکھا گیا، چونکہ خط میں "مختصر" کی جگہ "نور" لکھا گیا اور اگر کیا گیا ہے اس خط پر مختصر کا یہاں اور مستند ہے۔ اردو سے پہلی میں تاریخِ "مختصر" ہے، یہ درست نہیں کیونکہ مختصر کو مستند نہیں لکھا، مختصر کو "مختصر" ہے، اس لیے یہ تاریخ "مختصر" کی بجائے "۲۔ اردو سے پہلی" (۱)۔

ص ۲۹۷

- ۱۔ خط پر تاریخِ تحریر نہیں، غالب نے اس خط میں مولا حاکم علی قہر کے نام اس خط کا ذکر کیا ہے مگر میں انہوں نے حکیم احمد علی بادی کے نام انتخاب نام بابا لکھا کر لے کی نوادہ لکھی، غالب نے قہر کے نام انتخاب میں اس خط کا ذکر کر لے ہوئے لکھا خط میں دو خطے "۱۰" اور "۱۱" تحریر کائی، مگر میں انتخاب کو کتابت نام لکھا "لغت" کے اس اور یہ خط میں انتخاب نے قہر کے نام اس خط کا ذکر کر لے ہوئے لکھا ہے: "اگر یہاں کہہ سبب حکیم صاحب کے لغت سے کے لکھو، اور یہ خط جناب مولا صاحب قہر کی خدمت میں بھیجا، اس کا مطلب ہے کہ لغت کے نام یہ خط "مختصر" لکھا کر لکھا گیا۔

ص ۳۰۰

۱۔ اردو سے پہلی "نور" اور

۲۔ اردو سے پہلی "میں"

ص ۳۰۱

- ۱۔ سمجھا گیا میں دہنے والوں سے عوامی نامی کتب مختصر اور ان کے صاحبزادے سے ہے، دہانے و دہانوں میں اگر نام میں اگر نام ہوئے لکھے، ان کا یہی ہے کہ یہ لغت کے نام میں اگر نام لکھا گیا

ص ۳۰۲

۱۔ اردو سے پہلی "شانی"

صفحہ ۴۰

- ۱۔ اردو کے پہلی ہی پتہ تاریخ کا دبیر شمس الدین ہے جو بظاہر سوس کا جب ہے لیکن کہ تحریر میں کہ "دبیر" کو اس وقت کا خوش شکل ہے۔ دبیر کی "د" کی ایک سو سو د ہے اس لیے یہ خط "د" دبیر کو کھائی ہو گا اور اس کا پیش نے اس قرات کو درست کر دیا تھا، لیکن اس کی اطلاع نہیں دی۔

صفحہ ۴۱

- ۱۔ اردو کے پہلی "لے"۔

صفحہ ۱۱۱

- ۱۔ اردو کے پہلی "حکوانی"۔

- ۲۔ بعد کی بعض حوالوں میں ای مرزا آغہ... عذر لیجئے گا کہ ایک ملک خط بنا دیا گیا ہے اور وہی نہیں۔

صفحہ ۴۲

- ۱۔ خط پر تاریخ ہے لیکن مسدود تحریر نہیں، خط میں دے امید شکوہ اور تحریر میں مد سے مسدود کیا گیا ہے۔ غالب نے ہمارے تحریر خط کے شروع میں دیا ہے۔
- ۲۔ اردو کے پہلی "پڑا"۔

صفحہ ۴۱۹

- ۱۔ اردو کے پہلی "مگر"۔

صفحہ ۴۱۵

- ۱۔ اردو کے پہلی "نصیب"۔

صفحہ ۴۱۱

- ۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ فقرہ کے نام م فردی شمس الدین کے خط سے اعجاز ہے کہ یہ خط ادائی فردی شمس الدین میں کھائی ہو گا، لیکن کہ وہ ان خطوط میں فقرہ کو نام پر جانے کا ذکر ہے۔

صفحہ ۴۲۰

- ۱۔ اردو کے پہلی "میر"۔

- ۱۔ اردو کے سٹی میں تار پنا تحریر میں منسلک ہے جو دوست نہیں۔ منسلک ہونا چاہیے۔ محمد غالب نے خط میں اس سائل کو منسلک بنایا ہے جو تقریم کی دہائی منسلک ہے۔ اس خط میں غالب نے سفر رام پر کافرا ذکر کیا ہے۔ رام پور کو غالب کا بہنہ سفر تھا۔ وہ ۱۹ جنوری منسلک کو روانہ ہوئے تھے اور ۲۲ اپریل کو دہلی واپس آئے تھے۔

- ۱۔ اردو کے سٹی میں تار پنا تحریر خط کے آغاز میں ہے۔ تقریم کی دہائی سے پہلے کی کوشش ہے۔

- ۱۔ اردو کے سٹی میں کوشش
- ۲۔ اردو کے سٹی میں کوشش

- ۱۔ اردو کے سٹی میں کوشش کی ایک کوشش
- ۲۔ تار پنا تحریر خط کے آغاز میں کوشش ہے اور پوری اور صوبہ میں نہیں کوشش کی۔ منشی کا کوشش
- ۳۔ انتقال منسلک میں ہوا تھا اس لیے منسلک منسلک ہے۔ تقریم کی دہائی سے پہلے کا کوشش قرار پاتے ہیں۔

- ۱۔ غالب نے تار پنا تحریر میں سے نہیں لکھا خط میں فقرہ کی سبب سے اس کی طاقت کا ذکر ہے۔ سبب سے اس کے بارے میں غالب نے اپنی لکھی ایک خط میں فقرہ کو لکھا تھا، بعد میں ایک معذرتیوب دیا ہے، بد لباس ہے اس کا مطلب ہے کہ خط میں منسلک میں لکھا گیا۔ یوں ہی ۳ جنوری منسلک کو منسلک تھا۔
- ۲۔ اردو کے سٹی میں کوشش
- ۳۔ اردو کے سٹی میں کوشش

- ۱۔ اس حصہ کے بارے میں تاہم عہد اور لکھتے ہیں، غالب کے ایک خاص شاگرد کی

رسائی لکھتے ہیں قطب الدولہ کے یہاں چوگنی، خاقان کو اس کا استکان نظر آیا کہ قطب الدولہ کی برادری سے واجد علی شاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کر کے صلہ وصول کیا جائے۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ کم از کم پانچ ہزار ملیں۔ چون کہ خود جیلے کی رقم مقرر کردینا دشوار نہیں انھوں نے یہ دیکھا تھا کہ اگر یہ دوا برآمدہ کا وصول ہے کہ مجھے قصیدے کا جملہ اس جملے نصیر الدین حیدر کی خدمت کے قصیدے کی نسبت قطب الدولہ کو لکھتے ہیں..... "از محمد اورنگ زیبین نصیر الدین حیدر....." چھیڑہ دراز در خوار خواں حطیے کن سلطنتم قصیدہ من بوساطتہ دولہ الدولہ بہ پیشکرم سلطان..... گزشتہ و ہنخ ہزار دو سپہ رحمت گزشتہ" اس کے موافق یہ معنی نکلتے ہیں کہ خاقان نے صلہ پایادہ نہ در خوار خواں حطیہ من بوساطتہ دولہ الدولہ کی امید متعلق ہونے لگی تو خاقان نے عالم داری کی کجی لکھا کہ میری یہ قسمت کہاں کہ صلے نصیر الدین حیدر درج شنیدہ و زندہ بشیدہ و روشن الدولہ و خوشی محمد حسن پاکر خوار و دہ پٹنیز و یمن و سرسیدہ لیکن یہ بھی داستان محض ہے نصیر الدین حیدر تک قصیدہ پہنچا ہی نہیں اس صورت میں صلے کا کیا سوال ہے۔ کلیات کے ایک سے زیادہ تقریم نسخوں میں قصیدہ مذکور کا عنوان یہ ہے..... "نگار دل پذیر فتنہ خاں احمد و دربیہ و بہر حق یادگار امانت خاں بہ مدوح در سیدہ از عالم مستی بہ بوسے بادشاہ شہل اس داستان میں بعد کو خاقان نے یہ اضافہ کیا اس مسلطے میں تاریخ سے موافقت ہوئی اس انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ چہ و کدام نشان الدولہ کے حق سے نکال نہیں گئے مگر اسے کیا کیجیہ کہ اس کے بعد ہی نصیر الدین حیدر فوت ہو گئے۔ خاقان یہ بھی بڑا سوئی کر گئے کہ محمد روشن الدولہ میں تاریخ کا رد اثر نہ تھا کہ ایسا وعدہ کر لیتے لیکن انھوں نے سیدہ از عالم مستی و دل مشفقہ ص ۲۷-۲۸)

حصہ ۲۲۹

۱۔ اردو سے منسلک "دیکھو"

حصہ ۳۳۰

- ۱۔ تاج محل تعمیر خاقان نے غلط کے متن میں لکھی ہے۔ تاج محل میں سنہ نہیں لکھا۔ یہ غلط ہے۔
- ۲۔ تعمیر کو پنجشنبہ منسلک ہے۔ میں ہے۔ بولوی پہلے نے اس تھا کہ اس تقریر منسلک کر دیا ہے۔

پر لکھ کر اس سند میں ۱۲ ستمبر کو "مستثنیٰ ہے۔ اس لیے نوادی صاحب نے نیز اعلان خط کی تاریخ  
"۱۲ ستمبر سے بدل کر ۱۲ ستمبر" کر دیا جو صحیح نہیں۔

۲۔ اردو سے نقلی "کر" بخارو۔

صفحہ ۳۳۲

۱۔ اردو سے نقلی "بہت بانی" بنا۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ اس خط میں نقیب نے "مامور" کے بارے میں گفتگو کی ہے اور اس  
گفتگو کے بارے میں ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کے خط میں بحث کی گئی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط  
۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء ہی میں لکھا گیا ہوگا۔

۳۔ اردو سے نقلی "بہت بانی" "براکھم"

صفحہ ۳۳۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ فقرہ کے نام نقیب کے ہم آئو پرنٹسٹ اور سب پرنٹسٹ کے  
خطوط کے مطابق سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم آئو پرنٹسٹ کے بعد اور سب پرنٹسٹ سے پہلے  
لکھا ہوگا۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط کے عنوان سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط ۱۲ ستمبر ۱۹۳۷ء کے بعد  
اور سب پرنٹسٹ سے قبل لکھا گیا ہوگا۔

صفحہ ۳۳۶

۱۔ اردو سے نقلی "پیس"

صفحہ ۳۳۷

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خط میں "ناہی" اور "ناہ" پر گفتگو کی ہے۔ یہاں گفتگو "ناہی"  
۱۹۳۷ء کے خط میں کی گئی ہے۔ اس لیے یہ خط بھی اگست ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا ہوگا۔ اس کو بھی "ناہی"  
کہا ہے کہ یہ خط ۱۲ اگست والے خط سے پہلے لکھا گیا ہو۔

صفحہ ۳۳۹

۱۔۲۔ اردو سے نقلی "میرٹھ"

۳۔ اردو کے سٹی "ورین"۔

۴۔ خط پر تاریخ تحریر "روز چارشنبہ ۱۳ رمضان ۳ فروری" ہے۔ نائب نے انبار کے کے حصار کا ذکر کیا ہے۔ یہ سٹیشن کا واقعہ ہے کیوں کہ ۱۶ مارچ سٹیشن کے خط میں نائب نے ادب یوسف علی خاں ناظم کو پوری تفصیل لکھی تھی۔ نائب نے البتہ یہی بنا غلط لکھا ہے یا ممکن ہے کہ یہ سب کاتب جو یہ یہی بنا فروری میں لکھا ہے۔

صفحہ ۳۳۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ نائب نے ۱۶ مارچ سٹیشن کے خط میں نواب یوسف علی خاں ناظم کو لکھا ہے کہ جنگل م مارچ کو جناب سٹیشن گورنر بہادر نے خلعت عطا کی "اس خط میں اس سٹیشن کا ذکر ہے" اس لیے یہ خط مارچ یا اپریل کو لکھا ہوا امکان ہے کہ اپریل سٹیشن میں لکھا گیا ہو۔

۲۔ خط پر تاریخ اور یہی بنا ہے "لیکن سسٹمز نہیں۔ پاؤں پر دم کی تقریباً پوری تفصیل نائب نے ۳ فروری سٹیشن کے خط میں نواب علی الدین خاں خاں کو لکھی تھی اس لیے یہ خط بھی اسی سسٹمز میں لکھا گیا ہوگا۔

صفحہ ۳۳۱

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ نائب نے سٹیشن دکان کے نام لائی اور اسٹیشن کے خطوں میں پھیلنے والے کے میں کا ذکر کیا ہے اور ۳ جولائی ۱۸۶۳ء کے خط میں آفیسر کو لکھا تھا: "میں نے سب خط پہنچے سب قبیلے کے پہنچے بعد اصلاح کیا دہے گئے" اس خط میں ۳ جولائی کے خط کا ذکر اس طرح کیا ہے: "اپنے عالی پڑوں کے خط میں منسلک لکھ چکا ہوں"۔ اس لیے یہ خط ۳ جولائی سٹیشن کو لکھا گیا ہوگا۔

صفحہ ۳۳۲

۱۔ اردو کے سٹی "جہان پور"۔

صفحہ ۳۳۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ نائب نے خط میں پاؤں کے دم اور آگ کے پھیلنے کا ذکر کیا ہے۔





اس تذکرے پر غلطی ہے۔ اس لیے اس خط کا سب سے آخری فقرہ منسوخ قرار پائے گا۔

۲۔ اردو کے مثلی، دیکھو۔

ص ۳۵۰

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ اس تاریخ کا تھیں اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ فردوسی مشق میں مرزا قلعہ نکلوا تھے۔ چھپے غائب کا خط جام قلعہ مورخہ ۱۲ فروری ۱۸۵۷ء۔ خط ۵۴ فردوسی کے بعد لکھا گیا ہو گا۔

ص ۳۵۱

۱۔ اردو کے مثلی بہت باریک "سب ملو میں۔"

ص ۳۵۲

۱۔ اردو کے مثلی بہت باریک "نکھو۔"

۲۔ ۲۱ فروری ۱۸۵۷ء کو ذاب یوسف علی خان نے حکم کا استیصال ہو گیا تھا۔ غائب نے نو اب تک لکھا کہ کو ان کے والد کی وفات پر تعزیت اور ان کے سسر فشتین ہونے پر تعزیت لکھی تھی۔

ص ۳۵۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غائب نے مرزا قلعہ کے نام ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کے خط میں تعزیت لکھی تھی تمام الفاظ پر بحث کی تھی۔ اس لیے یہ خط ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کے بعد اور غالباً آخر مئی ۱۸۵۷ء میں لکھا گیا ہو گا۔

ص ۳۵۵

۱۔ تعزیم کی اردو سے ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء ہے۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غائب نے خط میں نام ایسے سے لپکا کہ اگر کیا ہے۔ یہ نام ایسے کے دست پر منظر کا ہے۔ جنہوں سے اعزاء ہر تہا کہ یہ خط مجددی مشق میں لکھا گیا ہو گا۔

ص ۳۵۶

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ غائب نے مشق میں لکھا کہ لا تہلہ اور العون لا تہلہ میں اپنا حال بھیج کر معذرت کی تھی کہ اب وہ کلام کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ یہ بات پہنچت چدری دیکھ



روزوں کے بال بچا قرا ہے۔ تقریر کی رو سے اسے بھولائی ہونا چاہیے۔ اس نے جو کئی شکستیں  
کوئی الجھ کر اٹھائی تھیں، مقررہ نہیں۔

ص ۳۵۳

۱۔ غلط ترین تقریر جس میں غائب نے لکھا ہے: کچھ سات جہان اور شریفی الجھنے لکھا ہے  
شروع میں غائب نے لکھا ہے: "پیش ہے کہ وکاست جلد ہی ہوا، نزدیک سے سال کی مشقت مل گیا،  
یہ باتوں میں لکھا ہے کہ ہاں مٹی لکھتا کہ غائب کو چٹائی کے چھوڑ کر ایک سو پچاس روپے مل گئے  
۲۔ اردو کے مٹی "وڑو"

۳۔ اردو کے مٹی "صدا"

۴۔ اردو کے مٹی "تا"

۵۔ اردو کے مٹی "و" "خارو"

۶۔ اردو کے مٹی "کھا"

ص ۳۶۹

۱۔ غائب نے ہر جہان تقریر میں حرفت و غیرت سے ۲ پر مٹی لکھا ہے، ۳ پر مٹی کو خوبصورت لکھنے میں غائب  
غائب نے لکھا ہے کہ: مولا ساجی کا نام لکھتے ہیں مکان بدلے گا، اگر غائب نے فقرہ کے نام ایک خط  
مولا ساجی کو مٹی لکھتے ہیں کیا ہے، غلطی سے غلط ہے کہ غائب مکان تبدیل کر چکے  
وہ بہرحال یہ خط لکھتا ہے، لکھا گیا ہے کہ مولا ساجی نے مٹی پر اس سے قرار دیا ہے۔

ص ۳۷۰

۱۔ اردو کے مٹی "محکم" "بہتر" "نائد"

ص ۳۷۱

۱۔ اردو کے مٹی "ماحدہ"

۲۔ اردو کے مٹی "کھکھا"

۳۔ اس خط کا تاریخ تقریر میں غائب نے مسطور لکھا، جہاں لکھتا ہے کہ غائب نے "فاتحہ  
دعا میر کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے یہ خط میں لکھتا ہے کہ اگر تقریر کی گوتے کو مٹی کا غائب تھا۔



۲۔ "نوحہ دلوے" سے مراد قاضی صاحب کی جانب سے لکھے جانے والے سید محمد علی خاں کے بیان کی تصدیق کا جرم نامی مکتبہ کو پہنچی تھی۔

۳۔ اندوئے علی "میر"۔

۴۔ خاتب نے تاریخی تحریر خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

صفحہ ۴۷۳

۱۔ اندوئے علی "آپا"۔

۲۔ اندوئے علی "بقر"۔

۳۔ خاتب نے تاریخی تحریر خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

صفحہ ۴۷۴

۱۔ امام حسین علیہ السلام اور یحییٰ کا صاحبزادہ بننا ایک عجیب کے مسائل پر ان دونوں میں بہت اختلاف تھا۔

۲۔ اندوئے علی "نیاں"۔

۳۔ اندوئے علی "بورد"۔

صفحہ ۴۷۵

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں لکھی اور ایک سال تک یہ فرض ادنیٰ بیگ و خان کو بارہویں عرصہ کے خواہاں

تھے اور خاتب کی کوششوں سے دونوں کا دوست بن گئی تھی۔ عہدہ دین خاں حاکم کے تمام اہلکار

مکتبہ کے خط میں خاتب نے اس اعتبار میں اس دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خط

نویس بحث پروردی مکتبہ سے قبل لکھا گیا ہو۔

۲۔ اندوئے علی "عمیڈا یا" "آپا" "زادہ"۔

۳۔ بیگ و خان اور ادنیٰ بیگ و خان کو نام بردارنا چاہتے ہیں۔

۴۔ خاتب نے تاریخی تحریر خط کے آغاز میں لکھی تھی۔

صفحہ ۴۷۶

۱۔ حکیم خیلہ کا اصل نام حکیم مسام الدین تھا۔

۲۔ اندوئے علی "قرائے"۔

۳۔ امدد سے ملنے "سپاریں"

صفحہ ۴۴

۱۔ نائب نے خط کے آغاز میں صرف "ظہیر" لکھا ہے اور دوسری لائن پر "کھاجہ" لکھا ہے۔ تقریر کا نام ہے۔  
 شکستہ مطابقت رکھتا ہے۔ نائب نے "افروسی شکستہ" کو قافیہ کے نام ایک خط میں میں لکھا  
 فال کے بارے میں لکھا تھا "مگر تمہارے خط کا جواب لکھ چکا ہوں اپنی اپنی جگہ....." عظیم محمد خاں کے  
 طور پر صاحبزادہ قریب آباد ہے یعنی انھوں نے "مولا محمد" لکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قریب بھٹو ایک اور بڑے  
 بھٹو "افروسی شکستہ" کو لکھا گیا۔

صفحہ ۴۴

۱۔ امدد سے ملنے "ہے"

۲۔ نائب نے تاریخی تحریر خط کے آغاز میں اس طرح لکھا ہے: "یکشنبہ" "افروسی شکستہ" "نظام" "نیرودا"

صفحہ ۴۵

۱۔ امدد سے ملنے "سپاریں"

۲۔ منقول پچھوں سے مراد مرزا قزاق علی بیگ صاحب امدد پر مشتمل دلی بیگ ہے۔

۳۔ امدد سے ملنے میں یہ قزاق "گریٹ" ہے۔ ممکن ہے نائب اس طرح لکھنا چاہتے ہیں۔

۴۔ نائب نے تاریخ قریب آباد کے آغاز میں لکھا ہے۔ نائب نے یکشنبہ لکھا ہے جبکہ تقریر کا نام ہے "یکشنبہ" "نیرودا"  
 نیرودا نائب نے خط میں لکھا ہے کہ اہل جھک کے دن نائب کا سہیل تھا۔

صفحہ ۴۵

۱۔ امدد سے ملنے "سولے"

۲۔ اس خط کی جڑ پر تاریخی تحریر میں نائب نے سید خیر علی بیگ امدد پر مشتمل دلی بیگ صاحب امدد پر مشتمل دلی بیگ صاحب  
 خان علی کو ان کے والد کی برادری کے بارے میں لکھا تھا "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا"  
 قزاق علی بیگ "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا"  
 نیرودا "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا" "نیرودا"

صفحہ ۴۵

۱۔ امدد سے ملنے "اگر"





برجہان کے لوہا بند جانے کا ذکر ہے۔ حنائی کے نام شمس کے دو خطوط میں مذکور ہے جو حنائی کو روایت  
وال فخری کا ذکر ہے۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ یہ خط بھی شمس کے ہونا چاہیے۔

۳۔ اردو کے معنی "آٹھ" "تعداد"۔

صفحہ ۴۹۶

۱۔ غالباً قلاب لفظی بخش نامی معنویت کے پھیلے بھائی قلاب احمد غزل نامی سے مراد ہے۔

۲۔ اردو کے معنی "مروغی"۔

صفحہ ۴۹۷

۱۔ خطوط قلاب کے بیشتر خطوط میں یہ قرات "یا صلی" ہے۔ غالباً پہلی بار لکڑا عبد الستار صاحب نے

خطوط قلاب متحریر خطوط قلاب میں اسے درست کر کے "یا صلی" لکھا ہے۔

۲۔ اردو کے معنی "کے"۔

صفحہ ۴۹۸

۱۔ قلاب نے سب سے پہلے قریب خط کے آغاز میں "یا صلی" لکھا ہے۔ اردو کے معنی "یا صلی" ہے۔ قریب کا "یا صلی"

خط شمس ہے۔ اس کے حق میں دو خطوط یہ بھی ہیں کہ اس خط میں قلاب کے اشعار کا ذکر ہے۔ غالباً

قوتی اور ان کے صاحب ان اشعار کا ذکر حنائی کے نام شمس میں لکھے گئے۔ دوسرے خطوط میں بھی

یہ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ۱۰۰ سال کی شمس کے خط میں قلاب نے حنائی کو کب تھا کہ انہوں نے

قرب پہنچا ہی تھا۔ ۱۰۰ سال کی کو میر شمس کا ذکر ہے۔ اس خط میں اس واقعے کی تفصیل بیان کر کے۔

صفحہ ۴۹۹

۱۔ اردو کے معنی "کھانسی" پر اس عربی عبارت کا ترجمہ "یا صلی"؟ ہونا چاہیے کہ یہ سب لکھنے

تعداد کے۔

۲۔ اردو کے معنی "مرنگ"۔

۳۔ اردو کے معنی "ڈر"۔

۴۔ حضرات پندہ روپہ بیہوشا خواجہ کے تھے۔ حنائی اردو روپہ بیہوشا اور ناچا تھے۔ شمس ان کے

والد قلاب احمد الدین احمد نام کو سات روپہ بیہوشا تھا۔ حنائی نے قریب چلی کی کہ ابتدا کا نام ہے

بچتے تھے کی جانے۔ ۵۔ اردو نے سنی میں یہ قرأت اور یہ ترجمہ جس کے سنی ہی ہوتی۔

ص ۱۰۱

۱۔ خاتب نے تاریخ تحریر خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خاتب نے جس زبان کا ذکر ہے وہ شکشا میں منقول ہوا تھا اس لیے یہ خط اوائل ادب شکشا میں لکھا گیا ہوگا۔

ص ۱۰۲

۱۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں۔ خاتب نے ۲۱ جون ۱۸۷۷ء کو ایک خط میں لکھا ہے: "مرزا علی

حمید خان کے اور مجھ سے ملے۔ میں نے خطوط تمہارے ایک مثلث الٹا کر دیا۔ اب تمہارے پاس

بیکہ لگا اس کو اختیار ہے خطوط سے بظاہر مراد ہی اردو خطوط ہیں کا خاتب نے زیر بحث خط میں

مطالعہ کیا ہے۔ اس لیے لگانا خاتب کے کہ ملانے پر یوں لکھا تھا شکشا میں خاتب کو یہ خط بیکہ

تھے۔ ملانے کے نام ہی شکشا کے ایک خط سے اخذ ہوتا ہے کہ خاتب کو یہ خط مل چکے تھے۔

اس لیے یہ خط اپریل ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا ہوگا۔ یہ خط خاتب نے اس مجھ سے کہ ملے گا

تھا جو مکمل المطابع اعلیٰ سے ۶ مارچ ۱۸۷۷ء کو اردو نے سنی کے نام سے شائع ہوا تھا۔

۳۔ اردو نے سنی "تاریخ"

ص ۱۰۳

۱۔ تاریخ تاریخ تحریر نہیں۔ میں نے خاتب نے ملانے سے اپنے خطوط اسطرح لکھا ہے۔ اس لیے یہ خط بھی

خطوں کی طرح اپریل ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا ہوگا۔

۲۔ اردو نے سنی "یا" غلام۔

۳۔ اردو نے سنی کے حاشیہ پر پیر ۱۸۷۷ء کے سنی اپریل اس باغ "میدان"۔

۴۔ اردو نے سنی "کر"۔

۵۔ تاریخ تحریر خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

ص ۱۰۴

۱۔ اردو نے سنی میں حاشیہ پر استاذ کی وضاحت اس الفاظ میں کی ہے: "ژنہ کی تفسیر کا نام ہے یہ

مکتبہ نقشبندیہ کے ذریعہ لکھا گیا ہے۔"

۲۔ اردو کے نثری - ہرگز؟

ص ۳۵

۱۔ اردو کے نثری - "میسوز"

۲۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

ص ۳۷

۱۔ اردو کے نثری - "سولے"

۲۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

ص ۳۸

۱۔ "سولے" میرا اضافہ ہے۔

ص ۳۹

۱۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

۲۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

ص ۴۰

۱۔ اردو کے نثری - ۱۷۷

ص ۴۱

۱۔ تاریک قریب میں صوفی مشاعرہ چھپا ہے، یہ کتبہ ہی حیدر کا مطلب ہے کہ تہذیبی الحیۃ

ہے، انقورم کی رو سے لادی الجوشنۃ اردو ادبی نگار میں شائع ہے

ص ۴۲

۱۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے اور صوفی ہجری تاریخ لکھی ہے۔

ص ۴۳

۱۔ نقاب نے تاریک قریب خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

ص ۴۴

۱۔ انقورم کی رو سے ہادیہ ۱۳۷۳ء کو طبع ہوا ہے۔

- ۱۔ یہ خط الدین خاں احمد علی کے والد امین الدین احمد خاں کا ذکر ہے۔
- ۲۔ قاتب نے خط کے آغاز میں صوفی مجدد نجم چب و امیرؒ لکھا ہے۔ یکتا شک و دو سال پہلے ہوگا۔  
کہ اگرچہ اس خط کا وہ تھا۔ اس لیے یہ خط یکتا شک و سلطان یکتا شک میں لکھا گیا ہوگا۔
- ۳۔ اردو سے نقلی ”دیوار و درگاہ“ کو ”نہاد“۔
- ۴۔ اردو سے نقلی ”وسے“ نہاد۔
- ۵۔ اردو سے نقلی ”پیکہ“۔

۶۔ قاتب نے خط پر اس کا تحریر نہیں لکھی لیکن خود نے شہباز بیگ پیدا ہونے کی ایک پختی ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ خط شہباز کو لکھا گیا۔ وہ بہر حال یکتا شک و قاتب نے خط کو لکھا تھا۔ اگر سر نو خط اس میں بھی اس طرح یا اس میں شہباز میں چارہ قتل لکھا تھا۔ یہ تو خدائی کو سن لیں گے۔ زیر بحث خط میں بھی یہ شہباز میں خط کے دلی آئے اور کہنے اس کا مطلب ہے کہ یہ خط بھی یکتا شک و میں لکھا گیا۔

- ۱۔ اردو سے نقلی ”مکمل“؟
- ۲۔ خط پر تاریخ تحریر نہیں لکھی اس خط میں قاتب نے لکھا ہے کہ: ”میرا شہباز الدین خاں پیدا کیا۔“ یہ خود لکھا خط میں قاتب نے خاں کو لکھا تھا۔ شہباز الدین خاں کو ساری نے میری نسبت کا سرا لکھ دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے آخر میں دریا لکھا۔ اس سے اعجاز ہوتا ہے کہ یہ خط اور آخری خط یکتا شک و میں لکھا گیا ہوگا۔

- ۱۔ اردو سے نقلی ”مکمل“ خط قاتب کے بیشتر کتبوں میں یہ قرات ”مکمل“ ہے۔ ہر کس طرح درست نہیں۔  
قالب پہلے بد مذہبی میں نے قیاساً تصحیح کر کے ”مکمل“ لکھا ہے۔
- ۲۔ قاتب نے خط کے آغاز میں صوفی مجدد ”میرا شہباز الدین خاں“ لکھا ہے۔ خط میں خاں کے لکھنے کا وہ لکھ کر ہے۔ یہ اگر ہم بد مذہبی یکتا شک و کے خط میں بھی ہے۔ اس لیے خط غیر مکمل

شکستہ میں لکھا گیا ہے۔

حصہ ۳۱۸

۱۔ غالب نے تاریخی تقریر میں مرتبہ جنشتہ ۲۶ رمضان ۱۲۶۷ء لکھا ہے۔ یہ شکستہ سلطان محمد شاہ کے پوتے ہیں۔  
اس خط میں وجہ اور شعبان کے بارے میں ایک بائیمبر کی گئی ہیں جو غالب نے شعبان ۱۲۶۷ء کے بعد  
یوں لکھی تھیں۔ ۲۶ رمضان کا تقویم کی رو سے پادشہ ہے۔

۲۔ غالب نے تاریخی تقریر خط کے آغاز میں لکھا ہے۔

حصہ ۳۱۹

۱۔ غالب نے تاریخ تقریر خط کے آغاز میں لکھی ہے۔

حصہ ۳۲۰

۱۔ اردو کے معلق "ایثار"۔

۲۔ غالب نے تاریخی تقریر خط کے متن میں لکھی ہے۔

۳۔ اردو کے معلق "معاذ"۔

حصہ ۳۲۱

۱۔ اردو کے معلق "منہس" کہ "منہس" تراکیہ۔

۲۔ اردو کے معلق میں یہ تاریخی تقریر خط راہ کے اختتام پر لکھی ہوئی ہے۔ جبکہ اس خط زیر بحث کے آغاز  
میں لکھی ہوئی ہے۔ چنانچہ یہاں کہہ غالب نے لکھا ہے کہ تاریخ اوپر لکھا گیا ہے۔ یہ لکھی گئی تاریخی تقریر

خط راہ کی نہیں ہے لکھی گئی کہ غالب کے خط زیر بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو عام آدمی سمجھا جاتا تھا۔

حصہ ۳۲۲

۱۔ خط پر تاریخ تقریر نہیں۔ ۳۳ دسمبر ۱۲۶۷ء اور ۲۶ دسمبر ۱۲۶۷ء کے خطوط کے مطالعے سے اعجاز ہوتا ہے کہ  
خط زیر بحث اس مغل خانوں کی تحریر کہ دہلی کی مدد میں لکھا گیا۔

۲۔ اردو کے معلق "یوم المنہس"۔

۳۔ اردو کے معلق "مگر ہر"۔

۴۔ اردو کے معلق "ایمان"۔

۵۔ خط پر تاریک تحریر نہیں، خط میں غائب نے لکھا ہے: "آئی شکل ہے، سات شبان کی ۲۷۱" ورنہ یہ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نام پر لکھے قیام کے دوران لکھا گیا ہے، اس لیے یہ خط، شبان شبانہ مطابقت ۲۷۱ ورنہ شبانہ کو لکھا گیا۔

ص ۲۲۳

۱۔ اردو کے "علی" کے ساتھ

۲۔ اردو کے "علی" کے ساتھ

۳۔ اردو کے "علی" کے ساتھ

۴۔ غائب نے تاریک تحریر میں "علی" کے ساتھ ۲۵ شبان ۳ جنوری لکھا ہے۔ شبانہ شبانہ مطابقت ہے کہ ان کو ان پر تاریک خط میں غائب نے لکھا ہے۔

۵۔ خط پر تاریک تحریر نہیں، اس خط میں غائب نے لکھا ہے: "آئی شکل ہے، سات شبان کی ۲۷۱" ورنہ یہ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نام پر لکھے قیام کے دوران لکھا گیا ہے، اس لیے یہ خط، شبان شبانہ مطابقت ۲۷۱ ورنہ شبانہ کو لکھا گیا۔

ص ۲۲۵

۱۔ مولانا امتیاز علی خاں قسطنطنیہ نے یہ خط اپریل ۱۹۰۷ء میں لکھا تھا کہ وہ یہ خط لکھا ہے، لیکن غائب نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

ص ۲۲۷

۱۔ اردو کے "علی" کے ساتھ

۲۔ اردو کے "علی" کے ساتھ

ص ۲۲۸

۱۔ غائب نے خطوں کے مجموعے "اردو" کے ساتھ لکھا ہے۔